جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

بیت المقدس

مصنف

فیض ملت، آفتاب اہلسنت، امام المناظرین، رئیس المصنفین

حضرت علامہ الحافظ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ العالی

با اہتمام

محمد اویس رضا قادری

WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشر

قطب مدینہ پبلشرز

(پرانی سبزی منڈی) نزد عالمی مرکز فیضان مدینہ، باب المدینہ کراچی

فون: 2316838 فون نمبر موبائل: 0300-8229655 - 0300-9249927 - 0300

نام کتاب

﴿ بیت المقدس ﴾

مصنف

فیض ملت، آفتابِ اہلسنت، امام المناظرین، رئیس المصنفین

حضرت علامہ الحافظ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ العالی

باھتمام

محمد اویس رضا قادری

اشاعت : ربیع الاول 1425ھ، اپریل 2004ء

صفحات : 208

قیمت : 75 روپے

کمپوزنگ : الرضا گرافکس

فون موبائل: 0300-2809883 0300-2809884

پروف ریڈنگ: ابوالرضا محمد طارق قادری عطاری

فون موبائل : (0300-2218289)

﴿ ناشر ﴾

قطب مدینہ پبلشرز

(پرانی سبزی منڈی) نزد: عالمی مرکز جامع مسجد فیضانِ مدینہ کراچی

فون: 2316838 فون نمبر موبائل: 0300-8229655 - 0300-9249927

WWW.NAFSEISLAM.COM

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
6	مختصر تعارف بیت المقدس	۱
8	شہر کے اسمائے گرامی	۲
10	بیت المقدس کی تاریخی حیثیت	۳
12	بیت المقدس پر حملہ	۴
14	تعمیر ہیکل اور ورود سلیمان علیہ السلام	۵
16	بیت المقدس سے یہودی محروم	۶
21	صیہونیت کا آغاز	۷
25	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۸
27	یروشلم کی تباہی	۹
31	ابتدائے اسلام میں بیت المقدس	۱۰
35	شب معراج اور بیت المقدس	۱۱
36	مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ	۱۲
39	مزارات کی زیارت اور مزارات کے نزدیک نوافل	۱۳
41	حوران بہشت کی حاضری	۱۴
45	نزول عیسیٰ علیہ السلام	۱۵
46	بیت المقدس اسلام کے قبضہ میں	۱۶
54	سنگ بنیاد مسجد عمر رضی اللہ عنہ	۱۷
57	زوال خلافت عباسیہ	۱۸

WWW.NAFSEISLAM.COM

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۹	بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ	62
۲۰	سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر کی حکومت سنبھالی	69
۲۱	فتح بیت المقدس	73
۲۲	تیسری صلیبی جنگ	76
۲۳	تاتاری اور فرنگی اتحاد	85
۲۴	آخری صلیبی جنگ	91
۲۵	ترکوں کے دور میں بیت المقدس کی خوشحالی	93
۲۶	قرآن وحدیث میں بیت المقدس کا ذکر	99
۲۷	بیت المقدس یاجوج وماجوج سے محفوظ	106
۲۸	شب اسریٰ نبی پاک ﷺ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا مقام	113
۲۹	تبرک رسول اللہ ﷺ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش	116
۳۰	صلاح الدین ایوبی کا کارنامہ	129
۳۱	تاریخ قبۃ الصخرہ	138
۳۲	کرامت حضرت عمر رضی اللہ عنہ	152
۳۳	اسرائیل کی شرارت کا آغاز	157
۳۴	حرم شریف میں دیگر زیارتیں	165
۳۵	دیوار گریہ	168
۳۶	معجزہ علم غیب اور عجیب واقعہ	180
۳۷	ارض بیت المقدس کے مشہور مزارات	205

☆☆☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

نحمده ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم الامین وعلیٰ آله الطیبین واصحابه الطاهرین وعلیٰ علمائے امته الکاملین واولیاء ملته العارفین

امابعد! فقیر نے چند مخلص رفقاء کے ساتھ ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء میں شام و عراق اور حجاز اقدس کے مزارات کی زیارت مع عمرہ و زیارت گنبد خضراء کا سفر کیا اسکی علیحدہ تصنیف شائع ہوئی۔ (ملنے کا پتہ مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی مسجد بہاولپور) اسی سال احباب کا ارادہ ہوا کہ بیت المقدس کی زیارت کو جانا چاہیئے شام (سوریا) میں اسکے لئے ویزہ وغیرہ کا بھی پروگرام بن گیا۔ فقیر نے بیت المقدس کے لئے مضامین جمع کرنے شروع کر دیئے۔ افسوس کہ اس سال بیت المقدس حاضری نہ ہو سکی لیکن بیت المقدس کی تاریخ مع متعلقات کا مسودہ تیار ہو گیا یہاں تک کہ تین سو صفحات کی کتاب مکمل ہو گئی۔ دل میں حسرت تھی کہ بیت المقدس کی تاریخ اور اسکے متعلق مکمل معلومات اور تفصیل مقامات اور ذکر مزارات کی بہترین تصنیف شائع ہو تو زہے نصیب۔ لیکن چند سال انتظار کرتا رہا۔ خدا تعالیٰ بھلا کرے محمد احمد قادری عطاری کا کہ جنہوں نے مسودہ طلب فرمایا۔ فقیر کی چند روز طبیعت ناساز رہی اور موصوف خود بھی عمرہ کی سعادت سے نوازے گئے۔ انکی واپسی پر فقیر نے مسودہ کو مرتب کر کے انکی خدمت میں پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اسکی اشاعت کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور اسے فقیر کے لئے زاد راہ آخرت اور مستفیدین کے لئے مشعل راہ ہدایت بنائے (آمین)

مدینہ کا بھکاری الفقیر القادری

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۲۶ ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ بہاولپور پاکستان

مختصر تعارف بیت المقدس

دنیا کے جن شہروں کی عزت وتکریم ہے ان میں سے ایک شہر یروشلم (بیت المقدس) ہے جو مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کیلئے یکساں باعث عزت واحترام ہے۔ یروشلم بمعنی خدائی حکومت۔ اسکا نام القدس بھی ہے۔ یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مزار تخت داؤد، اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تبلیغی کاوشوں کے نشان ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات انبیاء کرام اور مصلحین کی یادگاروں کے آثار موجود ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کو بھلائی اور نیکی کے راستے دکھائے۔

یروشلم سرد پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے اسکے کئی نام ہیں۔ بیت المقدس سنہری شہر اور امن کا شہر بھی کہلاتا ہے لیکن تاریخی لحاظ سے بمشکل دس دن گزرے ہونگے جن کے دوران یہاں کے باشندوں کو امن وسکون دیکھنا نصیب ہوا۔ نوع انسانی کی خون آشام تاریخ اپنے آپکو مذہبی روپ میں بار بار دہراتی رہی ہے۔ یہاں ہونے والی لڑائیوں کا شمار ممکن نہیں اور یہاں مرنے والوں اور مجروح ہونے والوں کی گنتی انسانی ذہن کو تھکا دے گی۔

بیت المقدس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جس قدر کہ نسل انسانی اور اس کی تاریخ۔ یہ مقدس شہر کتنی ہی بار اجڑا اور پھر اسی تابانی کے ساتھ آباد ہوا۔ حملہ آوروں نے کئی بار اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مگر آبادکاروں نے پھر اسی جوش وخروش سے تعمیر ومرمت میں حصہ لیا۔ یہودی اس شہر کو "خدائی مسکن" کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ شہر قیامت تک قائم رہے گا۔ روم کے متعلق اطالویوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس شہر میں اسلامی، مسیحی اور اسرائیلی تاریخی آثار بکثرت ہیں۔

سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس شہر کو فتح کر کے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ بعد ازاں انکے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہاں معبد تعمیر کئے رفتہ رفتہ یہ شہر مذہبی اور روحانی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اہل بابل یہاں قابض ہو گئے پھر یہودی اور بعد ازاں یونانی اس پر قابض ہوئے۔

پھر یہودی دوبارہ قابض ہوئے اور ان کے بعد رومیوں نے اس شہر پر قبضہ کرلیا ۱۳۳ق۔م میں یہودیوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ دو سال بعد عیسائی بادشاہ قسطنطین نے یہاں ایک بڑا گر

جا تعمیر کرایا۔

۶۳۷ء میں عرب مسلمانوں نے رومیوں کو جیرتا کی شکست دینے کے بعد یوروشلم کو فتح کیا اور ۴۵۰ سال تک یہ شہر امن وسکون کا گہوارہ بنا رہا۔ پھر صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ رومن کلیساؤں اور پوری عیسائی دنیا نے فوج کی یلغار کر کے عربوں کو یہاں سے نکال دیا ۱۵۱۷ء میں عثمانی ترکوں نے اسے دوبارہ فتح کر کے اپنی حکومت قائم کرلی۔

یہ شہر دنیا کی تاریخ میں اپنے جائے وقوع کے لحاظ سے عجیب ہے اور ڈھلوان پہاڑی پر واقع ہے اسکی حیثیت انگریزی وی کی سی ہے جو جنوب مشرقی کونے کے علاوہ پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے جسے ایک وادی دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے جہاں شہر آباد ہے۔ دو پہاڑیاں ہیں (۱) موریہ (۲)......
اس تباہی کے ۷۰ سال بعد خسرو شاہ ایران کی کوششوں سے از سر نو ہیکل کی تعمیر ہوئی۔ جو سات سال کی مدت میں پوری ہوئی۔ بلند ترین زیتون پہاڑی ہے جو بحیرہ روم کی سطح سے ۲۶۰۰ فٹ اور بحیرۂ مردار سے ۳۵۰۰ فٹ بلند ہے نچلی پہاڑی موریا سطح سمندر سے ۲۴۴۰ فٹ بلند ہے۔ بحیرۂ روم یہاں سے ۳۲ میل اور بحیرۂ مردار ۱۰ میل ہے۔

اس سطح مرتفع میں کئی جگہوں پر چونے کا پتھر عام ہے اور شہر کے جنوب میں نصف میل کے فاصلے پر وادی کیدرون میں غیر یقینی گہرائیوں تک گلابی اور سفید رنگ کا سنگ مرمر ہے۔ جسے Santa Groce کہتے ہیں۔ اس کے قریب نرم سفید چونے کا پتھر ہے۔ جو تقریباً چالیس فٹ موٹائی کا ہے۔ تھوڑا اوپر ۷۵ فٹ گہری سخت چاک کی سطح ہے جبکہ اس سے اوپر ۲۹۱ فٹ تک کا چونے کا پتھر ہے۔ اور کوہ زیتون اسی پتھر سے بنا ہے۔

یہ شہر کسی درہ کے دہانے پر ہے نہ کسی دریا کے کنارے اور نہ کسی اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس کے باوجود یہاں کبھی قحط نہیں پڑا اور یہ شہر تین ہزار سال سے موجود ہے۔ عہد نامہ عتیق کے مطابق اس کی آبادی کو پانی کی فراہمی صرف نہر ام الدراج (دریائے جیحون) سے لائے ہوئے چشموں سے ممکن تھی، جو آج بے کار ہو چکے ہیں۔ البتہ گھروں میں حوض اور چشمے آج بھی ہیں اور ان حوضوں میں موسم برسات کا پانی جمع ہو کر مکینوں کے لئے سال بھر کافی ہوتا ہے۔

اس شہر میں زیارتیں ان گنت ہیں اور کوئی شخص ان زیارتوں کو گائیڈ کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔

زائرین، جو سینکڑوں میلوں کے فاصلے سے یہاں پہنچتے ہیں۔ اس کے گرد و نواح کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے اطراف میں پھیلی ہوئی بنجر وادیاں اور بے گیاہ پہاڑیاں ان کے لیے استعجاب کا باعث بنتی ہیں۔

برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ یہ ۳۲ صدیاں پرانا شہر ہے۔ اس نے قدرت اور انسان کے ہاتھوں تکلیفیں ہی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ یہ مقدس شہر کئی بار اجڑا اور آباد ہوا۔ کئی مرتبہ زلزلوں سے کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ بیس مرتبہ محصور اور اٹھارہ دفعہ از سر نو تعمیر ہوا۔ دو بار مکمل بربادی ہو چکی ہے۔ ہادریان اور بخت نصر کے عہد میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ بیت المقدس پر مذہب کی تبدیلی کے چھ دور گزرے ہیں۔ اس پر ایسا زمانہ بھی آیا کہ اس کو زمین کے برابر ہموار کر دیا گیا۔ گلی کوچے اور عمارتیں تباہ اور اس کے باشندے قتل یا جلاوطن کر دیے گئے۔

شہر کے اسماء گرامی

بیت المقدس کے کئی نام ہیں۔ مختلف قوموں نے اپنے اپنے عقیدے کی بنا پر اسے مختلف ناموں سے نوازا۔ یہودی اور عیسائی آج بھی اسے یروشلم کہتے ہیں۔ سب سے پرانا نام یبوس (JEBUS) ہے۔ یروشلم کا نام حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں اختیار کیا گیا۔ لیکن یہودی علماء نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرنے کے لئے یہ کہا ہے کہ آپ نے اسے جریح (JEREH) کہا تھا اور شلم کا اضافہ شلم (SHELM) یا شالم نے کیا جو ۲۰۰۰ ق م میں یہاں حکمران تھا۔ اریٹا لڈ اور ایالڈ کا کہنا ہے کہ یہ دو عبرانی الفاظ "یروہ شلم" کا مرکب ہے جس کے معنی "ورثہ امن" (INHERITENCE OF PEACE) ہے۔ ایک دوسرے یورپی مؤرخ نے اس کے معانی "اساس امن" قرار دیئے ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ دو شہر جیبوس (JEBUS) اور سلم (SALAM) تھے جو ایک ہو گئے اور نام بھی مرکب ہو گیا۔ جو بگڑ کر یروشلم کہلایا۔ جو لوگ اسے دو عبرانی الفاظ کا مرکب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصل لفظ جرو زلم ہے۔ بعض اسے سمتی الفاظ یوری (URI) (بمعنی شہر) اور سلیم (SALIM) (دیوتائے امن کا نام) کا مرکب قرار دیتے ہیں۔ جس کے معنی "دیوتائے امن کا شہر" ہوئے۔ قدیم عبرانی

نام سے عرب بھی واقف تھے۔ چنانچہ یاقوت نے یری شلم (بلا تشدید لام) نیز شلم مختلف نام لکھے ہیں۔ جو یہودیوں کے زمانے میں مروج تھے۔ لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ اسے بیت المقدس (متبرک گھر) یا بیت المقدس (پاک مقام) کے نام سے پکارا ہے۔

قیصر ہادریان نے یہودیوں سے خالی کرانے کے بعد ۱۳۵ء میں شہر کو ایلیا کاپی تولی نام سے موسوم کیا اور اس کا پہلا جز و ایلیا کی شکل میں عربی میں محفوظ رہا۔ عربوں کے لئے یہ بے معنی لفظ تھا لہٰذا طرح طرح کے افسانے مشہور ہو گئے۔ یاقوت لکھتا ہے کہ:

کعب کی سند سے روایت کی جاتی ہے کہ اس مقدس شہر کا نام ایلیا اس لیے ہوا کہ اسے ایک عورت ایلیا نے آباد کیا تھا۔ ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ایلیا کے معنی بیت اللہ کے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ اپنے بانی ایلیا کے نام پر ہے جو روم میں سام بن نوح کا بیٹا تھا اور دمشق حمص اور فلسطین اس کے بھائیوں کے نام تھے۔

شعراء کے ہاں یروشلم کو کہیں کہیں "البلاط" کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں دربار یا شاہی محل اور عربوں نے یہ لفظ لاطینی "پلا تیوم" سے لیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے (GOLDEN CITY) سنہری شہر بھی کہا جاتا رہا جو اب تک رائج ہے یہ اس لئے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی کرنوں سے سنہری پتھروں کے بنے ہوئے مکانات جگمگا اٹھتے ہیں۔

اسے امن کا شہر (CITY OF PEACE) بھی کہتے ہیں لیکن جب اسے اس نام سے پکارا جاتا ہے تو تاریخ اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس شہر کی قدیم تاریخ میں بمشکل بیس سال ایسے ملیں گے جن کے دوران یہاں کے باشندوں کو امن و سکون دیکھنا نصیب ہوا۔ ورنہ نوع انسان کی خون آشام تاریخ یہاں اپنے آپ کو بار بار دہراتی رہی ہے۔ ان واقعات کو اگر یکجا کیا جائے تو یہاں ہونے والی لڑائیوں کا شمار ناممکن ہے۔ مرنے والوں اور مجروح ہونے والوں کی گنتی انسان کو تھکا دے گی۔ اور لڑائیوں کی فہرست مرتب کرنے کے لئے عمریں درکار ہیں۔ اس کے باوجود یروشلم یا بیت المقدس اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اس کی تقدیس میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی۔ اور یہ کرۂ ارض کی مختلف اقوام کے نزدیک آج بھی امن کا شہر ہے۔ یہودیوں نے اسے اس وقت مقدس شہر قرار دیا جب انہوں نے انطی اوکس ایپی فینس کو شکست دی اور یہ ۲۰۰ ق م کا واقعہ ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک یہ اس لیے مقدس ہے کہ صلیب المصلوب اسی جگہ تھی اور حضرت عیسیٰ اسی شہر میں مصلوب ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کے دین نے روزِ اول ہی سے اسے مقدس قرار دیا ہے۔ اس کی بنیاد یبوسی بادشاہ صادق ملیک نے رکھی جو عرب تھا۔

بیت المقدس کی تاریخی حیثیت

حدیث شریف میں ہے کہ بیت المقدس کعبہ معظمہ کے چالیس سال بعد معرض وجود میں آیا اس بنا پر دنیا کا کوئی مقام بیت المقدس سے قدیم اب تک معلوم نہیں ہوا لیکن تاریخ میں اس کے قدیم دور کی داستان کے متعلق جو کچھ مواد معلوم ہوا ہے حاضر ہے۔ یہاں سب سے پہلے آل سام ۲۵۰۰ قبل مسیح میں جو کنعنی یا فونیقی کہلاتی تھی آباد ہوئی۔ آل سام کے یہ قبائل جزیرۃ العرب سے ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے انہی قبائل کی ایک شاخ یبوسیوں کے نام سے مشہور تھی۔ ۲۰۰۸ ق م میں شالیم بادشاہ کی حکومت تھی اور سب سے پہلے حضرت ابراہیم شہر ار (یہ دجلہ و فرات کے سنگم پر واقع ہے) سے ہجرت فرما کر اس علاقے میں پہنچے اور حبرون کے مقام پر قیام کیا جو بعد میں الخلیل بھی کہلانے لگا۔ اس علاقے میں مختلف مقامات سے برآمد ہونے والی تختیوں اور کتاب مقدس کی روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہاں کا حاکم بھی حضرت ابراہیم کی طرح ہی عبادت کرتا اور خود کو خدا کا فرستادہ بتاتا تھا۔ کتاب پیدائش اور ابن کثیر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خاص قوت و طاقت کے مالک ہو گئے۔ اور جب دمشق کے بادشاہوں نے جناب لوط علیہ السلام سے جو وادی اردن میں مقیم تھے، گستاخی کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آدمیوں کے ساتھ دمشق والوں سے ساتھ لڑے اور انہیں شکست دے کر دمشق تک ان کا تعاقب کیا۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فتح کے بعد لوٹے تو بیت المقدس کے شاہ نے (جو مصر کا باجگزار تھا) شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔ یہ بادشاہ یبوسی تھا۔ کتاب پیدائش اور قدیم عربی مورخین کی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم اسی وادی سے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کو وادی فاران میں چھوڑ گئے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۱۷۵ برس کی عمر میں انتقال کیا تو اسی وادی کے شہر (حبرون) میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے چالیس

سال بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس کے ایک مقام "بیت ایل" پر ایک مذبح تعمیر کیا، جس کے کھنڈروں پر صدیوں بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل کی عمارت اٹھائی کتاب پیدائش میں ہے

"یعقوب ان سب لوگوں سمیت، جو ان کے ساتھ تھے، لوز پہنچا، بیت ایل یہی ہے اور ملک کنعان میں ہے وہاں اس نے مذبح بنایا۔ اور اس کا نام ایل "بیت ایل" رکھا۔ باب ۳۶

اور جب یعقوب عرصہ دراز جلا وطنی میں گزارنے کے بعد واپس لوٹے تو ان کا نام اسرائیل ہو گیا۔ ان کی یہ جلا وطنی اپنے بڑے بھائی ادوم کے خوف سے تھی۔ جب وہ بھائی سے مطمئن ہو گئے اور واپس آئے تو بھائی ادوم نے ایثار کرتے ہوئے ادومیہ کی طرف ہجرت کی۔ حضرت ایوب علیہ السلام ادوم کے بیٹے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور بیسویں صدی قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔

ایل بیت ایل (یعنی بیت ایل کا خدا) کی اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں کہ حضرت یعقوب نے بیت ایل میں خدا کو رؤیا میں دیکھا اور اس کی یاد میں وہاں ایک مذبح بنا دیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام جب خداوند سے مصر پہنچے اور بادشاہ ہوئے تو حضرت ابراہیم کے پوتے اسرائیل علیہ السلام (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد اپنے جد امجد کی وفات سے ڈیڑھ دو سو برس بعد مصر میں منتقل ہو گئی۔ اور اسے خوب عروج حاصل ہوا۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے انتقال کے بعد یہ قوم معتوب ہوئی حتیٰ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رحم فرمایا اور مصر میں آمد سے چار سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں مبعوث کیا، جنہوں نے اسے فرعون کے پنجہ ظلم و استبداد سے نجات دلائی اور بنی اسرائیل دریائے نیل پار کر کے وادی سینا میں داخل ہو گئی مگر یہ قوم اپنے نبی کی نافرمان اور احسان فراموش ثابت ہوئی اور بچھڑے کی پوجا کرنے لگی، اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹ پلائی تو ان پر چڑھ دوڑی، مگر اللہ نے اپنے کلیم علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا تو یہ قوم فرمان پیغمبر کی تعمیل سے گریزاں ہوئی اور صاف کہہ دیا، "اذهب انت و ربک انا ههنا قاعدون" تو اور تیرا رب جائے اور ان سے لڑے

ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"

بنی اسرائیل کی یہ گستاخی خداوند موسیٰ علیہ السلام کو ناگوار گزری، اس نے یہ سزا دی کہ جب تک موجودہ نسل کے تمام بالغ ختم نہیں ہو گئے وہ وادیٔ تیہ ہی میں بھٹکتی رہی ان کی دشت کا یہ عرصہ چالیس سال پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں ہلاک ہونے والے یہودیوں کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ بیت المقدس میں وہ دو سو سال بعد داخل ہوئے

بیت المقدس پر حملہ

تاریخ بتاتی ہے کہ یشوع بن نون نے ۱۴۵۱ ق م میں بیت المقدس پر حملہ کیا۔ اس وقت ادونی صدق یروشلم کا بادشاہ تھا۔ حبرون، یرموت، لکیس اور عجلون کے بادشاہ اس کے معاون و مددگار تھے۔ اور وہ سب کے سب اموری تھے۔ یشوع نے انہیں جبعون کے مقام پر شکست دی۔ پانچوں بادشاہ مارے گئے اور کنعان پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ بائبل کے مطابق یروشلم اس وقت بھی مقدس شمار ہوتا تھا۔ اسرائیل نے کامیابی کے بعد حبرون کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اور ان کی سلطنت اردن، شام اور یمن کی سرحدوں تک جا پہنچی۔ آثار قدیمہ کی کھدائی بتاتی ہے کہ یشوع بن نون کی آمد سے پانچ سو سال قبل برنجی دور شروع ہو چکا تھا۔ اور مقامی لوگ تانبے میں ٹین ڈھال کر دھات کا استعمال کرنے لگے تھے۔ بائبل گواہ ہے کہ جب بنی اسرائیل فراعنہ مصر کے تحت ذلت کی زندگی گزارنے اور چالیس سال تک وادیٔ تیہ میں بھٹکنے کے بعد فلسطین میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کو تقریباً پانچ سو برس بیت چکے تھے۔ اور اس وقت بنی اسرائیل بہت بڑے موحد اور حق تعالیٰ کے احکام بجا لانے والے تھے۔

یہودا کا قبضہ

بائبل میں ہے کہ یشوع نے ارض فلسطین کی تقسیم میں یروشلم یہودا کو دیا لیکن یہ بھی بائبل ہی کا بیان ہے کہ یہودا نے اپنے بھائی شمعون کی مدد سے لڑ کر اس شہر پر قبضہ کیا تھا اور یہ واقعہ ۱۴۰۰ ق م کا ہے۔ بائبل اس امر کی بھی گواہی دیتی ہے کہ باوجود اس کے کہ بنی یہودا نے یروشلم میں لوگوں کو تہ تیغ اور شہر کو تباہ کرنے میں فراخدلی دکھائی تھی۔ بنی شمعون جنہیں یہوداہ کے بڑھتے ہوئے شہر کی نگرانی سونپ گئی تھی۔ یبوسیوں کو جو یروشلم میں رہتے تھے نہ نکال سکے (قضاۃ ۱۵ : ۱۲) پھر جب بنی

اسرائیل طاقت کے نشے میں راہ ہدایت سے بھٹک گئے۔ انہوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور وہ جذبہ جس نے انہیں فاتح بنایا تھا، چھوڑ دیا تو وہ ذلیل ہو گئے۔ البتہ کبھی کبھار ان میں سے کسی کی غیرت ایمانی بھڑک اٹھتی، وہ ان کے جذبے کو ہوا دیتا۔ اور یہ وقتی طور پر ابھر آتے لیکن اس کی موت کے ساتھ پھر ذلت ورسوائی کے قعر میں ڈوب جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یبوسیوں نے انہیں وہاں سے نکال دیا اور یروشلم ان کے لیے "اجنبی کا شہر" بن گیا۔ اس دور میں ان پر قاضی حکومت کرتے تھے۔ لیکن ان کی قومی زندگی طوائف الملوکی کا شکار تھی کہ ہر شخص اپنی مرضی کا مالک تھا۔ خود قاضی اور کاہن اپنی قوم کی برائیوں اور بدعنوانیوں میں برابر کے شریک تھے۔ اللہ نے ان میں سموئیل نبی کو (جو یہود میں حضرت موسیٰ کے بعد دوسرے نبی شمار ہوتے ہیں) مبعوث فرمایا۔ سموئیل نبی نے یہودیوں کو صنم پرستی سے چھٹکارا اور فلسطینیوں کی غلامی سے نجات دلائی۔ چنانچہ اللہ کی شریعت پر عمل کرنے سے اسرائیلیوں پر ماضی کی شان وشوکت لوٹ آئی۔ حضرت سموئیل جب اپنی آخری منزل کو پہنچے تو انہوں نے بنی اسرائیل کو منشا کے مطابق ان پر حضرت طالوت (ساؤل) کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس کے حاکم ہونے سے تیس سال قبل یعنی ۱۰۵۰ ق م میں اشدودی بنی اسرائیل کو شکست دے کر تابوت سکینہ لے گئے تھے، جو سات سال بعد انہوں نے خود ہی لوٹا دیا تھا۔ طالوت ۱۰۲۰ ق م میں بادشاہ بنا اور اس کا سارا عرصہ فلسطینیوں سے لڑائیوں میں گزرا۔ ان جنگوں میں ایک نوجوان نے نکھر کے جوہر خوب دکھائے اور مشرکین کا سردار جالوت بھی اسی جوان رعنا کے وار سے ہلاک ہوا۔ یہ نوجوان حضرت داؤد علیہ السلام تھے۔

فائدہ: سموئیل نبی کی آمد تک یہود باقاعدہ قوم کی حیثیت اختیار نہیں کر سکے تھے۔ بلکہ ان کے قبائل کی انفرادیت برقرار تھی اور وہ ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ اس صورت حال نے انہیں شدید نقصان پہنچایا تھا۔ حضرت سموئیل آئے تو ان کی قبائلی انفرادیت کو ختم کر کے اسے ایک متحد قوم کی صورت دے دی۔ سموئیل ایک روحانی حاکم تھے وہ بیک وقت شہنشاہ اور رہنما تھے اور انہیں قاضی القضاۃ، استاد اور پیغمبر کے فرائض انجام دینے پڑے۔ گو انہوں نے باہم متصادم قبائل کو یکجا کر دیا تھا لیکن ساؤل (طالوت) کے عہد میں بھی ان کی قبائلی عصبیت ختم نہ ہو سکی حتیٰ کہ حضرت داؤد مبعوث ہوئے۔ یہود کا ابتدائی دارالحکومت حبرون تھا

طالوت کی تخت نشینی اسی شہر میں ہوئی اور وہ یہیں سے فوجی جنگوں اور شہری مہموں کی نگرانی کرتا رہا
طالوت شاہی آداب کا حامل تھا

داؤد علیہ السلام

جالوت کے مرنے پر شاہی تاج طالوت کے سر پر سجایا گیا وہ کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا طالوت کے بعد بنی اسرائیل نے متفقہ طور پر حضرت داؤد کو اپنا بادشاہ بنایا ان کا ابتدائی دارالحکومت حبرون ہی تھا۔ اور بیت المقدس پر یبوسی قابض تھے حضرت داؤد نے اسرائیلیوں کی متحدہ طاقت کے ساتھ جنوب سے شہر القدس پر حملہ کیا۔ زیریں حصہ باسانی فتح ہو گیا۔ مگر بالائی حصے کے مکین ڈٹے رہے۔ اور حضرت داؤد کی یوں تضحیک کی کہ لولے لنگڑے لوگ فصیل شہر پر لا کھڑے کئے اور پیغام بھجوا دیا کہ پہلے انہیں قابو میں لائیے۔ اس پر حضرت داؤد علیہ اسلام نے زبردست حملہ کیا اور آخر بالائی شہر فتح ہو گیا۔ حضرت داؤد نے یبوسیوں کو شہر بدر کر دیا۔ اس سے پورے فلسطین پر ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور ان کی عظمت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ ہمسایہ سلطنتیں خوف زدہ ہو کر متحد ہو گئیں اور حضرت داؤد پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ لیکن وہ یروشلم تک نہ پہنچ سکیں بلکہ کیفہ رفائیم کی وادی ہی میں شکست کھا کر پسپا ہو گئیں جس کے بعد حضرت داؤد علیہ اسلام کی طاقت سے مرعوب ہو کر بہت سے ہمسایہ حکمرانوں نے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ جنگ و جدل کے دور میں حضرت داؤد نے بالائی و زیریں شہر کو ایک کر دیا اور شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ جبل صیہون پر شاہی محل اور وادی میں شاہی باغ تعمیر کرایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بنی اسرائیل نے یروشلم پر قبضہ کیا۔

حضرت داؤد کے ۳۳ سالہ دور حکومت میں اسرائیلی فوجوں کو سکون بہت کم ملا مگر ان کی جنگوں کا نتیجہ ان کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ بنی اسرائیل جو اب تک قبائلی عصبیت کا شکار مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ایک قوم بن گئے۔ بنی اسرائیل کے غرور و وقار میں اضافہ ہو گیا۔ مال غنیمت اور دوستی کے خواہاں حکمرانوں کے نذرانوں سے خزانہ بھر گیا۔ شہری دولت میں زبردست اضافہ ہوا اور لوگ خوشحال ہو گئے۔

تعمیر ہیکل اور دور سلیمان علیہ السلام

تابوت سکینہ جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا جسم اور تبرکات بند تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہمراہ لائے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام سے قبل فلسطینی اسرائیلیوں کو شکست دیکر اسے اپنے ساتھ اشدود لے گئے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبردست خواہش تھی کہ وہ اس کے لئے ایک مستقل گھر بنائیں تا کہ یہ محفوظ رہے لیکن اسرائیلیات کے مطابق اللہ نے انہیں بتلایا کہ اللہ کا مستقل گھر ان کے بیٹے کے عہد میں تعمیر کیا جائے گا۔ اس سے وہ بددل نہیں ہوئے بلکہ وہ اس کی تعمیر کے لئے ضروری سامان جمع کرتے رہے۔ انہوں نے سونا چاندی اور لوہا پیتل جمع کیا لبنان سے دیودار کی لکڑی منگوائی۔ آرائش کے لئے مختلف علاقوں سے قیمتی پتھر حاصل کئے۔ الغرض وہ اپنے بیٹے کا کام آسان بنانے کے لئے متواتر مصروف رہے۔ یہاں تک کہ آخری دنوں میں اپنے بیٹے سلیمان کو اس گھر معبد یا ہیکل کا وہ خاکہ بھی تفصیلاً سمجھا دیا جسے انہوں نے عالم رؤیا میں دیکھا تھا۔ ۹۶۵ ق م میں ان کا انتقال ہوا تو حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے۔ ان کی سلطنت ایک طرف اردن اور دوسری طرف فرات تک پھیل گئی۔ ۱۰۱۲ ق م میں انہوں نے ہیکل کی تعمیر شروع کی۔ ہیکل اسی جگہ تعمیر ہوا جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے منتخب کیا تھا۔ مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہودی کبھی بھی اچھے معمار نہیں رہے۔ اس لئے سلیمان علیہ اسلام نے ہیکل کی تعمیر کے لئے لبنان و مصر سے معمار منگوائے۔ ہیکل کی تعمیر سات سال تک جاری رہی اور دو لاکھ آدمی مسلسل کام کرتے رہے۔ بے انتہا دولت خرچ ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ اسلام وراثت میں ایک کروڑ تیس ہزار پونڈ سونا اور ۱۲۷۰۰۰ ارب پونڈ چاندی چھوڑ گئے تھے۔ اس دولت کے علاوہ دوست شہزادوں کے نذرانے اور دنیا کے زرخیز ترین خطہ کا سات سالہ ریونیو بھی اسی میں صرف ہوا۔ بائبل کی کتاب سلاطین میں دی گئی تفصیل اور مورخین کے بیان کے مطابق ہیکل سلیمانی بلاشبہ فن تعمیر کا ایک عظیم شاہکار تھا اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ (۹۰ فٹ) چوڑائی بیس ہاتھ (۳۰ فٹ) اور اونچائی تیس ہاتھ (۴۵ فٹ) تھی اور اس کے اندر "پاک ترین جگہ" بنائی گئی جہاں خداوند کے عہد کا صندوق "(تابوت سکینہ)" رکھا گیا۔ تابوت سکینہ بخت نصر کے حملے کے بعد ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا سراغ نہیں لگایا جا سکا ہیکل سلیمانی کی عمارت کو موجودہ قبۃ الصخرہ سے مغرب میں کچھ دور واقع تھی

تاریخ بتاتی ہے کہ ہیکل اس دور کے فن تعمیر کی تکمیل تھا۔ اور اس سے بہتر کوئی عمارت نہ تھی تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے علماء وخدام کے لئے بھی رہائش گاہیں بنائیں، اس کے باوجود ہر آنے والا بادشاہ اس ہیکل کی بارہ دریوں اور برآمدوں میں اضافہ کرتا رہا حتیٰ کہ تابوت سکینہ کا کمرہ مختلف ادوار کی عمارتوں میں چاروں طرف سے گھر گیا

سلیمانی محل

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لئے بھی ایک عظیم محل تعمیر کرایا، جو ہیکل کے بعد دوسری عظیم عمارت تھی، اس کی تعمیر پر تیرہ سال لگے۔ اور اس کی اہم بلڈنگ ۱۵۰ فٹ لمبی ۷۵ فٹ چوڑی اور ۴۵ فٹ بلند تھی۔ یہ عمارت سہ منزلہ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان وشوکت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ خادموں اور ملازموں کی تعداد ہزاروں سے تجاوز تھی۔ کھانے کے میز اور برتن سونے کے تھے، اور اس شان وشوکت نے ساری دنیا کو متحیر کر دیا۔ چنانچہ ملکہ سبا بھی متاثر ہوئی اور ایک عظیم فوج کو ساتھ لے کر شاہانہ وقار سے یروشلم میں داخل ہوئی اس کے کارواں میں سینکڑوں اونٹ تھے جو خوشبوؤں سے لدے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بیت المقدس میں اس کے بعد آج تک کبھی ایسی خوشبوئیں نہیں دیکھیں، مزید براں سونا اور بیش قیمت جواہرات تھے اور ایک اندازہ کے مطابق ملکہ ۲۰ قنطار سونا لائی تھی۔

فائدہ: جوسیفس لکھتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے شہر پناہ کو اور مضبوط کیا اور ہیکل کی پہاڑی بھی فصیل کے اندر لے لیا۔ شہر کو پانی کی فراہمی کے لئے دور کی وادیوں سے نہریں کھودی گئیں۔ چشمے اور حوض بنائے گئے۔ ان میں سے "کنواری کا چشمہ" آج بھی دور سلیمانی کے فن تعمیر کا عظیم شاہکار ہے۔ دوسری عمارتیں بنائیں۔ سڑکوں کو پختہ کیا۔ نتیجتاً بیت المقدس اپنے دور کا خوبصورت ترین شہر بن گیا اور عظیم تجارتی کارواں اس شہر تک آنے لگے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بحری بیڑا بنایا جو ہرکولیس کے روایتی شہر اور برطانیہ تک پہنچے کولمبس نے جب شمالی امریکہ دریافت کیا تو اس کا خیال تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دولت کا خزانہ ویسٹ انڈیز تھا۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ سلیمانی بحریہ نہایت فعال تھی اور دور تک پہنچی تھی خلاصہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں سلطنت اسرائیل اپنے عروج پر تھی

وفات سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ۵۷۹ ق م میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی جنوبی سلطنت، یہوداہ جس میں جنوبی فلسطین اور ادوم شامل تھا، کا پایہ تخت یروشلم اور شمالی سلطنت اسرائیل، جو شمالی فلسطین اور شرق اردن پہ مشتمل تھی، دارالحکومت سامرۃ (نابلس) قرار پایا جنوبی حکومت کا حکمران رحعام بن سلیمان علیہ السلام اور شمالی کا یربعام تھا، دونوں ریاستوں میں ٹھن گئی اور یہوداہ نے خدا کے حضور بدی کی اور اپنے گناہوں سے اس کی غیرت کو بھڑکایا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے لئے ہر اونچے ٹیلے پر ہر درخت کے نیچے اونچے مقام، ستون اور یسیرتیں بنا لیں (یعنی غیر اللہ کی پرستش شروع کی) اور اس ملک میں لوطی بھی تھے۔ وہاں قوموں کے سب مکروہ کام کرتے تھے۔ جن کو خداوند نے بنی اسرائیل کے سامنے سے نکال دیا تھا۔ (سلاطین ۱ ۱۴، ۲۲ تا ۲۴)

فائدہ: رحعام کے پانچویں سال شاہ مصری ساق (سی شاک) نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی اور بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ہیکل سلیمانی اور شاہی خزانوں کو لوٹا اور عبادت گاہ کی تمام قیمتی چیزیں لے گیا۔ یہ بیت المقدس کے سترہ محاصروں میں سے پہلا اور سب سے کم نقصان دہ محاصرہ تھا۔ سلیمان کا بیٹا مصر کا باجگذار بن گیا پھر ایک الیا دور شروع ہوئی کہ سیمات سے بیرونی اعلٰی تک بیت المقدس کی حملہ آوروں کا نشانہ بنا رہا اور اندرونی انتشار کا شکار ہوا۔ اور اس پر ایسی مصیبتیں آئیں کہ اس کی ہیئت بدل گئی، گہری وادیاں ملبے سے اٹ گئیں اور حالت اتنی بدل گئی کہ اس کے پہلے باشندوں میں سے کوئی اسے دیکھتا تو پہچان نہ سکے۔

وفات سلیمان علیہ السلام کے بعد

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی بنی اسرائیل کی ریاست دو حاقتوں میں بٹ گئی، جو ہمیشہ باہم دست و گریباں رہیں اور صدیوں تک ان کے بادشاہ الگ الگ مقرر ہوتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ بنی اسرائیل فواحش، بدکاری، عیاشی، بد معاشی میں گھر کر کمزور اور توحید سے منحرف ہو کر کنعان کے قدیم قبائلی کی طرح بت پرستی پر بھی مائل ہو گئے۔ وہ اپنے خدا یہوداہ کی مورتیاں بنانے اور دیوی دیوتاؤں کی طرح ان مورتیوں سے عجیب و غریب روایات منسوب

کرنے لگے۔ انہوں نے تورات میں اپنی حسب منشا ردوبدل کر دیا۔ علما اور کاہن مخصوص مفادات کے تحت تورات کی عبارتیں مسخ کر دیتے۔ اس دور میں جو بھی ان کی اصلاح کے لئے جدوجہد کرتا بنی اسرائیل اس کا تمسخر اڑاتے، اذیتیں پہنچاتے اور قتل کرنے سے بھی گریز نہ کرتے چنانچہ قدرت نے انہیں سزا دی اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہو کر رہ گئی۔

بیت المقدس سے یہودی محروم

جب بنی اسرائیل باہم متصادم و متحارب تھے۔ اور خدا کی پرستش کرنے کے بجائے بتوں کو پوجنے لگے تھے۔ ۹۹۸ ق م میں جب یہوداہ کی سلطنت پر یہورام بادشاہ تھا۔ فلستیوں اور عربوں کی متحدہ طاقت نے یروشلم پر حملہ کیا۔ انہوں نے ہیکل کو لوٹا اور وہاں داخل ہو کر جو کچھ ملا اٹھا لیا۔ حتیٰ کہ شاہی بیویاں اور بچے، سوا سب سے چھوٹے بچے کے قیدی بنا کر ساتھ لے گئے۔ یہ حملہ محض لوٹ مار کی خاطر تھا اس لئے حملہ آوروں نے شہر کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ لیکن اس حملہ کے فوراً بعد شاہ اسرائیل، یہوآس یروشلم پر حملہ آور ہوا۔ اس نے ہیکل کے سونے چاندی کے برتنوں کو سمیٹا اور سامرہ واپس چلا گیا۔ پھر ایک عرصے تک یہوداہ کی سلطنت سنبھل نہ سکی بلکہ مقامی باشندوں نے شاہ یہوداہ امصیاہ کے خلاف بغاوت کر کے اسے قتل کر دیا۔ اور یوں بیت المقدس، بنی اسرائیل کے قبضہ سے نکل گیا۔ لیکن امصیاہ کا بیٹا عزیاہ یہوداہ کا وارث ہوا۔ وہ سولہ برس کا تھا، جب تخت سلطنت پر بیٹھا۔ چونکہ خدا کا طالب ہوا۔ اس لیے خدا نے اسے کامیاب کیا اور یروشلم پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے معبد اور فصیل شہر کی شکستہ دیواروں کی مرمت کرائی۔ اسرائیلی فوج کو از سر نو منظم کیا۔ اور کھیتی باڑی پر بھی توجہ دی۔ لیکن جب وہ زور آور ہو گیا تو بھٹک گیا اور اپنے خدا کی نافرمانی کرنے لگا۔ چنانچہ ایک زلزلہ آیا۔ جس کے جھٹکوں سے شہر کی بنیادیں ہل گئیں۔ شاہی باغ تباہ ہو گیا اور ہیکل میں بھی دراڑیں پڑ گئیں۔

یوتام کی شاہی

عزیاہ کے بعد اس کا بیٹا یوتام تخت نشین ہوا۔ یوتام انبیاء کی بتائی ہوئی راہ پر قائم رہا اور سولہ برس تک کامیابی سے حکومت کرتا رہا۔ اس کے انتقال پر آحز بادشاہ ہوا وہ انتہائی مکار اور گمراہ تھا اس کے دور حکومت میں ۷۳۵ ق م کے لگ بھگ شامی فوجوں نے یروشلم پر حملہ کیا۔ شدید لڑائی

ہوئی اور آخز شام کا مطیع ہو گیا۔ لیکن شامی فوجوں کے لوٹتے ہی شمالی بادشاہت (اسرائیل) نے حملہ کر دیا۔ یہوداہ کی کمزور سلطنت مقابلہ نہ کر سکی۔ شمالی بادشاہت نے شہر کو لوٹا اور دو ہزار عورتوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے چلے، لیکن سامرہ پہنچتے ہی انہیں آزاد کر کے واپس بھیج دیا۔ آخز نے رومیوں اور فلسطینیوں کے مقابلے کے لیے شاہ اشور تگلت پلنا سر سے مدد طلب کی۔ یہ دعوت اس کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوئی کیونکہ تگلت پلنا سر آیا تو سہی لیکن اس کی مدد کرنے کے بجائے ہیکل کا قیمتی سامان لوٹ کر اشور لے گیا۔

آخز کے بعد اس کا بیٹا حزقیاہ پچیس برس کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس نے ۷۴۰ ق م سے ۷۰۰ تک چالیس برس حکومت کی۔ حزقیاہ نے قوم کو بت پرستی سے نجات دلائی اور ہیکل سلیمانی کی عظمت کو بحال کیا۔ اس کے عہد میں اشوری بادشاہ سنحریب نے یروشلم پر حملہ کیا، لیکن ابھی محاصرہ جاری تھا کہ بیماری کی وبا پھوٹ پڑی جس سے اس کے سردار اور جرنیل مرنے لگے اور وہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا۔

حزقیاہ کے بعد اس کا بیٹا منسّی بارہ برس کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور یروشلم میں پچپن (۵۵) برس تک حکومت کی۔ اس کے عہد میں بنی اسرائیل پھر راہِ توحید سے بھٹک گئے۔ بت پرستی نے زور پکڑا اور بد معاشی و عیاشی نے راہ پائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ۶۷۸ ق۔م کے لگ بھگ شاہ اشور کے سپہ سالاروں نے اس پر حملہ کیا تو یروشلم کے لوگ مقابلہ نہ کر سکے۔ حملہ آور منسّی کو زنجیروں سے جکڑ کر اور بیڑیاں ڈال کر بابل لے گئے۔ اور چند سال قید رکھنے کے بعد واپس یروشلم بھیج دیا۔ بادشاہت پر بحالی کے بعد اس نے کچھ تعمیراتی منصوبے مکمل کئے اور بیت اللہ کو بتوں سے پاک صاف کیا۔

اس کا جانشین بائیس سالہ امون دو ہی سال بعد اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ۶۴۰ ق م میں اس کا بیٹا یوسیاہ وارث ہوا اور ۳۱ سال تک یروشلم میں حکومت کرتا رہا۔ اس کے عہد میں ہیکل کی مرمت اور عظمت بحال ہوئی۔ یوسیاہ شاہ مصر نکوہ سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ اور اس کا بیٹا یہو آخز اس کا جانشین ہوا۔ لیکن فرعون مصر نکوہ نے اسے بھی شکست دی۔ تاوان جنگ کے طور پر سو قنطار چاندی اور ایک قنطار سونا وصول کر کے یہو آخز کو قیدی بنا کر ساتھ لے گیا اور اس کے بھائی یہو یقیم

کو اپنے باجگزار کے طور پر بیت المقدس میں سلطنت یہوداہ کا بادشاہ بنا گیا

بخت نصر شہنشاہِ بابل کا غلبہ

یہویقیم کو سلطنت کرتے گیارہ برس ہوئے تھے کہ ۵۹۸ ق م میں یہودی اور تیرہ بختی بابل کے مشہور حکمران بخت نصر کی صورت میں نازل ہوئی جو یہویقیم کو گرفتار کر کے بابل لے گیا اور اس کے بیٹے یہویاکین کو اپنے باجگزار کے طور پر شاہ یروشلم مقرر کر گیا۔ جلد مصر کی سازشی یہودیوں اور کاہنوں کے کہنے پر یہویاکین نے فرعون مصر سے سازباز کر کے بخت نصر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دی۔ جب یہ خبر بخت نصر کو پہنچی تو وہ بڑے طیش سے بابل سے نکلا۔ پہلے مصری فوج کو جو یہویاکین کی مدد کے لیے آ رہی تھی شکست دی۔ پھر یروشلم کا محاصرہ کر لیا اور جنگ کے نتیجے میں بے شمار یہودی مارے گئے۔ بادشاہ گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اور دس ہزار پابہ زنجیر یہودی اسیروں کے ساتھ بابل پہنچا دیا گیا۔ بخت نصر نے ہیکل کے نفیس برتنوں کو سمیٹا اور یہویاکین کے بھائی صدقیاہ سے اطاعت و وفاداری کا حلف لے کر بابل لوٹ گیا۔ کوئی سال امن وامان رہا لیکن یہودی کہاں چین سے بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو پھر اکسانا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدقیاہ بخت نصر سے باغی ہو گیا۔

یروشلم تباہ ہوا

مختصر سے عرصہ میں یہ تیسری بدعہدی اور بغاوت تھی۔ شاہِ بابل بخت نصر یہودی کی پیہات ھکلیوں سے تنگ آ چکا تھا۔ وہ بابل سے بحیثیت قوم یہود کے مکمل استیصال کا عزم لے کر نکلا اور فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوتے ہی اپنے فوجیوں کو قتل عام کا حکم دے دیا۔ یروشلم کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ انہوں نے خدا کے گھر کو جلا دیا اور یروشلم کو زمین کے برابر کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب فاتح بادشاہ نے اپنا کام مکمل کیا تو یروشلم میں راکھ کے ڈھیر تھے اور ہر طرف دھواں چھایا ہوا تھا۔ وہ مال غنیمت اور بچے کچے یہودیوں کو ساتھ لے کر بابل کی طرف لوٹ گیا اس تباہی میں تابوت سکینہ غائب ہو گیا اور آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ اس کے علاوہ بخت نصر نے یہودیوں کے تمام صحیفے نذر آتش کر دیئے اور ایک لاکھ مرد و زن قیدی بنا کر کئی میل لمبے جلوس کی صورت میں اس کے ساتھ چلے۔ بخت نصر نے انہیں اپنی سلطنت کے سرحدی علاقوں کی طرف

نکل جانے کو کہا اور اس طرح غریب الوطنی ان کا مقدر ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان یہودیوں کی تعداد پچاس ہزار تھی

تل ابیب کی بنیاد

یہ یہودی پہلی قومی تباہی تھی۔ اس تباہی و بربادی میں نہ صرف ہیکل سلیمانی کا نشان مٹ گیا بلکہ دیگر تبرکات کے ساتھ ساتھ تورات بھی غائب ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ بابل کے زمانہ اسیری میں یہودی تورات کو یاد کر کے رویا کرتے اور آج بھی اس تباہی کی یاد میں "سلیمان کے روزے" رکھتے ہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بابل میں یہودی غلاموں کو دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا اور انھوں نے اس بستی کا نام "تل ابیب" رکھا۔ اسرائیل کا موجودہ دارالحکومت "تل ابیب" اسی دور کی یاد تازہ کرتا ہے۔

فائدہ: یہ تباہی ۵۸۸ ق م کے لگ بھگ کا واقعہ ہے اور اس کے پچاس برس بعد تک شہر تباہ اور اجاڑ پڑا رہا۔ بعد ازاں یہ کسان آتے اور یروشلم کے کھنڈرات پر بیٹھ کر اسرائیل کی واپسی کے لیے دعائیں کیا کرتے۔ اور جو یہاں نہ پہنچ پاتے وہ فرات کے کنارے یروشلم کو یاد کر کے رویا کرتے۔

دانیال و عزیر علیہم السلام کی نبوت کا دور

اس دور غلامی میں دانیال اور عزیر نبی، یہودی رہنمائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بابل کے سالتی ایل نے جو حضرت داؤد کی نسل سے تھا، صیہونیت کی پہلی تحریک کا آغاز کیا۔

صیہونیت کا آغاز

"صیہون" دراصل بیت المقدس کی ایک پہاڑی ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے یروشلم کو فتح کرنے کے بعد جشن فتح منایا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل اسی نسبت سے صیہون کو مقدس سمجھتے اور یروشلم کو "دختر صیہون" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ تحریک صیہونیت کا مقصد کھوئی ہوئی ریاست صیہون یعنی یروشلم کو دوبارہ حاصل کرنا اور ہیکل سلیمانی کی از سر نو تعمیر تھا۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل اپنے اعمال کی کافی سزا بھگت چکے اور ۵۳۹ ق م میں ایران کے پہلے کسریٰ خسرو (جسے بائبل خورس کے نام سے یاد کرتی ہے) نے بابل کو فتح کیا تو اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی

کے ذریعہ یہودیوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہودیوں کے قافلے فلسطین کی طرف جانے لگے۔ لیکن سارے یہودی واپس نہیں گئے صرف ۴۲۳۶۰ افراد لوٹے وہ خالی ہاتھ نہیں آئے تھے، بلکہ انہیں خدا کے گھر کے برتن بھی دے دیئے گئے تھے، جو بخت نصر لوٹ کر لے گیا تھا، اور ان کا قائد شیس بضر تھا

ہیکل کی تعمیر نو

ان کی فلسطین میں آمد کے سات ماہ بعد یشوع بن یصدق اور زروبابل بن سالتی ایل کی قیادت میں ہیکل کی از سر نو تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ لیکن معماروں میں جذبے کے فقدان کی بنا پر کام بیس سال جاری رہا، اور ہیکل کی تعمیر ۵۱۶ ق م میں مکمل ہوئی۔ ہیکل بن چکا تو عزرا نے، جو ماہر فقیہہ تھا وہ کتاب شریعت "توریت" پڑھ کر سنائی، جسے اس نے بزرگان یہود کے مشورہ پر اپنی یادداشتوں سے قلم بند کیا تھا۔ اصل توریت بخت نصر کے عہد میں نابود ہو چکی تھی۔ نئی توریت عزرا نے تالیف کی اور نہ صرف انداز بیاں میں بہت سا رد و بدل کیا بلکہ الحاقی عبارتیں بھی شامل کر دیں۔

فائدہ: ہیکل ۵۱۶ ق م میں مکمل ہو چکا تھا، لیکن فصیل اور شہر ابھی ملبہ کا ڈھیر تھا، اور نحمیاہ کے دور تک انہیں دربار ایرانی میں اتنا رسوخ حاصل نہیں ہو سکا تھا کہ شہر کی مضبوطی کے لیے تعمیرات کی اجازت ملتی۔ چنانچہ بائبل میں نحمیاہ کہتا ہے۔

"اور چند آدمی یہوداہ سے آئے، اور میں نے ان سے یہودیوں کے بارے میں جو بچ نکلے تھے۔ اور اسیروں میں باقی رہے تھے۔ اور یروشلم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ باقی لوگ جو اسیری سے چھوٹ کر اس صوبہ میں رہتے ہیں نہایت مصیبت اور ذلت میں پڑے ہیں اور یروشلم کی فصیل ٹوٹی ہوئی اور اس کے پھاٹک آگ سے جلے ہوئے ہیں" (باب ۱: ۳)

چنانچہ نحمیاہ نے تعمیر شہر اور تعمیر فصیل کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی اور ایک روز جب شاہ ایران ارتخشش (اردشیر اول) نشے میں مست تھا درخواست کی، جو منظور ہو گئی اور نحمیاہ یروشلم کی تباہی کے ۱۴۲ سال بعد ۴۴۵ ق م میں شاہی اجازت نامہ کے ساتھ یروشلم پہنچا تعمیر فصیل کا کام فوراً شروع کر دیا گیا۔ بڑی بڑی رکاوٹوں اور مخالفتوں کے باوجود ۵۲ دن کے مختصر

عرصے میں دیواریں شہر کی حفاظت کے قابل ہو گئیں۔ یہ فصیل پرانے سامان سے پرانی بنیادوں پر ہی اٹھائی گئی تھی۔ اس کے بعد ایک طویل عرصے تک امن وامان رہا اور شہر خوشحال ہو گیا۔ نتیجتاً یہودی پھر عیش وعشرت میں پڑ گئے۔ چنانچہ جب سکندر اعظم نے (۳۳۲ ق م) دارائے ایران کو شکست دی اور صور اور غزہ کو فتح کرنے کے بعد یروشلم کی طرف بڑھا تو یروشلم کے یہودیوں نے مقابلہ کرنے کے بجائے شہر سے تین میل باہر جا کر اس کا استقبال کیا اور سکندر اعظم نے شہر کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اخبار الطوال میں ہے کہ سکندر اعظم کا اسی شہر میں انتقال ہوا اور اس کی نعش کو سونے کے تابوت میں بند کر کے سکندریہ پہنچایا گیا۔

سکندر کی وفات

سکندر کی موت پر اس کی سلطنت کے حصے بخرے ہوئے تو یروشلم مصر کے حکمرانوں کے حصے میں آیا اور اس دور میں بہت سے یہودی مصر کے دربار میں ملازم ہو گئے یہاں انہوں نے بہت جلد اثر ورسوخ اور اعتماد پیدا کر لیا۔ یونانی تہذیب نے یہودیوں کی قومی زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔

سکندریہ کا جنرل

۲۰۳ ق م میں انطوخیوس اعظم شامی نے یروشلم پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا لیکن چار سال بعد سکندریہ کا جنرل سکوپس یروشلم پر قابض ہو گیا اور اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر شہر میں مستقل طور پر مصری فوج کی چھاؤنی قائم کر دی۔ لیکن شامی بادشاہ نے حملہ کر کے مصریوں کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ یہودیوں نے مصریوں کو نکالنے میں انطوخیوس کی مدد کی تھی لیکن یہ شاہ یہودیوں کا دوست ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے یہودیوں کے باہمی انتشار کو اپنی اغراض کے لئے ہوا دی۔

۱۷۰ ق م میں ایپی فینس یونانی (ہیڈرین) نے اس شہر کو تباہ کیا، مکانات جلا دیئے عبادت گاہ کی تمام دولت لوٹ کر لے گیا، اور لوگوں کو ان کے مذہب سے منحرف کیا، جو شخص قانون الٰہی کی کتاب پڑھتا اسے سخت سزا دی جاتی۔

مکابی کا غلبہ

یونانیوں کے اس ظلم وستم کے نتیجے میں ایک خدا پرست تحریک "مکابی" نے جنم لیا۔ اس نے تقریباً اسی ہزار یہودیوں کو قتل کیا۔ مکابی دراصل ایک کاہن تھا جس نے اپنے پانچ بیٹوں کی مدد

سے یونانیوں کے خلاف بغاوت منظم کی اور کامیاب ہو کر شہر اور معبد سلیمانی کی حرمت کو بحال کیا۔ مکابی نے جشن فتح منایا جس کی یاد یہودی آج تک عید حنوکہ کی صورت میں مناتے ہیں

۶۸ ق م میں بطلیموس مصری نے چڑھائی کر کے شہر کو فتح کر لیا۔ لیکن ۶۵ ق م میں اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے رومیوں نے مداخلت کی۔ اور شہر کا حاکم آرستوبولس روم کا باجگزار ہو گیا۔ مگر آرستوبولس کے خراج ادا نہ کرنے پر رومی جنرل پومپئی نے ۶۳ ق م میں شہر کا محاصرہ کر کے ہیکل کو تباہ کر دیا اور بارہ ہزار شہری اس کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس کے ۲۲ سال بعد تک بیت المقدس قدرے محفوظ رہا مگر ۴۰ ق م میں چارلیس ہیرناٹس پیٹر نے پارتھین فوجوں کی مدد سے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا ہیرود اعظم رومی شہنشاہ کے باجگزار کی حیثیت سے یہاں کا بادشاہ بنا۔ لیکن اسے اپنی سلطنت فتح کرنا پڑی اور

پانچ دن کے محاصرہ کے بعد یروشلم میں داخل ہو سکا۔ اس کے بعد یروشلم کی تاریخ کا وہ دور شروع ہوا۔ جو ایک طرف اپنی عظمت اور دوسری طرف اپنے خوفناک جرائم کی وجہ سے مشہور ہے۔ ہیرود اعظم کے عہد میں بیت المقدس نے دوبارہ سلیمان علیہ السلام کے عہد کی عظمت حاصل کر لی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں یہ خالص عبرانی اور یہودی شہر تھا۔ جبکہ ہیرود اعظم کے دور میں یہ یونانی رومن بن گیا۔ ہیرود اعظم نے شہر کے گرد تیسری مرتبہ فصیل بنائی اور ہیکل سلیمانی کو از سر نو عظمت بخشی۔ ہیرود نے شہر کی وادیوں میں تھیٹر، میدان کھیل اور سرکس بھی تعمیر کیے۔

کیپٹن وارن کی تحقیقات کے مطابق ہیرود کے وسیع شدہ ہیکل کا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع فٹ تھا۔ اور شان و شوکت میں سلیمان علیہ السلام کے ہیکل سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس نے ہیکل اپنی رعایا کو جیتنے کے لیے بنوایا تھا۔ لیکن وہ اپنی رعایا کا دل جیت نہ سکا۔ بلکہ قوم اس سے نفرت کرتی تھی۔ اور یہودی علماء (ربیوں) نے ہیکل کی تعمیر کے سلسلے میں بھی ہیرود کی محنت و خدمت کا اعتراف نہیں کیا

ہیرود کے کارنامے

ہیرود نے سلیمان علیہ السلام کی طرح شہر میں فن تعمیر کے متعدد شاہکار قائم کرائے۔ تاریخ اس بات میں دونوں (سلیمان علیہ السلام اور ہیرود) کو مماثل قرار دیتی ہے کہ دونوں شاہوں پر

بیرونی اثرات تھے اور دونوں کی عظیم عمارتیں غیر ملکی فنِ تعمیر کا نمونہ تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سلسلے میں مصر اور فونیشیا سے اثر لیا تو ہیرود نے یونان و روما کی نقل کی۔ دونوں نے شہر کے گرد فصیل بنائی اور کوہِ موریہ کو ہیکل سے زینت بخشی۔ سلیمان علیہ السلام نے معبد یہوواہ سے عقیدت اور اس کی رضا کے لیے تعمیر کیا تھا مگر ہیرود اپنے معماروں کی شہرت و عظمت تسلیم کرانے کا خواہاں تھا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شہر خالصتاً مذہبی تھا اور پورے شہر میں کوئی عمارت ایسی نہ تھی، جہاں خود ساختہ دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہو۔ لیکن ان کے بعد اور بالخصوص مکابیین کے تجدید مذہب کے بعد بڑے ربی کی حیثیت سے ایسے لوگ بھی سامنے آئے، جن کی شخصیت عوام کی گمراہی کا باعث بنی۔ انہی میں یک شوع تھا، جس نے ربی اعظم ہونے کے باوجود یہودی نام سے نفرت کی اور اپنا نام (JASAU) جاسور رکھا۔ اس کے علاوہ ہیکل کے باہر سرکس کھیلوں کے اسٹیڈیم اور تھیٹر قائم کیے۔ وہ ہیکل میں عبادت کرتے، کاہنوں کی آوازیں سرکس تھیٹر کے ہنگامے میں دب کر رہ جاتیں۔ ہیرود کی سرپرستی میں ان برائیوں کو بہت عروج حاصل ہوا۔ ہیرود نے اپنی حقیقی بھتیجی سے دوسری شادی کی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اسے خلافِ شرع قرار دیتے ہوئے احتجاج کیا۔ ہیرود سے برداشت نہ ہو سکا اور اس نے حضرت کا سر کاٹ کر بیوی کو نذر کیا۔ اس کے عہد میں برائیاں اپنے عروج کو پہنچ گئیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی موت کے ساتھ ہی سلطنت نسل و نسب کے تفرقات کا شکار ہو کر تین حصوں میں تقسیم ہو گئی تاہم یہ ریاستیں رومیوں کی باج گزار رہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیرود اعظم کے عہد میں پیدا ہوئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے وہ اہلِ روم کا باجگزار تھا، وہ یہودی نہ تھا بلکہ ادومی تھا، جو حضرت یعقوب کے بڑے بھائی عیسو کی اولاد تھے۔ یہودی اس کو غاصب سمجھتے اور اس سے ناخوش تھے۔ تاہم اس نے سردار کاہن کی لڑکی سے شادی اور ہیکل کی ازسرِنو تعمیر اور اس کی آرائش و زیبائش پر بے شمار دولت خرچ کر کے یہودیوں کے دل میں گھر کرنے کی بہت کوشش کی۔ یہ شخص بڑا ظالم اور سفاک تھا، جب ناصرہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبر ملی تو اس نے ان سب لڑکوں کو قتل کروا دیا۔ جو دو سال یا اس سے چھوٹے تھے" (متی ب ۱۶ا) وہ مرتے وقت اس خیال سے کہ لوگ اس کی موت کی

سن کر خوش ہوں گے یہ حکم دیا کہ شہر کے معززین اور سرداروں کو بلا کر ایک مکان میں بند کر دیا جائے اور اس کی وفات پر ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تا کہ لوگ اس کی وفات پر خوشی منانے کے بجائے ان سرداروں کا سوگ منائیں

اس خونخوار شخص کی موت حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد واقع ہوئی یہودیہ کی سلطنت اس کے فرزندوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہودیہ ملک شام کا ایک صوبہ ٹھہرایا گیا۔ اور ارخلاؤس (آرکی پ) اپنے باپ کی جگہ یہودیہ کا حکمران ہوا۔ عیسائی مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ انہیں بیت المقدس میں چار سال کی عمر میں لائیں تا کہ ہیکل میں خدا کے حضور نذر مانا جائے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قانونی بیٹا (SON OF LAW) قرار پائیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت شہر میں دو مذہبی گروہ فریسی اور فقیہہ تھے۔ فریسی قدیم یہودیت کی زندگی کرتے اور فقیہہ لبرل تھے اور اپنے اپنے عقائد میں دونوں گروہ متشدد تھے۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا۔ جن میں مذہب کا فقدان تھا، جو انسانی حیات و جذبات کو اہمیت دیتا۔ عیش و عشرت کو مقصد زندگی گردانتا اور بیت المقدس کے تھیٹروں اور کلبوں کی سرپرستی کرتا تھا۔ اول الذکر دونوں طبقوں کے رہنما نیک اور سادہ تھے، جبکہ مؤخر الذکر طبقہ کی سرپرستی بادشاہ اور اس کے درباری کرتے۔ اسی طرح شہر میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ عبرانی بولی صرف علماء اور کاہن ہیکل میں عبادت کے دوران استعمال کرتے۔ عام لوگ فلسطینی آرامی بولتے، حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کی زبان بھی۔ اور شاہی دربار و کیمپ میں سادہ یونانی رائج تھی۔ علماء اور کاہن، دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتے اور ان سے نفرت بھرا سلوک کرتے۔ ان کے نزدیک جو شخص عبرانی نہیں بول سکتا تھا وہ بے روح تھا۔

دعوائے پیغمبری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارہ برس کی عمر میں بیت المقدس آئے اور لوگوں کے سامنے "اللہ کا رسول" ہونے کا دعویٰ پیش کیا تو لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا۔ اس پر انہوں نے ہیکل کی طرف نگاہ اٹھائی اور تباہی کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ اس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ نہیں رہے گی۔ اور ناصرہ لوٹ گئے۔ پھر ۲۹ء میں پانچ مرتبہ انہوں نے یہاں کا دورہ کیا۔ اور ہر بار یہودیوں کو ذلت

حق دی لیکن انہوں نے ایمان لانے کے بجائے انہیں ستانا شروع کیا اور رومیوں کے ساتھ مل کر انہیں سولی پر چڑھانے کی سازش کی اس وقت پنطش پلاطس بیت المقدس کا حکمران تھا۔ اس نے حضرت عیسیٰ پر الزام لگا دیا کہ وہ روم کے خلاف بغاوت پھیلا کر خود بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ متی کی انجیل میں ہے کہ پنطش پلاطس یہودی کاہنوں کے پر زور اصرار پر کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دی جائے کہا کہ ”میں ان کے خون سے بری ہوں“ اس کے باوجود یہود کے مطالبے کو ماننے پر مجبور ہو گیا۔ اور عیسیٰ کو ۶ اپریل ۳۰ء کو عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق بیت المقدس میں کھوپڑی کی جگہ صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر دیا۔ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ کو مصلوب کیے جانے کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ ”انہیں نہ قتل کیا گیا نہ مصلوب بلکہ وہ (یہود) شبہ میں ڈال دیے گئے، اور اللہ نے انہیں (حضرت عیسیٰ کو) اپنی طرف اٹھا لیا۔

یروشلم کی تباہی

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں رہائشی اور تجارتی حصے الگ الگ کیے گئے لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شہر میں وارد ہوئے۔ شہزادوں اور حکمران خاندان کے افراد اور تاجروں کی رہائش گاہیں بلند ہو گئی تھیں اور ان کے پہلو بہ پہلو بازار اور دوکان جہاں کرۂ ارض کا ہر قسم کا سامان میسر آ سکتا اور سامان تعیش بکثرت تھا۔ شہر کی آبادی ڈھائی لاکھ تک تھی۔ جو قریباً ۲۳۰ ایکڑ میں پھیلی ہوئی تھی۔ دولت کی فراوانی اور اشیائے ضروریہ کی ارزانی نے شہر میں بدکاری و بداخلاقی کو رواج دیا۔ نتیجتاً ایک مخصوص گروہ کے سوا پوری قوم عیش و عشرت کی رسیا اور شائق تھی۔ اس کے باوجود اس کے نسلی تفاخر میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ واقعات شاہد ہیں کہ یہود نے ہمیشہ خود کو دوسری اقوام سے برتر اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کو GOYTM گھٹیا تصور کیا ہے تالمود میں ہے۔ خدا نے یہود کو فرشتوں سے بہتر قرار دیا ہے۔ اور یہود اور غیر یہود میں وہی فرق ہے، جو انسان اور درندے میں ہے۔ ان کا ذہنی غرور بیت المقدس کی بار بار تباہی کا باعث بنا۔ اور جب ان پر قیصر روم کا نمائندہ قیصریہ سے ان پر حکومت کرتا تھا، وہ رومیوں سے بیزار تھے۔ اور ہمیشہ ان کی حکومت سے آزاد ہونے کی فکر میں رہتے تھے۔ چنانچہ ۶۳ء اور ۶۶ء میں انہوں نے رومیوں کے خلاف زبردست بغاوت کی لیکن ناکام رہے۔ اس وقت بیت المقدس کا حاکم ہیرود اعظم کی اولاد

سے تھا۔ اسی دوران ۴۳ء میں پولس (سینٹ پال) نے جو پہلے فریسی کاہنوں میں تھا، عیسائیت قبول کرلی، اور بیت المقدس میں مسیحیت کی دعوت دینے لگا۔ یہودیوں نے اس کو گرفتار کرکے حاکم قیصریہ کے پاس بھجوادیا۔

۶۶ء میں بیت المقدس کے یہودیوں نے اپنے مذہبی قائد العیذر بن انانیاس کے کہنے پر قیصر کی نذروں کو جو ہیکل میں چڑھانے کے لئے بھیجی گئی تھیں، رد کردیا۔ یہ گویا قیصر روم کے خلاف ایک نئی بغاوت کا آغاز تھا۔ ہیرود اعظم کے پڑپوتے اغرپا نے تین ہزار سوار بھیج کر اس سرکشی کو دبانا چاہا، لیکن یہودیوں نے تمام رومی فوجی ہلاک کردیئے۔ اس کی خبر قیصر روم کے نائب حاکم شام سستی اوس کو پہنچی تو وہ بغاوت کو کچلنے کے لئے بیت المقدس کی طرف بڑھا، لیکن ابھی وہ شہر سے چھ میل کے فاصلے پر تھا کہ یہودیوں نے اس پر اچانک حملہ کرکے پانچ سو رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سستی اوس مشتعل ہوگیا۔ اس نے تیزی سے شہر کی جانب کوچ کیا اور مضافات کے بعض حصوں کو نذر آتش کرکے ہیرود اعظم کے محل کے سامنے خیمے گاڑ دیئے۔ لیکن زبردست نقصانات اٹھانے کے بعد پسپا ہونے پر مجبور ہوا۔ اس پسپائی کی خبر قیصر روم کو ملی تو اس نے مشہور رومی جرنیل اور شاہ واسپین کے بیٹے طیطس (TiTuS) کو یروشلم پر بھیجا۔ طیطس نے شہر کا محاصرہ کرلیا، جو ایک ماہ تک جاری رہا۔ یہودی بڑی بے جگری سے لڑے، لیکن کامیابی طیطس کے قدموں میں لوٹ رہی تھی۔ ۱۹ اگست ۷۰ء کو وہ شہر میں داخل ہوگیا اور جب رومی سپاہی، یہودیوں کا تعاقب کرتے ہوئے ہیکل کے اندرونی صحن میں داخل ہوئے، تو ایک یہودی نے جلتی ہوئی مشعل ہیکل کے اندر پھینک دی جس سے ہیکل میں آگ بھڑک اٹھی جو طیطس رومی کی کوششوں کے باوجود نہ بجھ سکی اور ہیکل جل کر راکھ ہوگیا۔ اتفاق سے دیکھئے کہ یہ وہی دن تھا جس روز چھ سو برس پہلے بابل نے ہیکل سلیمانی کو برباد کردیا تھا۔ لیکن اس دفعہ بربادی خود یہودیوں کے ہاتھوں عمل میں آئی۔

فائدہ: جب ہیکل جل رہا تھا۔ سپاہی مار دھاڑ کشت و خون میں مشغول رہے، اس کے پاس لاشوں کا ڈھیر لگ گیا اور خون دریا کی طرح بہ نکلا۔ ایک عجیب قسم کی شورش اور غلغلہ تھا۔ فاتحین کے نعروں اور مفتوحین کی چیخوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ رومیوں نے جب ہیکل کو راکھ ہوتے دیکھا تو انہوں نے باقی حصہ عمارت کو بھی آگ لگادی۔ ہیکل کا خزانہ جس میں بے شمار زر و سیم، لباس اور

زیورات بلکہ قوم یہود کا تمام مال و دولت جمع تھا جل کر خاک ہو گیا۔ اب صرف بیرونی حصے کے حجرے باقی تھے، جن میں چھ ہزار سے زیادہ عورتیں اور بچے تھے اور محفوظت کے خیال سے جمع تھے لیکن پیشتر اس کے کہ طیطس کوئی حکم دے سپاہیوں نے ان کو بھی نذر آتش کر دیا۔ اور وہ سب کے سب وہیں جل مرے۔

فائدہ: جوسیفس لکھتا ہے کہ ہیکل کو آگ لگنے کے بعد اکثر لوگ بالائی شہر میں پناہ گزیں ہو گئے اور انہوں نے وہاں مقابلے کی ٹھان لی۔ طیطس نے ساتویں ستمبر کو بالائی حصے پر حملہ کر دیا۔ رومی شہر میں داخل ہو گئے۔ قتل عام شروع ہوا، جو شام تک جاری رہا۔ تمام گلی کوچے کشتوں اور بھوک سے مرے ہوئے لوگوں کی لاشوں سے پر نظر آتے تھے۔ صبح ہوتے ہی شہر جل کر خاک سیاہ ہو گیا، جو لوگ قتل سے بچ رہے۔ وہ غلامی میں فروخت ہوئے جن کی تعداد ۹۰ ہزار تھی۔ اس کے بعد شہر طیطس کے حکم سے بالکل زمین کے برابر کر دیا گیا۔

فائدہ: عیسائیت کے ابتدائی ایام کا مصنف راوی ہے کہ طیطس رومی نے جب بیت المقدس فتح کیا تو وہ اور رقہ حسینا گئیں، وفاتحین کے لیے جن میں ۱۷ سال سے زائد عمر کے لڑکے ہزار در ہزار مصر کی کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیے۔ کئی ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے مختلف شہروں میں بھجوا دیا۔ تاکہ ایمفی تھیٹروں میں جنگلی جانوروں سے پھڑوانے اور شمشیر زنوں سے کٹوانے یا خود آپس میں ایک دوسرے کو کاٹنے کے کام لایا جا سکے۔ دوران جنگ ۱۷ ہزار قیدی بچے۔ جن میں سے گیارہ ہزار صرف اس وجہ سے مرے کہ نگہبانوں نے انہیں کھانے کو کچھ نہیں دیا تھا۔ ان کے علاوہ جنگ کے دوران جو لوگ قتل ہوئے۔ ان کی مجموعی تعداد ۱۱،۳۳،۲۹۰ بتائی جاتی ہے۔ عیسائی مورخین کا کہنا ہے کہ یہودیوں کو یہ سزا اس لیے ملی کہ انہوں نے اس حادثہ سے چالیس سال قبل جب عیسیٰ کو مصلوب کیا گیا پیلاطس کے حضور میں کہا تھا کہ اس کا (یعنی یسوع مسیح) کا خون ہم پر اور ہماری اولاد پر ہو۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہ تباہی اتنی مکمل تھی کہ کوئی یہودی باقی نہ رہا جو بتا سکتا کہ ہیکل مغربی پہاڑی پر تھا یا مشرقی پر۔ اس بیان کی روشنی میں ہیکل کے بارے میں جو دعوے کیے جاتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ اس کے بعد اگرچہ مسیح کے پرستاروں کو یہودیوں کے ظلم و تشدد سے نجات مل گئی لیکن ان کی مصیبتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ اب بت پر

ست ان کے دشمن تھے، دوسری جانب تیس چالیس برس کے بعد فلسطین میں چھپے ہوئے یہودیوں نے پھر سر اٹھانا شروع کر دیا۔ اس وقت بیت المقدس کی راکھ سے ایک نیا شہر جنم لے چکا تھا۔ چنانچہ یروشلم کا شہر عیسائیوں کے لیے شہر قیامت بن گیا۔ ۱۱۵ء اور ۱۱۶ء میں یہودیوں نے عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا۔ ۱۳۵ء میں معبد دوبارہ تعمیر ہوا لیکن رومیوں نے اسے گرا کر اس کی جگہ ہل چلا دیے۔

۱۳۶ء میں رومی شہنشاہ ہیڈرین نے اسے دوبارہ آباد کیا اور شہر کا نام پہلے "ایلیا" اور پھر "کیپی ٹولینا" قرار دیا۔ یہودی پھر آباد ہوئے اور ۲۲۷ء، ۲۵۷ء، ۳۰۲ء میں عیسوی میں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا لیکن اقتدار بھی حاصل نہ کر سکے۔

یہاں مسیحیت کا آغاز ۲۲۸ء میں آریجن کے دورہ فلسطین سے ہوا تھا اور اس دور مصیبت میں بہت سے عیسائی پہاڑی غاروں میں چھپے تھے، مگر جب قیصر روم قسطنطین نے عیسائیت قبول کر لی۔ اور رومی سلطنت کے داخلی جھگڑوں سے تنگ آ کر آبنائے باسفورس کے قریب نیا شہر قسطنطنیہ آباد کر کے اسے اپنا دارالحکومت بنا لیا، تو عیسائیوں کا یہ دور ابتلا ختم ہوا۔ اسی قسطنطین نے ۳۳۶ء میں بیت المقدس کو عیسائی ریاست میں شامل کر کے یہاں شہدا MARTYRION اور کلیسائے نشور (CHURCH OF RESURRECTION) تعمیر کرائے۔ ہزارہا عیسائی یورپ کے مختلف ملکوں سے زیارت کے لیے آنے لگے۔ جن کے لیے مسافر خانے تعمیر ہوئے اور سارا شہر عیسائی ہو گیا۔ عیسائی روایت کرتے ہیں۔ قیصر قسطنطین کی ماں ہیلانہ نے خواب دیکھ کر کیلوری کی پہاڑی میں وہ صلیب دفن ہے جس پر مسیح کو مصلوب کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس پہاڑی کی کھدائی کر کے وہ صلیب برآمد کی گئی اور سونے چاندی سے منڈھ کر زروجواہرات سے آراستہ کیا اور یروشلم کے بڑے کلیسا میں سجا دیا گیا۔ عیسائی مورخین کا بیان ہے کہ قسطنطین (CONSTENTINE) انتہائی ظالم تھا اس نے اپنی بیوی، بچے اور خسر کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا

۳۹۵ء میں تھیوڈوسیس (THEODOSIUS) شاہ روما نے اپنی سلطنت اپنے دونوں بیٹوں میں تقسیم کی تو بیت المقدس، روم کی مشرقی سلطنت کا حصہ بنا۔ اس وقت تک یہ شہر عام مسیحیت کی عقیدت و ارادت کا مرکز قرار پا چکا تھا، لیکن خوشحالی کے ساتھ ساتھ اہل شہر بالعموم اور

یہود بالخصوص عیش و عشرت میں ڈوب گئے تھے ۔ ۵۲۷ء سے مسلسل ایک صدی تک یہود کی وجہ سے شہر میں حرام کاری اور بدکاری عروج پر رہی ۔ آخر شہنشاہ ہرکولیس نے ساتویں صدی کے اوائل میں یہود کو بیت المقدس سے نکال دیا ۔ چنانچہ یہود نے ہرکولیس (ہرقل) کے مقابلے میں ایران کی حمایت کی اور ۶۱۴ء ایران و روم کی کشمکش میں جو تقریباً ایک صدی سے جاری تھی خسرو ثانی شاہ ایران بیت المقدس پر قبضہ کرلیا ۔ ایک روایت کے مطابق ایرانی فوج نے نوے ہزار عیسائیوں کو قتل کیا اور یہودیوں پر مظالم کا بدلہ چکایا ۔ کلیسائے مزار مقدس اور دوسرے کلیسا مجروح کیے ۔ ان کے خزانوں پر قبضہ اور بڑے پادری کو قید کرلیا ۔

ابتدائے اسلام میں بیت المقدس

چودہ برس بعد روم کے شاہ ہرقل نے عیسائیوں کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے حملہ کیا اور خسرو شاہ ایران کی فوجوں کو شکست دی ۔ اصلی صلیب یروشلم لے گیا ۔ اور یہودیوں کو فلسطین سے نکال باہر کیا ۔ اس وقت عرب میں آفتاب نبوت علیہ السلام ضیاء ریز ہو چکا تھا اور فتح روم کی شہادت مل چکی تھی ۔ سورۂ روم میں یہ بشارت موجود ہے ۔ سرداران عرب ایران سے دلچسپی رکھتے تھے اور ایرانی فتح کے خواہش مند تھے ۔ اس لیے رومی فتح کی شہادت پر مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے ۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب روم کے لشکر کامیاب اور ایرانی ناکام ہو گئے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے ۔

شاہ ہرقل کی کامیابی سے ۶۳۷ء تک جب بطریق صفرونیوس سے ستر دن (بروایت دیگر چار ماہ) کے محاصرہ کے بعد اس مقدس شہر کو مسلمانوں کے حوالے کیا ۔

شہادتِ قرآن

اسلام میں بیت المقدس کے ابتدائی دور کی مذکورہ کیفیت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا

الم ○ غلبت الروم ○ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ○ فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون ○

(پ ۲۱ رکوع ۳ آیت ۱ تا ۴ سورۃ الروم)

ترجمہ : مغلوب ہو گئے ہیں رومی ملتے ہوئے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب

غالب ہوں گے چند برسوں میں اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام پہلے اور پیچھے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان

تفسیر: مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے حاشیہ ترجمہ مولوی محمود الحسن دیوبندی میں تحت کزان آیت میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشین گوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے ایران کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں ۶۰۲ء سے لے کر ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ زور آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۱ء میں نبی کریم ﷺ کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم ﷺ کے دعوے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاری اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔ آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے) خسرو پرویز (خسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین اڑا لے گئے قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں، مسلمانوں کو چھیڑنا شروع

گیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔ اس وقت قرآن نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے۔ اسی پیشگوئی کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو اونٹ تم کو دوں گا ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے "بضع سنین" کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے "بضع" کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حمص" سے پیدل چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر) عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ عزوجل کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کئے جن کے متعلق حضور ﷺ نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیئے جائیں۔ فللّٰہ الحمد علی نعمائہ الظاہرۃ والآیۃ الباہرۃ

تبصرہ اویسی غفرلہ

یہ حوالہ اکثر تفاسیر بالخصوص روح البیان میں مفصل ہے۔ فقیر نے عمداً حاشیہ کی تصریح کی ہے تاکہ منکرین کمالات مصطفیٰ ﷺ کا انکار نہ ہو۔ لیکن ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ واقعہ عند الحق حضور سرور دو عالم ﷺ کے علم غیب کا ثبوت ہے۔ ہاں منکرین نے اسکا نام جو پیشگوئی سے تعبیر کیا ہے یہ بھی انکی علمی خیانت ہے۔ لیکن یہ تو واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا علم غیب بعطائے الٰہی حق

ہے۔ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اس پر اتنا پختہ یقین ہے کہ سو اونٹوں کی شرط لگا دی اور اسکے پورا ہونے پر وہ وصول بھی فرما لئے لیکن چونکہ ایسی شرطیں شرعاً بعد کو منسوخ ہو گئیں اسی لئے وصول کر کے بحکم رسول اکرم ﷺ سے صدقہ کر دیا۔ نوٹ: واقعہ مذکورہ کو پیشگوئی کہنا وہابیوں دیوبندیوں کا طریقہ ہے ورنہ اہلسنت قدیم سے اسے علم غیب سے تعبیر کرتے چلے آرہے ہیں۔ چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

والایہ من دلائل النبوۃ لانہا اخبار عن الغیب اور آیت نبوت کے دلائل سے ہے اس لئے کہ یہ غیب کی خبر دینے پر مشتمل ہے۔

فائدہ: روح البیان میں سیغلبون کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سیغلبون مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی عنقریب وہ اہل اسلام مغلوب ہوں گے۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اقدس میں ہوا۔ یہ سنہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ تھا اور یہ ملک ۴۷۷ سال تک اہل اسلام کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد اس پر فرنگی قابض ہو گیا۔ یہ وہ شعبان ۴۹۲ھ میں ہوا۔ اور یہ ملک ان کے قبضے میں ۹۱ سال رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کو فتح بخشی۔ وہ جمعہ کا دن ۲۷ رجب ۵۸۳ھ تھا۔ قاضی محی الدین بن الزکی قاضی دمشق نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فتحکم حلبا بالسیف فی صفر

مبشر بفتوح القدس فی رجب

ترجمہ: تم نے تلوار سے صفر میں حلب کو فتح کیا اور قدس کی فتح کی خوشخبری رجب میں سنائی گئی۔

فائدہ: قاضی مرحوم نے جیسے لکھ دیا ہوا کہ بیت المقدس رجب میں فتح ہوا۔ اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس فتح کی خوشخبری قبل از وقت کیوں سنا دی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ابن مرجان کی تفسیر **الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین** سے سمجھا ہے۔

حضرت امام ابو الحکم بن مرجان اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مذکور ۵۲۰ھ میں تصنیف فرمائی

الجواب

اس وقت بیت المقدس فرنگی ملعون کے قبضہ میں تھا اور شیخ صلاح الدین حموی رحمہ اللہ نے مغلوبیت روم ۵۸۳ھ کا استخراج ادنی الارض سے کیا۔ اسی سن میں تیمور رومیوں پر غالب ہوا فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اکثر غالبیت و مغلوبیت ہمیشہ کے لیے بضع کے حساب کے اندر رہی ہے اور رہے گی خواہ صدیوں کے بعد ظاہر ہو یا چند سالوں کے۔ ایسے ہی ایک بار اہل اسلام ۱۸۰۲ء میں غالب ہوئے جیسا کہ چند غیب والوں نے اشارات بھی کئے۔ جیسا کہ سیغلبون سے بھی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن پھر اہل اسلام پر ۱۹۶۷ء میں کفار نے غلبہ پایا۔

قاعدہ: ہر حادثہ قرآن مجید میں کسی نہ کسی آیت میں اشارۃً ضرور پایا جاتا ہے۔ یہ علم الحروف کے جاننے والے جانتے ہیں۔ اور یہ اسی پر منکشف ہوتا ہے۔ جو اس علم کا ماہر ہے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

العلم بالحروف سر اللہ یدرکہ

من کان بالکشف والتحقیق متصفا

ترجمہ: علم الحروف بھی نرالی شے ہے اسے وہ پا سکتا ہے جسے کشف و تحقیق نصیب ہو۔

شب معراج اور بیت المقدس

معراج کے دور میں بیت المقدس اہل اسلام کے قبضہ میں نہیں آیا تھا شب معراج کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا (سورۃ بنی اسرائیل پ۱۵ آیت۱)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا یہ اہم واقعہ جو تاریخ میں اسراء و معراج کے عنوان سے موسوم ہے۔ کس سال، کس تاریخ اور کس مہینہ میں وقوع میں آیا حتمی طور پر تاریخ کچھ فیصلہ نہیں کر سکی، لیکن اتفاق اس پر ہے کہ یہ واقعہ ۲۷ رجب کو واقعہ ہجرت سے اٹھارہ ماہ قبل وقوع پذیر ہوا جس نے مسلمانوں کی نظروں میں حرم کعبہ کے بعد حرم القدس کو عزت و عظمت کا مقام دیا۔ یہاں تک کہ حضور سرور عالم ﷺ نے جہاں اپنی مسجد نبوی اور مسجد حرام کے فضائل بیان فرمائے وہاں مسجد

اقصیٰ کے فضائل بھی بتائے۔ رسول اللہ کو معراج ہجرت مدینہ سے پورے اٹھارہ مہینے پیشتر ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ اس رات گم پائے گئے تھے عبدالمطلب کے بیٹے انہیں ڈھونڈتے پھرے حضرت عباس بھی ڈھونڈنے والوں میں سے تھے۔ وہ رسول اللہ کا نام لے لے کر آپ ﷺ کو پکار رہے تھے۔ یا محمد یا محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ آواز سن لی۔ جواب دیا تو عباس نے ان سے پوچھا کہاں گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا میں بیت المقدس سے آیا ہوں۔

حضرت عباس نے تعجب ظاہر کیا۔ ایک رات میں گئے اور لوٹ بھی آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔

واقعہ معراج کی ایک بڑی راویہ جناب ام ہانی بنت ابی طالب فرماتی ہیں

رسول اللہ کو اسریٰ ہمارے گھر سے ہوا تھا اور اس رات عشاء کی نماز پڑھ کر ہمارے ہاں سو گئے تھے۔ فجر سے کچھ پہلے جگے۔ جب نماز پڑھ چکے۔ کہا اے ام ہانی میں نے تمہارے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ جیسا کہ تو نے خود دیکھا تھا پھر میں بیت المقدس گیا۔ میں نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر اب تمہارے ساتھ صبح کی نماز پڑھی ہے۔

مؤرخ القسطلانی کے نزدیک اسریٰ و معراج ایک ہی رات ہوا۔ اسریٰ آغاز تھا اور معراج منتہا۔ رسول اللہ ﷺ عالم بیداری میں روح جسم کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ پھر مسجد الاقصیٰ سات آسمانوں کی طرف پرواز فرمائی اور اپنے رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خدا نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ پر کچھ وحی کی۔ پانچ نمازیں فرض کیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ اسی رات لوٹ کر مکہ آئے اور یہ خبر عام کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں نے ان کی تصدیق کی اور کفار نے انہیں جھٹلایا

ابن کثیر حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں "معراج آنکھوں دیکھا حال تھا" یہی مذہب پہلے اور بعد کے جمہور کا ہے۔ یہ سب کے سب اسی عقیدہ کے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اسریٰ جسم اور روح کے ساتھ ہوئی تھی

سوار ہونے اور آسمان کی طرف صعود فرمانے کا سیاق بھی ظاہر کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئی جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں“ قرآن کی یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج، بدن اور روح کے ساتھ ہوئی تھی کیونکہ روح و جسم سے عبارت ہے بجز روح کے نہیں

مختصر یہ کہ شب معراج میں آپ ﷺ کی پہلی منزل بیت المقدس تھی۔ آپ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء ومرسلین کی امامت فرمائی اور شب عروج بی الی السماء (یعنی آسمان کی طرف معروج ہوئے)۔

مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ

روح البیان میں ہے کہ الی المسجد الاقصا مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس مراد ہے اور اسے اقصیٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اقصیٰ بمعنے ابعد اور چونکہ مسجد حرام سے یہاں تک سوائے اس مسجد اقصیٰ کے اور کوئی مسجد نہیں تھی اسی لئے اسے اقصیٰ بمعنے ابعد کے نام سے موسوم کیا گیا یعنے اقصیٰ بمعنے ابعد المساجد من مکہ۔ مکہ سے مساجد میں سے بعید ترین مسجد۔ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی درمیانی مسافت ایک مہینے کی راہ ہے۔ لیکن آج کل کے دور میں ہوائی سفر گھنٹوں کا اور بسوں اور کاروں کا چند دنوں کا ہے۔

سفر معراج

حضرت جبریل علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق ستر ہزار ملائکہ مقربین کو ہمراہ لے کر حضرت ام ہانی کے مکان پر پہنچے جو حرم میں واقع تھا۔ یہاں تو تمام ملائکہ کرام باہر چھوڑ کر خود راستہ اسی سے اس مکان کی چھت پھٹ گئی اور جبریل اندر داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ محبوب خدا خواب ناز میں ہیں۔ حکم الٰہی ہوا۔ قبل قدمیہ یا جبریل (اے جبریل میرے محبوب کی قدم بوسی کر) تاکہ تیرے نورانی لبوں کی ٹھنڈک محسوس کر کے وہ شہ بحر و بیدار ہوں نیز چشم عالم یہ نظارہ بھی کر لے کہ سید الملائکہ جبریل کا مقام محمد مصطفےٰ ﷺ کے قدموں تلے ہے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے خوب فرمایا

عرش است کمیں پایہ زیوان محمد ﷺ
جبریل امین خادم دربان محمد ﷺ

اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "تحریر شب اثنین خاتم" میں پڑھئے

نوٹ: چونکہ معراج شریف ایک مستقل اور طویل مضمون ہے اسی لئے ہم طوالت چھوڑ کر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہاں معراج شریف میں جس قدر بیت المقدس شریف کو تعلق ہے اسے قدرے تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے "معراج المصطفے ﷺ" دیکھیں۔ (ملنے کا پتہ مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی مسجد بہاول پور)

سفر مسجد اقصیٰ

۲۷ رجب شب سوموار کو حضور سرور عالم ﷺ بی بی ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر آرام فرما تھے۔ مشہور قول یہ ہے کہ بی بی مذکورہ کا نام فاختہ تھا۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں۔ آپ کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ کے دن بھاگ کر نجران کی طرف چلا گیا اور وہیں پر کفر پہ مر گیا۔ حضور سرور عالم ﷺ عشاء کی دو رکعتیں (سنت بعد فرض وتر) پڑھ کر وہیں پہ سو گئے۔ بی بی ام ہانی کے گھر کی چھت چیر کر گھر کے اندر جبریل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام داخل ہوئے اور ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ستر ہزار فرشتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو اپنے پروں سے جگایا۔ حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں۔ میں بیدار ہوا دیکھا کہ میرے پاس جبریل (علیہ السلام) حاضر ہیں۔ میں نے کہا اے جبریل (علیہ السلام)! کیوں آئے؟ عرض کی۔

یا محمد ان ربی تعالیٰ بعثنی الیک امرنی ان اتیہ بک فی ھذہ اللیلۃ بکرامۃ لم یکرم بھا احد قبلک ولا یکرم بھا احد بعدک فانک تریدان تکلم ربک و تنظر الیہ و تری فی ھذہ اللیلۃ من عجائب ربک و عظمۃ و قدرۃ۔

ترجمہ: اے محبوب محمد ﷺ رب تعالیٰ نے مجھے بھیجا تا کہ میں آپ کو اسی شب تعظیم و تکریم سے لے جاؤں۔ آپ سے پہلے کسی کی تعظیم نہ ہوئی اور نہ آپ کے بعد ہوگی۔ آپ چاہیں تو آج رات اپنے رب عزوجل سے کلام کریں اس کے عجائبات دیکھیں اور اس کی قدرت و عظمت کا معائنہ و مشاہدہ فرمائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ (جبریل علیہ السلام کے اس بیان کے بعد) میں نے اٹھ کر وضو کر کے دوگانہ پڑھا۔ شب معراج جبریل علیہ السلام ابتداً ایک سفید رنگ کی سواری لائے

جسے براق سے تعبیر کیا جاتا ہے (البراق) بضم الموحدہ اور اسے براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سخت چمکدار تھا یا بہت جلد رو تھا جیسے بجلی بادل میں چمکتی ہے اور بہت بڑی جلد باز ہوتی ہے یہ براق بھی اسی کی طرح تیز رفتار تھا۔ جس براق پر حضور سرور عالم ﷺ سوار ہوئے وہ گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی براق پر سوار ہو گیا۔ بیت المقدس تک پہنچتے پہنچتے کئی مناظر پیش آئے۔ ان کے اکثر روح البیان میں مذکور ہیں۔ ان میں سے فقیر صرف ایک عرض کرتا ہے۔

مزار موسیٰ علیہ السلام سے گزر ہوا

نبی علیہ السلام نے ایک منظر یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مزار میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جونہی حضور علیہ السلام کو وہاں سے گزرتا ہوا دیکھا تو بلند آواز سے کہا اکرمته وفضلته (میں نے انہیں افضل واکرم بنایا ہے) آپ نے فرمایا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں۔ آپ نے پوچھا انہیں کون جھڑک رہا تھا۔ عرض کی کہ آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ انہیں جھڑک رہا تھا۔

فائدہ: یہاں عتاب اور جھڑک محبت اور پیار کی تھی۔

مزارات کی زیارت اور مزارات کے نزدیک نوافل

وہابی دیوبندی مزارات اولیاء سے نہ صرف روکتے بلکہ اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب روح البیان کے مندرجہ ذیل قول سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ انہوں نے حضور سرور عالم ﷺ کے متعلق لکھا۔

والظاهر انه عليه السلام نزل عن قبر فصلى ركعتين.

ترجمہ: حضور سرور عالم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب اترے اور دو رکعت پڑھے۔

ابراہیم علیہ السلام

ایک درخت کے نیچے ایک بوڑھے بزرگ پر حضور سرور عالم ﷺ کا گزر ہوا جن کے گرداگرد بہت بڑا کنبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کے دادا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ نے ان کے قریب جا کر انہیں سلام کیا

ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دے کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ آپ کے بیٹے عزیز دوست حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا مرحبا بالنبی الامی العربی۔ یہ کہہ کر حضور علیہ السلام کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی

انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں

جس درخت سے حضور سرور عالم ﷺ کا گزر ہوا وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار مبارک تھا۔ حضور علیہ السلام اسی درخت کے نیچے ایک اتر کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

(معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات کی زیارت اور وہیں پر نفل ادا کرنا سنت مصطفیٰ ﷺ ہے۔)

بیت المقدس میں تشریف آوری اور ملائکہ کرام کا استقبال

حضور سرور عالم ﷺ ابراہیم علیہ السلام کے مزار کی زیارت سے فراغت پا کر براق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کے قریب ایک وادی پر پہنچے جہاں آپ کو جہنم کی صورت دس گز (بیگوں) کی طرح دکھائی گئی۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا حضرت آپ کو جہنم کی کیفیت کیسی محسوس ہوئی؟ آپ نے فرمایا سیاہ کوئلے کی طرح نظر آتی تھی۔ یہاں سے حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور ایلیاء (بالکسر) میں داخل ہوئے یعنی مدینۃ القدس ہے جو ارض شام میں واقع ہے یہاں پر آپ کے استقبال کے لئے ملائکہ کی ایک بہت بڑی جماعت استقبال کے لئے حاضر ہوئی استقبال کرنے والے وہ فرشتے گنتی و شمار سے باہر تھے آپ ایلیاء کے باب یمانی سے داخل ہوئے اور مسجد اقصیٰ میں پہنچے یہاں دروازے کے آگے ایک پتھر پڑا تھا جسے جبریل علیہ السلام نے چیر کر براق کو باندھا۔

انجوبہ

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا قبل اسلام ایک عجیب واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے قیصر (بادشاہ) کے ہاں چند باتیں سوچ کر گیا تھا میری اس نیت پر کہ اس سے حضور نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت میں کمی آئے گی جیسے ان کی ایسی باتیں بتاؤں کہ جن سے ان کا جھوٹ ثابت ہو اور قیصر (بادشاہ) ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان سے نفرت کرے گا چنانچہ میں نے قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ میں تمہیں اس نبی کی ایک ایسی بات بتاؤں جس سے تمہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ جھوٹا ہے قیصر نے کہا وہ کیا؟ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت اللہ (مکہ)

سے بیت المقدس پہنچ کر واپس لوٹ آیا ہوں کیا عقل باور کرتی ہے کہ انسان اتنا سفر ایک رات میں طے کر لے؟ ابو سفیان یہ ماجرا بیان کر کے خاموش ہوا تو بیت المقدس کا خاص خادم بول پڑا اور قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ اس رات کی کہانی مجھ سے سنئے۔ ہوا یوں کہ میری عادت تھی کہ بیت المقدس (مسجد) کے تمام دروازے بند کر کے سوتا تھا اس رات بھی میں نے تمام دروازے بند کئے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہو سکا بہت بڑی جدوجہد کے باوجود بھی کھلا رہا اور وہ فلاں دروازہ جواب بھی ہے۔ اس کے بعد میں نے ہمسایوں کی مدد چاہی اور اسے ہر چند بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر بند نہ ہو سکا۔ بالآخر ہم نے اسے یونہی چھوڑ دیا اور سمجھا کہ اسے کچھ خرابی ہے تو کل بنوا لیں گے۔ چنانچہ میں اس دروازے کو کھلا چھوڑ کر چلا گیا۔ جب صبح حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ پتھر جو دروازے کے آگے پڑا تھا جس میں سوراخ نہیں تھا اب اس میں سوراخ پڑ گیا اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی سواری کو باندھا گیا۔ اور مذکورہ دروازے کے بند نہ ہونے کا بظاہر کوئی سبب نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے کتب سماویہ میں پڑھا تھا کہ جب نبی آخر الزماں (ﷺ) کو آسمان کی سیر کرائی جائے گی تو وہ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ آج شب نبی آخر الزماں ﷺ کو معراج ہوئی ہے اور دروازے کے بند نہ ہونے کا سبب بھی یہی تھا۔

فائدہ: دروازے کا بند نہ ہونا بھی حضور علیہ السلام کے معراج کی تصدیق کے لئے ہوا ورنہ جبرئیل علیہ السلام کے آگے ایسے دروازے حائل نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح ان کا پتھر کو چیرنا اور براق کا باندھنا بھی حضور علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کے لئے ہوا۔ ورنہ براق کو باندھنے کے کیا معنی کی اولاً تو وہ براق ہمارے دنیوی جانوروں کی طرح نہیں۔ ثانیاً وہ براق حضور علیہ السلام پر سو جان فدا تھا وہ حضور علیہ السلام کے بغیر کہاں جا سکتا تھا۔ ثالثاً خود اللہ تعالیٰ نے اس براق کو صرف اپنے حبیب ﷺ کے لئے بھیجا تھا اور صرف انہی کے لئے مسخر کر دیا گیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کے باندھنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ بھی حضور علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

حورانِ بہشت کی حاضری

جب حضور عالم ﷺ حجرِ مذکور پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کو حوران بہشت دکھائے آپ نے دعا فرمائی تو آپ کے اور حوران بہشت کے درمیان سے پردے ہٹا دیے گئے۔ آپ نے انہیں اسلام علیکم کہا۔ انھوں نے حضور ﷺ کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے عرض کی ہم ان نیک لوگوں کی عورتیں ہیں جو دنیا میں پاکباز ہے گناہوں کی میل کچیل ان کے قریب نہ پھٹکی اور وہ بہشت میں آکر دائمی طور پر مقیم ہوں گے یہاں سے کوچ نہیں کریں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے ان پر موت نہیں آئے گی۔

انبیاء علیہم اسلام کی خدمت میں

اس کے بعد حضور سرورِ عالم ﷺ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو زندہ کر کے حضور سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ یادرہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ سے عالم دنیا میں صورت مثالی کے ساتھ لایا گیا۔ سوائے حضرت عیسیٰ، ادریس، خضر اور الیاس علیہم السلام کے۔ وہ چونکہ ابھی زندہ ہیں۔ اسی لئے وہ دنیوی اجسام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اور تحقیق یہی ہے کہ مذکورہ بالا چاروں حضرات تا حال زندہ ہیں۔ ان تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ کو بہت بڑے مراتب سے فائز المرام ہونے پر مبارکباد پیش کی اور کہا

الحمد للہ الذی جعلک خاتم الانبیاء فنعم النبی انت ونعم الاخ انت وامتک خیر الامم.

ترجمہ: حمد و تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا آپ بہتر پیغمبر اور اچھے ساتھی اور آپ کی امت خیرالامم ہے۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ آگے بڑھ کر ان سب حضرات انبیاء علیہم اسلام کو دوگانہ پڑھائیے آپ نے جب انہیں دوگانہ پڑھایا آپ کے پیچھے بالکل قریب حضرت ابراہیم علیہ اسلام تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام کھڑے تھے حضور علیہ السلام کے پیچھے انبیاء و رسل علیہم اسلام نے سات صفیں بنائیں۔ پہلی تین صفیں رسل علیہم السلام اور تمام انبیاء علیہم اسلام کی صفیں تھیں

مسئلہ: انسان العیون میں ہے کہ یہ مطلق نفل تھی (واللہ اعلم)

فقہاء کرام کا یہی قول زیادہ قوی ہے

سوال: نوافل میں جماعت مکروہ ہے اور یہ دو گانہ نفل تھا تو جماعت کیسی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے لئے کراہت کا حیلہ کسی مکروہ شے میں آنے کا وسیلہ ان کا ہر عمل محبوب ہوتا ہے۔ اور یہ ان کا خاصہ ہے اگرچہ عوام کے لئے نوافل کی جماعت مکروہ ہے

مسئلہ: حضور علیہ السلام کا انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دوگانہ پڑھانا نفلی عبادت تھی... (روح البیان)

حدیث شریف:

حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بیت المقدس میں پہنچ کر دو رکعت نفل پڑھے تمام انبیاء علیہم السلام کا اور ملائکہ کرام کا امام بن کر۔ اس کے بعد مجھے سخت پیاس لگی تو میرے سامنے دو پیالے لائے گئے ایک دودھ کا دوسرا شراب طہور کا تھا۔ میں نے وہ پیالہ لیا جس میں دودھ تھا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تھا۔ دودھ سے تھوڑا سا پیا لیکن شراب والے پیالے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی

اصبت الفطرۃ یا محمد ﷺ

اے حضرت محمد ﷺ آپ فطرت کو پہنچے۔

اس لئے کہ فطرت کے لئے علم و حلم و حکمت موزوں ہے۔

اگر آپ شراب کے پیالے سے کچھ نوش فرماتے تو آپ کی امت بالکل گمراہ ہو جاتی اور اگر دودھ کا سارا پیالہ پی لیتے تو آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت کا کوئی فرد بھی گمراہ نہ ہوتا۔ میں نے کہا اے بھائی جبریل (علیہ السلام) دودھ کا دوسری بار دو کہ میں اسے پی لوں تا کہ میری امت گمراہ نہ ہو کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا اس کے خلاف ہونا مشکل ہے اس لئے اب رہنے دیجئے جس میں ہلاک ہونا ہے وہ ضرور ہلاک ہوگا اور جس نے بچنا ہے وہ بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے

فائدہ: اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ بیت المقدس سے قبۃ الصخرۃ سے روانہ ہوئے اس لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ صخرۃ بیت المقدس بہشت کے پتھروں سے ہے

فائدہ: اسی پتھر پر حضور سرورِ عالم ﷺ کے قدم مبارک کا نشان موجود ہے

اعجوبہ ۶

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دنیائے عالم کا کوئی ایسا میٹھا پانی نہیں جسے اس صخرہ بیت المقدس سے تعلق نہ ہو حتیٰ کہ تمام روئے زمین کے چشموں کا پانی اسی صخرہ سے جاتا ہے یہ صخرہ (پتھر) اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت کا ایک اعجوبہ ہے۔

فائدہ: یہ بیت المقدس کے درمیان میں ایک بکھرا ہوا پتھر ہے۔ اسے صخرۂ بیت المقدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بیت المقدس کی ہر جہت سے منقطع ہے اسے انہی چیزوں سے روکا جا سکتا ہے جن سے پانی کو روکا جاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت وکیفیت پانی کی سی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سہارے کے بغیر ویسے ہی کھڑا ہے۔

فائدہ: اس پتھر کے نیچے ایک غار ہے جو دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور وہ پتھر اس کے اوپر زمین و آسمان کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔

فائدہ: حضرت امام ابوبکر ابن العربی نے شرح موطا میں لکھا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ میں اس پتھر مبارک کے نیچے سے گزروں لیکن اس کی ہیبت سے اس کے نیچے سے نہ گزر سکا اس خطرہ سے کہ شاید وہ میرے گناہوں کی نحوست سے میرے اوپر گر جائے۔ پھر ایک مدت کے بعد جرأت کر کے اس کے نیچے سے گزرا تو بڑے عجائبات نظر آئے جملہ اس کے ایک یہ تھا کہ مجھے ہر طرف سے چلتا ہوا نظر آیا باوجود اس کے کہ اس کا کوئی ٹکڑا زمین سے متصل نہ تھا بلکہ اس کے اپنے بعض ٹکڑے اس سے بہت جدا نظر آتے تھے۔

فائدہ: بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ بیت المقدس آسمان کے بالکل قریب ہے۔ بعض نے صرف اٹھارہ میل کی مسافت فرمائی ہے

اعجوبہ ۷

وہ دروازہ جس سے فرشتے زمین سے آسمان پر جاتے ہیں وہ بیت المقدس کے بالمقابل ہے

نکتہ: حضور سرورِ عالم ﷺ کو آسمان پر لے جانے کا پروگرام بھی بیت المقدس سے اسی وجہ سے بنایا گیا کہ یہی ٹکڑا آسمان کے قریب تر ہے اور اسی دروازے کے لئے جو آسمان پر جانے کے

لئے کھلا ہوا ہے اس کے لئے آپ کو نیز حاضر کر کے بتانا پڑے

شانِ رسالت ﷺ

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کو بیت المقدس کے راستے سے لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے بیت المقدس کو بھی برکت نصیب ہو۔ اس لئے کہ یہی مدینۃ القدس اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے۔ اسے حضور علیہ السلام کی برکات سے بھی متبرک کیا گیا۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ آپ کو بیت المقدس سے سفر کی سہولت مطلوب تھی۔ یہ تو قیاس الغائب علی الشاہد کے قبیل سے ہے۔ سہولت اجسام ثقیلہ کو ضرورت ہوتی ہے اجسام لطیفہ کو سہولت کا کیا معنی؟ بالخصوص علوی حضرات اور ارواح طیبہ تو اس قسم کی تکالیف سے منزہ اور پاک ہیں اس لئے کہ لطیف اشیاء ایسی ضرورتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اور عاشق مصطفی ﷺ کو معلوم ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ تمام کائنات یہاں تک کہ ملکوت و جبروت اور قدسی اور ملاء اعلیٰ و دیگر تمام مقربین ملائکہ سے لطیف ترین ہیں۔ جسم شریف بھی روح مقدسہ کی طرح لطیف ہے۔

یہ وہابیہ دیوبندیہ پر اویسی کا ردّ ہے کہ وہ آپ کی بشریت کو کثیف سمجھتے ہیں۔

اور قاعدہ ہے کہ اجسام لطیفہ کے لئے کوئی شے حائل نہیں ہوتی اور حضور سرورِ عالم ﷺ کے لئے کہنا کہ بیت المقدس کا سیدھا راستہ تھا اور ٹیڑھا راستہ اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ تکلفات رکیکہ ہیں اور معراج کے مناسب حال کے خلاف ہے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

یہ مسئلہ بھی اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں منارہ بیضاء دمشق میں نزولِ اجلال فرمائیں گے اگر آسمان کے راستے والی بات ہوتی تو وہ بھی بیت المقدس میں اترتے حالانکہ دمشق اور شام کے درمیان کافی فاصلہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جانا راستے کی وجہ سے نہ تھا اسے عقل بھی نہیں مانتی

واپسی از بیت المقدس

حضور نبی پاک ﷺ کے شب معراج بیت المقدس میں جانے کے حالات ہم نے پہلے عرض کر دیے۔ واپسی پر جو اسکے متعلق کافروں نے جو سوال کیا اسکا اصل واقعہ پھر اس پر جو وہمی کا اعتراض اٹھایا اسکا جواب عرض کرتا ہوں۔

سوال: بعد معراج جب رسول اللہ ﷺ سے کافروں نے بیت المقدس کا حال دریافت کیا تو حضور متردد ہوئے جب اللہ جل شانہ نے بیت المقدس حضور کے سامنے کیا تب حضور نے کافروں کو اس کا حال بتایا۔ اگر حضور علیہ السلام کو پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ تردد نہ کرتے اور فوراً بتا دیتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہر چیز کا علم نہیں۔

جواب: تردد سے لاعلمی ثابت کرنا جہالت ہے اس لئے کہ بے علمی کے لئے صریح الفاظ ضروری ہیں۔ مثلاً فرماتے لا علم۔ لا ادری وغیرہ۔ تردد کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کافروں کے سوال سے ان کی ناقدری و بیوقوفی سے حیران ہوئے کہ یا اللہ میں تو ایک عظیم سفر میں ایسے مقامات پہ پہونچا کہ جہاں جبرئیل (علیہ السلام) بھی پر نہیں مار سکتے اور جہاں انبیاء علیہم السلام ان مقامات پہ پہونچنے کو ترستے ہیں اور یہ بیوقوف کافر مجھ سے صرف بیت المقدس کا پوچھتے ہیں۔ کاش میرے قدردان اس وقت ہوتے تو مجھ سے پوچھتے کہ عرش معلی کے مینار کتنے اور کیسے ہیں یہ پوچھتے کہ اے لامکان کے مہمان ﷺ اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال کے تجلیات کیسے پائے۔ ذات حق کے دیدار سے مشرف ہوئے اسکی پر کیف کیفیت کیسی تھی یہ بلا تمثیل یوں ہے کہ ایک بہت بڑا علامہ کسی شہر میں جائے جس کی علم کی دھوم ہو وہ بھی اپنے علم پہ نازاں ہو جب اسی دوران اس سے کوئی سوال کرے کہ کریم بخش کا کیا ترجمہ ہے تو وہ علامہ حیران ہو کہ کاش کوئی مجھ سے مطول کا سوال کرتا وغیرہ وغیرہ۔

جواب ۱: حضور کو بیت المقدس کے متعلق ان باتوں کا علم تھا جو کفار نے دریافت کی تھیں مگر ان کا نہ بتانا یا متردد ہونا کسی حکمت پہ تھی یا اس طرف التفات نہ ہوگا۔

جواب ۲: حدیث شریف میں موجود ہے حضور بیت المقدس تشریف لے گئے اور یوں نہیں کہ سوار چلے جاتے تھے راستہ میں بیت المقدس پہ گذرے اسکو پورے طور دیکھا ہی نہیں بلکہ وہاں سواری یعنی براق سے اتر کر مسجد کے اندر تشریف لائے پھر وہاں دو رکعتیں تحیۃ المسجد پڑھیں

پھر باہر تشریف لائے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام ایک برتن شراب کا ایک دودھ کا لائے۔ حضور نے دودھ کا پسند فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرۃ کو اختیار فرمایا۔ الخ تا اس حدیث کے جو روایت انس مشکوٰۃ ۵۲۸ میں مروی ہی ہے

عن ثابت البنانی عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت بالبرا
ق وهو دابة ابیض طویل فوق الحمار ودون البغل یضع حافره عند منتهی طرفه
فرکبته حتی اتیت بیت المقدس فربطته بالحلقة التی تربط بها الانبیاء قال ثم
دخلت المسجد فصلیت فیه رکعتین ثم خرجت فجاءنی جبرئیل باناء من
خمر واناء من لبن فاخترت اللبن فقال جبرئیل اخترت الفطرة.

الحدیث ترجمہ اوپر گزرا۔

اسکے مزید جوابات فقیر کی کتاب "غایۃ المامول فی علم الرسول" میں پڑھئے۔
(ملنے کا پتہ مکتبہ اویسیہ رضویہ بہاولپور)

بیت المقدس اسلام کے قبضہ میں

تاریخ گواہ ہے کہ بیت المقدس کی ساری زندگی میں جس فاتح کے شہر میں داخل ہونے پر مفتوح باشندوں نے اس کے ورود مسعود کا جشن منایا وہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے بہت تھوڑا سا وقت ان کے پاس گزارا لیکن لوگوں نے جان لیا کہ جن شرائط پر صلح ہوئی ہے وہ اپنے عمل میں ان سے کہیں زیادہ فیاضی اور احسان دوستی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور اس قدر محتاط ہیں کہ اگر نادانستہ ان سے کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کا فوراً ازالہ کر دیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیت المقدس تشریف لے جانے کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ یرموک کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حکم ملنے پر حضرت عمرو بن عاص بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے حضرت عمرو بن العاص اپنی سیاست اور ڈپلومیسی کے لیے بہت مشہور تھے اور تاریخ میں انہیں "سیاسی العرب" کہا جاتا تھا۔ بیت المقدس میں ان کے مقابلے پر رومیوں کا سب سے بڑا جرنیل ارطبون تھا جس کا شہرہ مدینے تک جا پہنچا تھا، جب دونوں جرنیل آمنے سامنے ہوئے اور حضرت عمر کو اطلاع ملی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا ہم نے عرب کے ارطبون سے لڑا دیا ہے دیکھئے کیا ہوتا ہے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پہنچتے ہی بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا

عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے۔ چند دنوں بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی مہمات شام سے فارغ ہو کر پہنچے۔ انہوں نے یروشلم کے بڑے بڑے سرداروں کو خط لکھے

صحت اور خوشی ان لوگوں کے لیے ہے، جو راہ راست پہ چلے اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور جب تم ایمان لاؤ گے تو ہمیں حرام ہے کہ ہم تمہیں ماریں۔ تمہارے بال بچوں کو ہاتھ لگائیں اور اگر تم ایمان نہیں لاتے تو ہم کو خراج دو اور ہماری حمایت میں رہنا اختیار کرو۔ اور جو یہ بھی نہ مانو گے تو میں تمہارے مقابلے میں ایسے لوگ لاؤں گا جو اللہ کے راہ میں شہید ہونے کی آرزو رکھتے ہیں اور ہم بغیر فتح کیے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔

بہت سے صلاح و مشورہ کے بعد پادری صفرونیوس (SOPHRONIOUS) نے صلح منظور کی اور کہا کہ یہ پاک مقام ہے۔ اس کو میں خلیفۃ المسلمین کے سوا اور کسی کے سپرد نہیں کروں گا اور عارضی صلح کے لیے معززین شہر کو سفید علم کے ہمراہ مسلمانوں کے پاس بھیجا اور صلح چاہی۔

ایک روایت ہے کہ جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بہ نفس نفیس چار ہزار سواروں کے ساتھ بیت المقدس تشریف نہ لائے فتح نہ ہوئی۔ دوسری روایت اس طرح ہے کہ بیت المقدس کے لوگ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے اور محاصرہ کئی روز تک جاری رہا۔ محصور باشندوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ جب شہر کی مقاومت شدید ہو گئی تو ابن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میرا واسطہ سخت جان دشمن سے ہے فوج بہت کم ہے کمک بھجوائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کے محاصرے کی طوالت سے پریشان تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کے باشندے ابن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے اور ابن عاص ان کے لیے مصیبت بن گئے۔ خط مدینہ پہنچا تو آپ نے مسجد نبوی میں مسلمانوں سے مشورہ کے دوران میں خود کو ان کے ہمراہ جانے کے ارادے کا اظہار کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تائید کی اور فرمایا

""مسلمان سخت پریشان ہیں۔ انہوں نے موسم کی سختی، جنگ اور طویل مسافرت کی مشقت برداشت کی ہے۔ بہتر ہے کہ آپ تشریف لے جائیں۔ انہیں تسلی ہوگی""

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اتفاق کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کر کے خود روانہ ہو گئے۔ اپنے وقت کا یہ طاقتور اور وسیع سلطنت کا حکمران خاکستری رنگ کی ایک اونٹنی پر سوار ہو "اور مدینۃ الرسول ﷺ سے قبلہ اول کی طرف چل دیا۔ اونٹنی پر دو تھیلے لٹک رہے تھے ایک میں ستو اور دوسرے میں کھجوریں تھیں۔ سامنے پانی کا مشکیزہ تھا اور ایک کشکول میں دیگر زاد راہ

ہر روز صبح کے وقت آپ کشکول کھول کر سامنے رکھ لیتے اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ بیت المقدس کے قریب ایک مقام جابیہ میں قیام فرمایا۔

ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) اور خالد (رضی اللہ عنہ) بن ولید کو یہاں پہنچنے کا حکم مل چکا تھا۔ اور وہ پہلے سے وہاں موجود تھے۔ بیت المقدس میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر پہنچی تو ارطبون تھوڑی سی فوج لے کر مصر کی طرف گیا اور مصر والوں نے جواب کیا اور گویا صلح کا پیغام بھیجا۔

استقبال

اس مقام پر مسلمانوں کے سپہ سالار اس عالم میں خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سب سے آگے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ آخر میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کی پوشاکوں پر نگاہیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ شاہی کپڑوں میں ملبوس تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھتے ہی تڑپ اٹھے۔ انتہائی غصہ میں زمین سے کنکریاں اٹھا کر ان کے سینوں پر ماریں اور فرمایا۔

"بہت جلدی تم لوگوں نے اپنی وضع بدل لی ہے، اس حال میں مجھ سے ملنے آئے۔ کیا دو ہی برس میں تم اپنے آپ سے باہر ہو گئے ہو۔ اگر دو سو برس تمہاری یہ حالت رہتی تو خدا تم کو چھوڑ کر تمہاری حکومت اوروں کو دے دے گا"

فوج کے سرداروں نے اپنی لہراتی ہوئی عبائیں اٹھا کر وہ ہتھیار دکھائے جو انہوں نے جسم پر سجا رکھے تھے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ قدرے کم ہوا۔ خود ان کا لباس یہ تھا کہ بدن پر ایک معمولی کرتہ زیب تن تھا، جس پر کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ گاڑھے کا کرتا تھا، جو ایک جانب سے پھٹ گیا تھا

حضرت عمرؓ کی سادگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب جابیہ پہنچے تو مقامی سردار جلوس کو بلایا اپنا کرتا اتار کر اسے دیا کہ اسکی مرمت کر کے اور اسے دھو کر لے آئے۔ اور کہا کہ جب تک مجھے کوئی کپڑا دے دو۔ جلوس نے ایک ریشمی قمیض حاضر کی۔ فرمایا۔ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا، ریشم ہے۔ پوچھا ریشم کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے بتایا تو فرمایا اچھا ٹھیک ہے اور پہن لیا۔ اپنی قمیض دھل کر آئی تو اسے اتار دیا۔ اس پر جلوس نے کہا۔ آپ عرب کے شاہ ہیں اپنے مفتوح ملک میں اونٹ پر سواری اور ایسا لباس اچھا نہیں۔ ترکی گھوڑا منگوایئے اور سفید لباس پہنئے۔ رومیوں کی نگاہ میں آپ کی عظمت بڑھے گی۔ ناراض ہو کر فرمایا۔ خدا نے ہمیں اسلام کی وجہ سے جو عزت دی ہے اس کے سوا ہمیں کچھ نہیں چاہیئے۔ البتہ تھکی ہوئی اونٹنی کا خیال کر کے گھوڑے کی سواری پر راضی ہو گئے۔ لیکن جب شان دار ترکی گھوڑا اٹھلاتی ہوئی چال چلنے لگا تو فرمایا

"روکو! روکو! میں نے اس سے پہلے کسی کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا۔"

ایک روایت میں ہے کہ مقامی سردار جلوس کے علاوہ خود مسلمانوں کی بھی خواہش تھی کہ آپ سفید کپڑے پہنیں اور ترکی گھوڑے پر سوار ہوں۔ سب نے مل کر آپ کو دونوں باتوں پر آمادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اصرار پر سفید کپڑے زیب تن کیے، کندھے پر وہ خوبصورت رومال ڈال لیا جو ابن عامر رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے بھیجا تھا۔ ترکی گھوڑے پر بڑی شان سے سوار ہوئے۔ مسلمان عسکری، جو اپنے خلیفہ اور سالار اعظم سے عشق کرتے تھے، بہت خوش ہوئے۔ لیکن جب گھوڑے پر سوار ہوئے تو فوراً اتر آئے اور مسلمانوں سے کہا۔ میری لغزش درگزر کرنا، اللہ قیامت کے روز تمہاری لغزش سے درگزر کرے گا۔ جس نخوت اور کبر و غرور نے اس وقت میرے دل میں راہ پائی۔ شاید تمہارے امیر کو ہلاک کر دیتا۔ یہ فرما کر پھر اپنے پرانے کپڑے پہن لیے۔

ابن کثیر نے فلسطین کے سفر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیشانی سے اوپر کا حصہ دھوپ میں چمک رہا تھا۔ سر پر ٹوپی تھی نہ عمامہ، دونوں پاؤں رکاب کے بغیر اونٹنی کے کجاوے سے لٹک رہے تھے، اونٹنی کی پیٹھ پر ایک پرانا کمبل تھا جو رات کو بستر کا کام دیتا۔ خرجی چیتے کی کھال سے بنی تھی جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی رات کو آپ اسے تکیہ بنا لیتے

اسلامی مساوات

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے آپ کو خط لکھا تھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی آمد پر منحصر ہے، چنانچہ آپ ایک اونٹنی پر اپنے خادم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ایک منزل آپ سوار ہوتے اور خادم پیدل چلتا، دوسری منزل خادم اونٹنی پر ہوتا اور آپ آگے آگے چلتے، چنانچہ جب آپ جابیہ پہنچے تو آپ کا خادم سوار تھا اور اونٹنی کی نکیل آپ کے ہاتھ میں تھی اور بیت المقدس کا یہ فرمان پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے غلام کے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے شہر میں داخل ہو گا۔

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ وقت کی حیثیت سے یہ پہلا اور آخری سفر سادہ لیکن پر وقار تھا۔ وہ اپنے مفتوحہ علاقوں سے گزر رہے تھے اور جگہ جگہ لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیمات واضح کرتے جاتے تھے۔ رعایا کا مشاہدہ بھی جاری تھا تاریخ نے بڑے بڑے پُر جاہ و جلال شاہنشاہوں کے سفروں کو بھلا دیا، جن پر جشن کا گمان گزرتا تھا لیکن اس سفر کی جزئیات تک تاریخ کا سرمایہ بن کر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئیں۔

صلح نامہ

روایت ہے کہ معاہدہ صلح پر دمشق میں دستخط ہو گئے۔ اور اس کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے۔ ایک مورخ کے مطابق صلح نامہ جابیہ میں طے پایا ایک اور بیان کے مطابق معاہدہ صلح کی تکمیل بیت المقدس میں ہوئی اور وہ اس طرح کہ محصورین نے اپنے سفیر کی امان چاہی، جب آپ نے امان دے دی تو سفیر بلا روک ٹوک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ہم سے صلح کر لی جائے اور خراج لے کر یا بخوشی رہنا دیا جائے کوئی بھی روایت ہو شہر بیت المقدس میں بارہ ہزار رومانی اور پچاس ہزار اصل باشندے موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ کل یونانی تین دن کے اندر شہر سے نکل جائیں اور شہر کے اصلی باشندے خراج ادا کریں چنانچہ ۵ دینار امراء پر چار دینار متوسط پر اور تین دینار ادنیٰ درجہ کے لوگوں پر فی کس سالانہ کے حساب سے یہ ٹیکس لگا دیا گیا۔ بوڑھے نابالغ اور عورتیں اس ٹیکس سے مستثنیٰ رکھے گئے ممتاز باشندگان شہر اور مسلمانوں کے درمیان فتح بیت المقدس کے بعد جو عہد نامہ تحریر پایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے

"یہ ایک تحریری اقرار ہے، منجانب عیسائی باشندگان بیت المقدس جو مرتب کی گئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کے نام"

جب آپ ہم پر غالب آئے ہم نے آپ کی اطاعت منظور کی اور ہم نے اپنے تئیں اپنے بچوں اپنے ہم مذہبوں اور اپنے مقبوضات کو آپ کے حوالے کر دیا۔ اور عہد کیا کہ چھوٹے بڑے گرجوں، خانقاہوں اور راہبوں کے حجروں میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہوگی نہ ان میں سکونت اختیار کی جائے گی نہ یہ ڈھائے جائیں گے۔ ان میں کوئی ایسا شخص، جو مسلمانوں کا مخالف ہو، رہ نہ سکے گا۔ ان میں مسلمان ہر وقت داخل ہو سکیں گے، مسافروں اور سیاحوں کے لیے ان کے دروازے کھلے رہیں گے۔ اگر کوئی مسلمان مسافر ان میں رہنا چاہے گا تو اسے تین دن بطور مہمان کے کھانا اور جگہ دیں گے۔ اسے اپنے گرجوں میں کسی راز کے معلوم کرنے سے نہیں روکیں گے اور اس سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ اسے اپنی کسی عبادت میں شریک نہیں کریں گے۔ کسی کو عیسائی مذہب کی دعوت نہیں دیں گے۔ نہ کسی طرح کا جبر کریں گے۔ اپنے کسی ہم مذہب کو اسلام قبول کرنے سے نہ روکیں گے، مسلمانوں کی ہر جگہ تعظیم کریں گے۔ لباس، عمامے، زین پوش، سر کی مانگ میں مسلمانوں سے مشابہت نہیں کریں گے ں کی زمین میں کچھ نہیں لکھیں گے نہ اپنے آپ کو ان کے خطابوں سے پکاریں گے۔ سواری میں گھوڑوں پر زین نہیں کسیں گے۔ اپنی تلواروں کو پیٹیوں کے ساتھ نہیں لٹکائیں گے۔ تیر کمان یا ہتھیار نہیں رکھیں گے۔ اپنی انگوٹھی پر عربی رسم الخط میں کچھ نہیں لکھوائیں گے۔ شراب نہیں بیچیں گے۔ کمر میں زیادہ چوڑا پٹکا استعمال نہیں کریں گے۔ اپنی عبادت گاہوں کے باہر صلیب نہیں لگائیں گے۔ شارع عام یا مسلمانوں کے راستوں میں یا ان کی کاروباری جگہوں میں اپنی صلیبوں کو نہیں دکھائیں گے۔ گھنٹے زور سے نہیں بجائیں گے۔ اپنے مردوں پر نوحہ نہیں کریں گے۔ مسلمانوں کی گزرگاہوں یا شارع عام میں چراغاں یا اسی قسم کی آرائش وغیرہ نہیں کریں گے، اپنی میتوں کو مسلمانوں کے قریب نہیں لے جائیں گے، غلام جو مسلمان ہو جائے گا اسے پھر اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔ اس کے گھر کی طرف نگاہ نہ کریں گے۔ اور ایلیا (بیت المقدس) میں ہمارے ساتھ یہودی نہیں رہنے پائیں گے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ کی تصدیق کرتے وقت حسب ذیل اضافہ فرمایا

ہم مسلمانوں میں سے کسی کو اذیت نہیں دیں گے۔ یہ ہم اپنی طرف سے اور اپنے ہم مذہبوں کی جانب سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرائط کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم ان میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اگر کریں تو ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہ کی جائے اور ہم اختیار دیتے ہیں کہ جو سخت سزا دیں۔ ہم اس کے سزاوار ہوں گے' اور اس کے بعد اپنی طرف سے لکھ۔

اور جو کچھ اس میں تحریر ہے اس پر خدا کا اور رسول خدا کا خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر لگائی۔ خالد بن ولید، عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف اور معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان نے دستخط کیے۔ اور یہ معاہدہ 15ھ (۶۳۶ء) میں لکھا گیا۔ بیت المقدس والوں کو اس صلح نامہ کی اطلاع ہوئی تو وہ حیران ہوئے اور انہوں نے خوشی سے جشن منایا، چنانچہ آپ شہر میں داخل ہوئے اور پادریوں اور عوام سے بے حد شفقت کا سلوک کیا۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیت المقدس کا عظیم شہر تھا۔ مسلمانوں کا پہلا قبلہ، عیسائیوں کے لیے حضرت عیسیٰ کی جائے ولادت، یہودیوں کے لیے ارض موعود، انبیاء و رسل کا شہر حضرت موسیٰ کلیم اللہ یہودیوں کو مصر سے نکال کر یہیں لائے تھے حضرت عیسیٰ کو صلیب کا واقعہ یہیں پیش آیا جس کی بنا پر کلیسائے قیامت تعمیر کیا گیا (یہ عیسائیوں کے عقیدہ پر ہے) محراب داؤد، صخرہ یعقوب، دیوار گریہ، ہیکل سلیمانی الغرض اس شہر کے در و دیوار پر روحانیت کی تاریخ نقش تھی، معراج پر آنحضرت ﷺ یہیں سے تشریف لے گئے تھے۔ اور یہیں آپ ﷺ کی امامت میں جلیل القدر امت میں جلیل القدر پیغمبروں نے نماز پڑھی۔ رسول خدا ﷺ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ پہلے مسلمان تھے جنہوں نے یہاں نماز کی امامت کرائی۔

صبح کے وقت پادری صفرونیوس، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہر کی سیر کرانے لے گئے۔ اس پادری نے بڑے جذب و شوق اور عقیدت کے ساتھ مسلمانوں کے خلیفہ کو شہر کے آثار دکھائے سیر کے دوران میں جب نماز کا وقت آیا تو آپ کلیسائے قیامہ میں تھے۔ پادری نے کہا یہ بھی ایک سجدہ گاہ خداوندی ہے، آپ یہاں نماز پڑھ لیں۔ لیکن آپ نے فرمایا۔ اگر میں نے یہاں نماز پڑھ

لی تو مسلمان بھی ایسا ہی کریں گے اور عیسائیوں کو گرجوں سے نکال دیں گے۔ آپ آگے بڑھے تو کلیسائے قسطنطین کے دروازے پر عیسائیوں نے نماز کے لیے چادر بچھا دی۔ ایک روایت ہے کہ آپ نے یہاں نماز پڑھ لی لیکن فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اسی وقت یہ فرمان لکھ کر پادری کے حوالے کیا کہ "مسلمان کبھی گرجوں کی دہلیز پر نماز نہ پڑھ سکیں گے" اور اسی انصاف پروری کے اعتراف میں کلیسا کے بالکل سامنے مسجد فاروق اس کی یادگار ہے۔ جسے عیسائیوں نے تعمیر کرایا تھا

تلاشِ مقدس مقام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مقدس شہر میں داخل ہوئے تو ان کا سب سے بڑا مقصد اس متبرک مقام کی دریافت تھی، جسے "الصخرہ" کہا جاتا ہے۔ جہاں سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ براق پر سوار ہو کر معراج کی شب آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے راہب صفرونیوس سے فرمایا کہ وہ ان کی رہبری کرے اور وہ مقدس جگہ دکھائے۔ راہب سب سے پہلے آپ کو کلیسائے نشور میں لے گیا اور کہا کہ یہی حضرت داؤد علیہ السلام کی مسجد ہے، آپ نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ کیونکہ خدا کے رسول حضرت محمد ﷺ نے مجھے جو جگہ بتائی ہے یہ اس کے مشابہ نہیں۔ پھر وہ کلیسائے صیہون میں لے گیا اور کہا کہ یہ حضرت داؤد کی مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے، اس طرح راہب آپ کو ہر گرجا میں لے گیا۔ آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ آخر کار راہب آپ کو اس دروازے سے لے گیا۔ جس کا نام باب محمد ہے۔ سیڑھیوں پر سے کوڑا کرکٹ صاف کرنے کے بعد وہ ایک تنگ راستے میں داخل ہوئے۔ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل چل کر وسطی چبوترے کے پاس آئے اور کھڑے ہوئے۔ الصخرہ کی جانب نگاہ اٹھائی۔ فرمایا قسم ہے اس خدائے بزرگ و برتر کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہی وہ جگہ ہے، جو اللہ کے رسول نے مجھے بتائی تھی۔ اس کے بعد آپ نے اس پر ایک مسجد تعمیر کیے جانے کا حکم دیا جسے ۶۹ھ میں عبدالملک نے از سرِ نو تعمیر کرایا اور یہی مسجد اقصیٰ کہلائی

تبصرہ او ملکی غفرسہ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر موحد و مسلم اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ نے بیت المقدس میں پہنچ کر فتح پانے کے بعد سب سے پہلے وہی نشان تلاش کیا جو حضور نبی پاک ﷺ

سے تعلق رکھتا تھا اور وہ نشان حضور نبی پاک ﷺ نے خود بتایا تھا۔ یہودی راہب نے اس کو چھپانے کی بڑی کوشش کی لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بالآخر اسے پا ہی لیا

انتباہ: اس سے ثابت ہوا کہ عاشقانِ رسول ﷺ محبوب ﷺ کا نشان جان کی بازی لگا کر ڈھونڈتے ہیں لیکن دشمنانِ رسول ﷺ اسے مٹانے کے درپے رہتے ہیں بلکہ عموماً انہیں ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ الحمد للہ اب بھی حق و باطل کا معیار اسی عمل کو بنایا جا سکتا ہے۔ اور اہل اسلام دیکھ لیں کہ تبرکات کے مٹانے کے درپے کون ہے اور انہیں جان سے عزیز رکھنے والے کون۔

اذانِ بلال رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی دن بیت المقدس میں قیام کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دینے کے لیے فرمایا۔ انہوں نے معذرت کی کہ میں عزم کر چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا، لیکن آج اور صرف آج آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا۔ اذان شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک یاد آگیا اور سب پر رقت طاری ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکی بندھ گئی اور دیر تک سب پر ایک کیفیت طاری رہی۔ اذان کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "اذانِ بلال" میں دیکھئے (ملنے کا پتہ قطب مدینہ پبلشرز رضویہ مسجد کھارادر کراچی)

سنگِ بنیاد مسجد عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مسجد عمر کی بنیاد رکھی تو فرمایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم مسلمان ہی صحیح وارث ہیں۔ وہ اس لیے کہ ہم ان سب کو مانتے ہیں اور بحیثیت انبیاء ان میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتے اور بلاشبہ مسلمانوں نے اسے تینوں مذاہب شہر کا درجہ دے دیا اور عیسائی ان کے پہلو بہ پہلو اس شہر میں مقیم رہے۔

روضۂ رسول ﷺ کی کعب الاحبار کو دعوت

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت المقدس سے صلح کی تو کعب احبار رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے

خوش ہو کر فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ چلو اور حضور نبی پاک ﷺ کے مزار اقدس کی زیارت سے فائدہ اٹھاؤ؟ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں۔ (زرقانی علی المواہب)

انتباہ: اس روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانے سے ہی مزار رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے اہل اسلام سفر کر کے حاضری دیتے رہے۔ صرف ابن تیمیہ نے اسکے خلاف آواز اٹھائی اور اس سفر زیارت مزار رسول اللہ ﷺ کو ناجائز اور حرام کہا اور اسے اپنے دور میں سزا ملی اور جیل میں ہی اسی جرم کی سزا میں موت کے گھاٹ اترا پھر آخرت کی سزا علاوہ ہوگی اب تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کا رسالہ "شرح حدیث لا تشد الرحال"۔

بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فتح عظیم کے بعد یہ شہر صدیوں تک مسلمان سلطنت کا حصہ بنا رہا۔ اس کے باوجود کہ القدس کبھی ولایت کا دار الحکومت بھی نہیں رہا اور یہ مرتبہ رام اللہ کو حاصل تھا۔ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی وجہ سے حجاز کے حرمین شریفین کے بعد مومنین صالحین کی نظر میں یہی مقدس بستی ہے۔ چنانچہ جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں خلافت قائم کر لی اور سرزمین حجاز ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گیا۔ تو اموی خلیفہ عبد الملک نے اس رشک کی بنا پر کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حرمین شریفین کی تولیت حاصل ہے۔ اس لحاظ سے اس کی عزت وعظمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بیت المقدس میں حرم سوم قبۃ الصخرہ پر توجہ دی اور مسجد اقصیٰ کو شاندار طریقے سے تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے تعمیراتی کاموں اور ذوق شوق کا ذکر تو مسجد اقصیٰ کے باب میں آئے گا۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس نے مسجد عمر کی تعمیر و تزئین کا کام سات سال میں مکمل کر لیا۔

دور بنو امیہ و بنو عباس میں بیت المقدس

اس سے قبل بھی جو فلسطین کے وہ لوگ جو ایام حج میں اپنی بے بضاعتی کی بنا پر مکہ و مدینہ میں نہیں جا سکتے تھے ان دنوں بیت المقدس میں جمع ہوتے اور قبۃ الصخرہ کی زیارت باعث عزت و تکریم جانتے تھے لیکن عبد الملک کے دور میں اس شہر کی عظمت و وقار میں مزید اضافہ ہوا اور وہ لوگ جو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور خلیفہ عبد الملک کی باہمی جنگوں کے خوف سے حرمین شریفین کے حج

کو نہ جا سکتے اسی طرف کا رخ کرنے لگے اگرچہ تاریخ نے ان برکات کا شمار نہیں کیا، جو اس شہر پر نازل ہوتی رہیں اور نہ ہی ان نعمتوں کو سمیٹا ہے، جو اسلامی دور میں اسے حاصل ہوئیں۔ البتہ اتنا ضرور بتایا ہے کہ اسلامی دور میں بیت المقدس، امن و امان اور علم و عرفان کا گہوارہ تھا۔ اور جب خلافت امیہ کا آفتاب روبہ زوال ہو کر ڈوب گیا اور اس کی جگہ عباسی خلفاء نے لی تو بیت المقدس بھی اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ عباسی خلفاء کی حاکمیت میں چلا گیا۔ عباسی خلفاء نے اس کی انتظامی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ یہ بدستور جند فلسطین میں شامل رہا۔ خلیفہ المہدی اور خلیفہ المامون نے اس شہر کی زیارت کے لیے سفر کیا۔ مورخین اس پر متفق ہیں کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے تصرف کو عیسائی کبھی برداشت نہ کر سکے، بلکہ وہ ہمیشہ تلملاتے رہے اور اسی تلملاہٹ میں ایشیائے کوچک (روم) کی عیسائی سلطنت کے حکمرانوں نے بار بار اسلامی سرحدوں پر حملے کیے۔ لیکن انہیں ہر بار منہ کی کھانی پڑی۔ عہد ہارون رشید میں جب نقفور نے ملکہ قسطنطنیہ ایرینی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ تو اس نے خلیفہ ہارون کو جنگ کا چیلنج دیتے ہوئے نہایت گستاخانہ خط دربار خلافت میں لکھا۔ جس کا جواب ہارون رشید نے ان الفاظ میں دیا۔

"اس کا جواب وہ ہے جو تو آنکھوں سے دیکھے گا نہ کہ کانوں سے سنے گا۔"

اور بلا شبہ ہارون نے نقفور کو شکست دے کر باجگزار بنا لیا۔ اسلامی سلطنت کی اسی عظمت و شوکت سے متاثر ہو کر مغربی رومی ممالک کے سربراہ شارلیمین شاہ فرانس نے ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور سفارت بھیجی۔ ہارون نے دوران جنگ بھی قدس میں عیسائی زائرین کی آمد پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ یہ سفراء بھی قدس گئے اور انہوں نے وہاں خیرات بانٹی۔ ان کی واپسی پر خلیفہ نے ان کے ہاتھ شاہ فرانس شارلیمین مقدس (HOLY SEPULCHER) اور کیلوری کی چابیاں بھیجیں یہ ۸۸۰ء کا واقعہ ہے۔

خلیفہ مامون کے عہد میں رومی فوجوں نے ایک بار پھر اسلامی سرحدوں پر یلغار کر دی اور طرطوس اور مصیصہ پر قبضہ کر کے ۱۶۰۰ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ خلیفہ مامون لشکر جرار کے ساتھ بڑھا اور رومیوں کو زبردست شکست دی پھر ان کے تعاقب کا حکم اپنے بھائی معتصم کو دے کر خود بغداد لوٹ گیا

ابوحرب کی بغاوت

خلیفہ معتصم کے عہد میں ابوحرب مدعی یمانی نے بغاوت کر کے جند فلسطین پر قبضہ کر لیا لیکن اس کی بغاوت کو رجاء بن ایوب نے جلدی فرو کر دیا۔ ابوحرب کی بغاوت کا قصہ یہ ہے کہ ایک ترک سپاہی نے اس کے گھر میں ٹھہرنا چاہا۔ وہ اس وقت موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے سپاہی کو اندر آنے سے روکا۔ اس نے اس عورت کو کوڑا مارا۔ جب ابوحرب گھر آیا تو بیوی نے اس سے کیفیت بیان کی۔ اور کوڑے کی ضرب کا نشان دکھایا۔ وہ اشتعال میں تلوار لے کر اس سپاہی کی طرف بڑھا اور اس کو قتل کر کے روپوش ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک لشکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور فلسطین پر قبضہ کر لیا۔

خلیفہ معتصم کی فتح

خلیفہ معتصم کے دور ہی میں قیصر روم توفیل نے اسلامی سرحدوں پر حملہ کیا اور زبطرہ پر قبضہ کر کے قتل و غارت کی اور ایک ہزار عورتوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ خلیفہ معتصم کو جب یہ خبر ملی وہ کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت نفیر عام کا حکم دیا اور ایک عظیم لشکر کے ساتھ روم پر حملہ آور ہوا۔ اور توفیل کے پیدائشی شہر عموریہ تک جا پہنچا۔ اور سخت جدال و قتال کیا۔ اس فتح کی خوشی میں معتصم نے واپسی پر سامرا میں جشن منایا۔

زوال خلافت عباسیہ

رومی خلیفہ معتصم کے بعد بھی اسلامی سرحدوں پر یلغار کرتے رہے۔ لیکن انہیں کبھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ بہت معتصم کے جانشین موفق کے ساتھ ہی سلطنت عباسیہ روبہ زوال ہو گئی۔ چنانچہ خلیفہ معتمد کے عہد میں ہرات سے لے کر فارس تک صفاریہ اور ماوراء النہر سے فارس تک بنی سامان خود مختار ہو گئے۔ اور مصر میں ۲۶۴ھ ۸۶۸ء کو احمد بن طولون نے خود مختاری کا اعلان کر کے فلسطین کو بھی اپنے دائرہ حکومت میں شامل کر لیا۔ اور اس طرح بیت المقدس طولونیہ خاندان کی سلطنت کا حصہ بنا۔ احمد بن طولون نے نہ صرف رومی حملوں کو روکا بلکہ ان کے ملک میں داخل ہو کر عیسائی شہروں کو تاخت و تاراج کیا۔ طولونیہ خاندان کو خلیفہ معتضد کے دور میں بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ رومی خمارویہ بن احمد بن طولون کے ڈر سے اسلامی سرحد میں قدم نہ رکھتے تھے۔ خلیفہ المکتفی کے دور میں خلافت عباسیہ کی روح بالکل ختم ہو گئی۔ اور امراء امت کی مصلحتوں سے بے خبر ہو

کر ذاتی اغراض کے لیے لڑنے لگے۔ ادھر شیبان بن احمد بن طولون کی موت کے ساتھ ہی دولت طولونیہ کمزور ہو گئی۔ اور اس کی جگہ دولت اخشیدیہ نے لے لی۔ جس نے بیت المقدس کو اپنے دائرہ اختیار میں شامل کر لیا۔ خلیفہ مقتدر کے عہد میں رومیوں نے اسلامی سرحد کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد ڈھانے شروع کر دیے۔ لیکن خلیفہ کے غلام نے انہیں پسپا کر دیا اور آمد و عموریہ تک پیچھے کر ان کو مارا۔

فاطمی دور

الراضی کے بعد خلافت عباسیہ کا رہا سہا وقار بھی ختم ہو گیا۔ ۳۳۰ھ میں مصر کی اخشیدی امارت کی جگہ فاطمیوں نے لے لی۔ خلیفہ مطیع (۳۳۴ تا ۳۶۳ھ) کے عہد میں اسلامی سرحدات پر رومیوں کے حملوں میں زبردست اضافہ ہوا اور رومیوں نے اسلامی علاقوں کے اندر گھس کر مسلمانوں کو تہ تیغ کیا، مسجدیں جلا ڈالیں۔ عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ مسلمان وزراء اور امراء یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے لیکن ان کا ضمیر مردہ اور غیرت ختم تھی۔ وہ ذاتی اغراض کے لیے باہم زد بہ پیکار تھے۔ دشمن کی مدافعت کی طرف کوئی توجہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ جب امام ابو بکر محمد بن اسمٰعیل بن قفال مروزی شافعی نے بیس ہزار مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کا مقابلہ کرنا چاہا تو رکن الدولہ دیلمی نے ورغلا کر انہیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ اسی دوران میں (۹۶۸ء) فاطمی خلیفہ معز نے اخشیدیہ حکمران کو شکست دے کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک بیت المقدس فاطمیوں کے قبضہ میں رہا۔ لیکن ۴۱۲ھ میں تین عرب سرداروں نے فاطمیوں کو شام سے نکال باہر کیا اور رملہ سے مصر تک حسان، امیر اور بنی طے حکمران ہوئے۔ لیکن دوسرے ہی سال فاطمی پھر قابض ہو گئے۔ عرب امراء کے باہمی مناقشات اور عیسائی حملہ آوروں کے ظلم و تشدد کے باوجود بیت المقدس عیسائی زائرین کے لیے کھلا رہا۔ چنانچہ ۱۰۳۵ء میں رابرٹ شاہ نارمنڈی (فرانس) ۱۰۵۴ء میں کمبرائے فرانس کے شاہ تھرٹ ۱۰۶۵ء میں جرمنی کے شہیوں نے قدس کا حج کیا۔ اور عیسائی ان مراعات اور حکمران طبقہ کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے کہ اسی دور میں آل سلجوق نے زور پکڑا اور رومیوں کی خون ریزی کا بدلہ چکانے کے لیے ملک شاہ سلجوقی نے پہلے تو بیت المقدس کے دفاعی استحکامات مضبوط کیے۔ ۴۶۷ھ بمطابق

ہوگئے۔ وہ واقعہ ہے پھر اتنا کیسے قسطنطنیہ تک رومیوں کو پسپا کرتا چلا گیا۔ ان کے ملک میں مختلف مقامات پر تقریباً پچاس منبر قائم کئے۔ آخر قیصر روم نے ایک ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کی۔ ان تمام فتوحات میں ایک دو سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ بلکہ شاہ کے عہد میں ہی بیت المقدس کی شان و شوکت بحال ہوگئی۔ لیکن ۱۰۸۴ء میں ترکمان سردار ارتق بغاوت کر کے فلسطین پر قابض ہو گیا اور بیت المقدس بھی اس کے زیر اقتدار آگیا مگر ارتق کی بغاوت چند ہفتوں بعد دبا دی گئی۔

فائدہ: عباسی امراء کے ان باہمی مناقشات نے بیت المقدس کی شہری اور تمدنی خوش زندگی پر کوئی ناخوش گوار اثر نہیں ڈالا۔ اصطخری اور ابن حوقل (دسویں صدی عیسوی) نے لکھا ہے کہ یہ جگہ سارے فلسطین میں سب سے زیادہ سرسبز ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اسی شہر کا باشندہ تھا۔ اس نے فاطمی خلیفہ العزیز کے عہد ۹۸۵ء میں بیت المقدس کے حالات قلم بند کئے ہیں، وہ لکھتا ہے

بیت المقدس بہت بڑا شہر ہے

بیت المقدس ایلیا اور بلاط کے نام سے بھی مشہور ہے، ولایت میں اس سے بڑا شہر کوئی نہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض دارالملک بھی اس سے چھوٹے ہیں۔ یہاں گرمی سردی کی شدت نہیں ہوتی اور برف شاذ و نادر ہی گرتی ہے۔ قاضی حرمین شریفین، مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے فرزند قاضی ابو القاسم نے مجھ سے ایک مرتبہ بیت المقدس کی آب و ہوا کا حال دریافت کیا میں نے جواب دیا۔

وہ بین بین ہے، یعنی نہ بہت گرم نہ بہت سرد۔ اس نے کہا۔ هذا صفة الجنة بیت المقدس کی عمارتیں پتھر کی ہیں۔ اور اتنی مضبوط عمارات کہیں دیکھنے میں نہ آئیں گی۔ ایسے پاک دامن لوگ بھی آپ کو کہیں نہ ملیں گے۔ جیسے بیت المقدس کے ہوتے ہیں یہاں اجناس خوردنی بہت عمدہ ہوتی ہیں، منڈیاں پاک صاف رہتی ہیں۔ یہاں کی مسجد سب سے بڑی ہے۔ اور اس سے زیادہ تعداد میں مقدس مقامات کہیں نہیں۔ انگوروں کی کثرت ہے اور بیت المقدس کی مثل یہ کہیں نہیں ہوتا بیت المقدس میں حاذق طبیب اور حکماء کا اجتماع ہے اس لیے ہر شخص اس کی طرف کھنچتا ہے۔ سال کے کسی زمانے میں بھی اس کے کوچہ و بازار مسافروں سے خالی نہیں رہتے۔ اس کے سب شہروں میں ممتاز و بہتر ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اس شہر میں دنیا و آخرت کی خوبیاں جمع ہیں۔ اللہ نے دیا،

جو آخرت کے بھی مشتاق ہیں اس شہر میں اپنی اجناس کی منڈی پائیں گے اور اسی طرح ارباب آخرت جنہیں اس دنیا کی نعمت بھی مطلوب ہے ان کو دونوں باتیں یہاں میسر آئیں گی۔ رہا اس مقدس شہر کا اللہ کی نعمتوں سے سب شہروں میں زیادہ بہرہ ور ہونا تو حق یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اس شہر میں پست و بلند میدان و کوہستان غرض ہر طرح کی زمین کے اور بالکل متضاد قسم کے میوے جمع کر دیئے ہیں مثلاً نارنگی اور بادام، کھجور اور جوز، انجیر اور موز وغیرہا۔ اس کے علاوہ دودھ، شہد اور شکر کی فراوانی ہے۔

بیت المقدس میں کوئی خرابی نہیں، شراب عام طور پر نہیں پی جاتی۔ نہ بدمستی اور مدہوشی نظر آتی ہے۔ شہر میں خفیہ و اعلانیہ قحبہ خانے نہیں ہیں۔ لوگ اپنے تقویٰ اور خلوص میں امتیاز رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ جب خبر ہوئی کہ والئ شہر نے شراب پی ہے تو لوگوں نے اس کے گھر کے گرد دیوار بنا دی کہ لوگ اس کی دعوتوں میں نہ جانے پائیں۔

لیکن مقدسی شہر میں یہود و نصاریٰ کے غلبے کی شکایت بھی کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ وہ عام مقدسات پر بیہودگیاں کرتے ہیں۔

آگے چل کر مقدسی حواشی شہر کی نسبت لکھتا ہے کہ بیت المقدس کے گرد چالیس میل کے نصف قطر میں جتنا علاقہ ہے وہ سب اس شہر کی حدود میں داخل ہے۔ اور اس میں بہت سے گاؤں ہیں۔

پھر لکھتا ہے: یہ زمین ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بابرکت بنایا ہے، یہاں کی پہاڑیوں پر، نیز میدانوں میں درختوں کی کثرت ہے، کسی آب رسانی یا نہری پانی کی ضرورت نہیں۔ گرمیوں میں جس وقت جنوبی ہوا چلتی ہے تو ہر شب کو اس شدت سے اوس پڑتی ہے کہ مسجد اقصیٰ کی موریوں میں پانی آ جاتا ہے۔ مقدسی کے اس بیان کی تصدیق سٹنٹ ہیم کے ارض مقدس اور بائیبل میں کرتا ہے کہ فلسطین میں صاف و روشن مطلع دن کی گرمی کو بہت جلد فضا میں منتشر کر دیتا ہے جس کے باعث وہاں کی راتیں اتنی ہی سرد ہیں جتنے کہ دن گرم ہوتے ہیں۔ ہوائے شب کی یہی برودت آب رسانی کا وہ کام کرتی ہے جس کے بغیر نباتات کی زندگی ناممکن ہے۔ ہواؤں کی تمام رطوبت ملک پر سے گزرتے وقت یہیں کھنچ جاتی ہے۔ اور فضا کی برودت اسے قطرات آب کی شکل میں بدل دیتی ہے جو کہ ہر بار کا باران رحمت بن کر ہر سوکھے پتے تک کو بھی پہنچاتے ہیں

سیاح کا آنکھوں دیکھا حال

ایرانی سیاح ناصر خسرو ۱۰۴۷ء میں اس شہر میں آیا۔ اس نے اپنا آنکھوں دیکھا حال لکھا کہ شام اور نواحی ملک کے باشندے بیت المقدس کو "القدس" کہتے ہیں اور ان دیہات کے رہنے والے جو بیت اللہ کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو انہیں مقررہ ایام میں بیت المقدس آتے اور شعائر مذہبی بجا لاتے ہیں۔ اسی جگہ حج کے دن قربانی کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض سالوں میں ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں یہاں بیس ہزار تک اشخاص جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ ختنہ کی رسم ادا کرنے کے لئے وہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ لاتے ہیں۔ نیز یونانیوں کے علاوہ اور دوسرے ملکوں سے یہود و نصاریٰ بھی بڑی تعداد میں یروشلم آتے ہیں۔

بیت المقدس کا گرد و نواح

بیت المقدس کے گرد کی اراضی اور مواضع پہاڑ ڈھلوانوں پر واقع ہیں۔ زمین اچھی مزروعہ ہے۔ گیہوں، زیتون، اور انجیر کی کاشت ہوتی ہے۔ اور بھی بہت قسم کے درخت پائے جاتے ہیں۔ آس پاس کوئی چشمہ نہیں جس سے آبپاشی کی جائے مگر اس پر بھی پیداوار بہت ہے اور نرخ معتدل ہیں۔ اکثر ممتاز اشخاص کی زمینوں میں تعداد کثیر میں یعنی پچاس ہزار من (یعنی ساڑھے سولہ ہزار گیلن) روغن زیتون نکلتا ہے عام لوگوں کا قول ہے کہ یروشلم میں قحط کبھی نہیں پڑتا۔

یروشلم بڑا شہر ہے اور میری سیاحت کے زمانے میں یہاں مردوں کا شمار بیس ہزار ہے۔

ایک یورپی کا بیان

بعض یورپی مورخین کا بیان ہے کہ ۹۸۶ء میں پوپ سلوسٹر بیت المقدس کی زیارت کو گیا تھا اس نے واپس جا کر شہر مقدس کے عیسائیوں پر ظلم و ستم کی فرضی داستانیں بیان کیں۔ جس کے نتیجے میں فرانس واٹلی کے اسلحہ بند گروہ زیارت کے بہانے آتے اور سواحل شام و مصر پر لوٹ مار کر کے لوٹ جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک شام و مصر میں آباد عیسائیوں پر سختی کی جانے لگی۔ فاطمی خلفاء نے انہیں اپنے مذہب کی پیروی سے روک دیا اور ان کے گرجا چھین لیے۔ لیکن اس کے باوجود بھی فرانس واٹلی اسلحہ بند گروہوں اور مقامی عیسائیوں کی شرارتوں میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ تو ۱۰۰۹ء میں فاطمی خلیفہ الحاکم بامراللہ کے حکم سے مرقد مسیح (جو عیسائیوں کے خیال پر قبر مسیح تھی) وہ عیسیٰ علیہ

اسلام تو بعقیدہ اہل اسلام تاحال زندہ و آسمان پر ہیں (اور یہی مقبرہ) کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا گیا اور دوسری زیارتیں تباہ ہو گئیں تا کہ نہ زیارتیں ہوں گی اور نہ عیسائی اس بہانے ملک شام و مصر میں داخل ہو سکیں گے

یہی مورخین بیان کرتے ہیں کہ اس حادثہ کو چالیس سال بیت گئے اور مصری خلفاء کو یقین دلا دیا گیا کہ اب عیسائی فساد نہ مچائیں گے تو الحاکم کے پوتے المستنصر باللہ نے ۱۰۲۸ء میں مرقد مسیح دوبارہ تعمیر کرا دیا، جو پہلے سے زیادہ خوبصورت اور عظیم تھا۔ ان میں سے بعض کی نظر میں خلیفہ المستنصر باللہ نے یہ اقدام اس لیے کیا کہ قسطنطنیہ کے یونانی عیسائی بادشاہ اور المستنصر کے درمیان معاہدہ دوستانہ طے پا گیا اور بعض یہ بھی لکھتے ہیں کہ خلیفہ کی ماں ایک خوش عقیدہ عیسائی تھی۔ وجہ کوئی ہو اتنا واضح ہے کہ کلیسائے مقدس کو تباہ کرنے کا اقدام مصر کے شیعہ خلفاء نے انتہائی مجبوری اور غم و غصہ کے عالم میں کیا تھا۔ اور جب انہیں یقین دلا دیا گیا کہ اب عیسائی پر امن رہیں گے۔ انہوں نے نہ صرف عیسائیوں پر لگائی ہوئی پابندیاں ختم کر دیں بلکہ عیسائیوں کے تمام مقدس مقامات، سرکاری اخراجات پر بحال کیے اور خود عیسائی مورخین معترف ہیں کہ اس کے بعد القدس آنے والے عیسائی زائرین کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا۔

بنو فاطمہ حکومت کا زوال

بنو فاطمہ کمزور و مضمحل ہو گئے اور ترکان آل سلجوق پر قدرت مہربان ہوئی۔ تو ۱۰۷۱ء میں سلجوقی سالار نصر خوارزمی نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے فاطمی خلیفہ کے بجائے عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ کا خطبہ پڑھا۔ لیکن جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا ہے۔ یہ دور انتشار و بدامنی کا دور تھا۔ عیسائی بار بار حملے کرتے اور پسپا ہو جاتے اور ان کے یہ حملے دراصل بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی خواہش کا نتیجہ تھے۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

یہ تاریخ کا باب، خونچکاں اور دردناک ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب عباسی خلافت کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور سلجوقی ترکمان باہم الجھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی مرکزیت انتشار کا شکار تھی۔ عیسائیوں کے شرقی و غربی کلیسا متحد ہو رہے تھے تا کہ بیت المقدس کو ناپاک مسلمانوں سے نجات دلائی جائے اور بالآخر وہ اس میں کامیاب ہو گئے

عیسائی مورخین محاربات جدال و صلیب کے آغاز کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ سلجوقیوں نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو عیسائیوں کے لیے حج مشکل اور خطرناک ہو گیا۔ اسی دوران میں پطرس راہب (پیٹر دی ہرمٹ) ارید رت کو گیا۔ جس نے جاتے ہی مسیحی دنیا میں ہل چل مچا دی۔ اس نے پوپ اربن ثانی سے حکمرانوں اور سرداروں کے نام خطوط لکھوائے اور خود ۱۰۹۵ء میں گدھے پر فرانس اور جرمنی کا دورہ کیا۔ وہ شہر بشہر اور قریہ قریہ پھرا۔ لکڑی کی صلیب ایک علم کی طرح اس کے کندھے پر ہوتی۔ اور وہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔ اور جہاد مسیح کے نعرے لگاتا۔ جس کے نتیجے میں سارے یورپ میں تلاطم برپا ہو گیا اور وہ بھر کر بیت المقدس پر ٹوٹ پڑا اور بیت المقدس کو عربوں سے چھین لیا۔ لیکن یہ عیسائی مورخین آل سلجوق کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کر سکے کہ اس زمانے میں عیسائی اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے تھے۔ ان کے معاشرے میں مجرموں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ پادری کلیسا کے منبر پر چڑھ کر دعا دیتے کہ جو بھی مجرم ہے، بیت المقدس جا کر گناہوں کی معافی مانگے تو اسے جنت مل سکتی ہے۔ عیسائی مورخین کا یہ اعتراف عرب مورخین کے اس موقف کی تائید کرتا ہے کہ عیسائی زائرین کے گروہ زیادہ تر مجرموں پر مشتمل ہوتے تھے جن کی رگ رگ میں خباثت بھری ہوتی تھی۔ ایسے زائرین کی تعداد میں اضافہ ہوا تو سلجوقی ترکوں نے ان کے بغیر اجازت آنے پر پابندی لگا دی اور حکم دیا کہ زائرین ڈھول، تاشے اور باجے گاجے ساتھ لے کر شور مچاتے ہوئے آنے کی بجائے عاجزی اور انکساری کا مجسمہ بن کر شہر مقدس کے اندر قدم رکھیں۔

راہب نیم پاگل تھا

راہب پیٹر دی ہرمٹ نیم پاگل تھا جو اپنی بیوی کے جھگڑوں سے تنگ آ کر اس سے بچ نکلنے کے لیے راہب بنا تھا۔ اس نے پورے یورپ کو ارض مقدس پر حملے کے لیے اکسانے کا منصوبہ بنایا اور اس طرح اپنے لیے ولی اللہ کا مقام پیدا کر لیا۔ عرب مورخین کے نزدیک صلیبیوں نے سلجوقی خاندان کے مظالم کی جھوٹی داستانیں بھی بیان کی ہیں وہ محض افسانے ہیں اور خود بعض مغربی مورخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آل سلجوق نے ایشیائے کوچک کی عیسائی سلطنت کے سرحدی حملوں سے تنگ آ کر جو جوابی کاروائیاں کیں۔ اس نے عیسائیوں کے دلوں پر گہرے

زخم لگائے تھے۔ سلجوقی ترک جنگ جو تھے ۔ وسط ایشیا سے گھوڑ بن کر آتے اور آندھی بن کر دوسرے ملک پر چھا گئے۔ سلطان الپ ارسلان اور اس کے بیٹے ملک شاہ نے ایشیائے کوچک سے رومیوں کا تسلط قریب قریب ختم کر دیا تھا ۔ اور رومی شہنشاہ الیکسس اپنی ذلت و شکست کا بدلہ لینے کے لئے سوچ بچار کر رہا تھا کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے ملک شاہ کو مسلمانوں سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا ۔ اور سلجوقی سلطنت ملک شاہ کے جانشینوں کی بدولت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ۔ رومی شہنشاہ نے موقع غنیمت جانا اور پطرس راہب کی زبانی یورپ کے جنگ بازوں کے نام پیغام بھیجا ۔ اس نے یورپ کے سامنے فرقہ وارانہ مذہب کے نام پر ارض مقدس اور آثار مسیح کی حفاظت کے لیے برانگیختہ کیا ۔ اس نے مسلمانوں کی تصویر ان الفاظ میں پیش کی کہ ان کا مقصد عیسائی مذہب کو مٹانا ہے ۔ پوپ نے پیسنا اور کلیر مونٹ میں یکے بعد دیگرے دو اجلاس منعقد کئے ۔ جن میں پطرس بھی شامل تھا ۔ اس کی پیش گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں سے متاثر ہو کر تمام حاضرین نے شانوں پر کپڑے کی بنی ہوئی صلیب لگوائی ۔ اور خدا کی مرضی یہی ہے پکارتے ہوئے بیت المقدس کو چھڑانے کی قسم کھالی ۔ روانگی ۱۰۹۶ء میں اس دن قرار پائی ۔ جس دن عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت مریم آسمان پر تشریف لے گئی تھیں ۔

اس کے بعد تمام یورپ میں صلیب کی گونج ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجنے لگی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عیسائی دنیا جنون میں مبتلا ہو گئی ہے ۔ جنت کی خوشخبری حصول مال کا لالچ، زرخیز زمینوں پر قبضہ کا تصور ان محرکات نے عیسائیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف غیض و غضب بھر دیا ۔ راہب اس موقع کو غنیمت جان رہے تھے کیونکہ انہیں سخت کیش خانقاہی زندگی سے نجات مل رہی تھی ۔ وہ بڑھ چڑھ کر مذہب کا نام لیتے تھے اور لوگوں کو طرح طرح کا لالچ دیتے ۔ کوئی شخص جب صلیب پہن لیتا تو وہ سب قرضوں اور ٹیکسوں سے بری کر دیا جاتا اور عیسائیت کا محافظ قرار پاتا ۔ عیسائی مورخین معترف ہیں کہ محاربہ صلیبی کا جنون صرف یورپ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ دور دراز جزیروں تک پہنچا ۔ راہب میوا کس لکھتا ہے کہ ویلز کے لوگ شکار چھوڑ کر گھر سے چل دئیے ۔ ڈنمارک کے لوگوں نے شراب و کباب درمیان ہی میں چھوڑ دیئے ۔ اہل ناروے اور مچھلیوں کو چھوڑ کر جہاد صلیبی کے لئے کمر بستہ ہو گئے ۔ اور ایک دوسرا مورخ رقمطراز ہے، کون ان

بچوں، کمزوروں اور بیماروں کا شمار کرے گا۔ جو یہ پکارتے ہوئے صلیبی محاربین میں مل گئے کہ اے نوجوان سپاہیو! تم تو اپنے نیزوں سے شکست دو گے ہمیں اپنے دکھوں سے فتح میں شریک ہونے کا موقع دو۔ چنانچہ تیرہ لاکھ فوج فلسطین پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہوئی۔ اس جم غفیر کا سردار پطرس راہب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا یورپ ایشیا پر چڑھ دوڑا ہے۔ راستے میں ان محاربین نے ہنگری اور بلغاریہ میں وہ لوٹ مار مچائی کہ الامان۔ قسطنطین کی بیٹی کے بقول جو بچہ بھی ان کے سامنے آتا یہ اس کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔ نتیجتاً مقامی باشندوں کے ساتھ لڑائیاں ہوئیں۔ بقیۃ السیف بھاگ کر قسطنطنیہ پہنچے۔ قیصر الیکسس نے انہیں ایشیائے کوچک میں دھکیل دیا۔ یہاں ان کی درندگی اور بڑھ گئی۔ لیکن قلیج ارسلان سلجوقی والی قونیہ نے ان کی وحشت کا پورا انتقام لیا اور ان کی پوری فوج جانوروں کی طرح قتل ہو کر برباد ہو گئی۔

قونیہ کا محاصرہ

دریں اثناء اگست ۱۰۹۶ء کو یورپی حکومتوں کی باقاعدہ افواج ساحل ایشیا پر اتریں۔ ان میں فرانس، برطانیہ، اٹلی، سسلی اور جرمنی کی فوجیں شامل تھیں۔ ان کی قیادت یورپ کے جری، گاڈفری، ریمس بوہمنڈ، ہیوس اعظم، ریمنڈ کاؤنٹ تولوز، رابرٹ امیر نارمنڈی، ہیوگو آف ریمنڈا جیسے سالار کر رہے تھے۔ افواج کی تعداد دس لاکھ سے کم نہ تھی۔ صلیبی محاربین نے قونیہ کا محاصرہ کر لیا اور سلطان امیر ارسلان ایک خوفناک معرکہ کے بعد شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد صلیبی محاربین انطاکیہ کی طرف بڑھے اور دمشقی النسل امیر فیروز کی غداری نے انہیں انطاکیہ میں داخلے کا راستہ دے دیا۔ صلیبی فوجیں رات کو شہر میں داخل ہوئیں اور ساری مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر کے ان کے مکانات مسمار کر دیے۔ عیسائی مورخین کے بیان کے مطابق مسلمان مقتولین کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی۔ اس کے بعد عیسائی فوجیں معرۃ النعمان کی طرف بڑھیں اور اسے فتح کر کے تین دن تک قتل عام کرتی رہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل اور اسی قدر زندہ گرفتار کیے گئے۔ عین اسی مرحلہ میں فاطمی خلافت مصر نے ترکوں کو کمزور پا کر ارض فلسطین پر قبضہ کرنے کی ٹھانی اور فاطمی خلیفہ مستعلی کے سپہ سالار افضل بن بدر جمالی نے القدس پر چڑھائی کر دی۔ چالیس روز کے محاصرہ کے بعد شعبان ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۶ء کو شہر فاطمیوں کے قبضے میں آ گیا اور

افتخار الدولہ حاکم ہوا لیکن تین سال بعد صلیبیوں نے قدس کا محاصرہ کر لیا۔ صلیبی چالیس ہزار اور مصری فوج صرف ایک ہزار تھی۔ اسے مصر سے کمک پہنچی نہ ہی عباسی خلیفہ المستظہر باللہ کوئی امداد کر سکا۔ نتیجتاً چالیس روز کے بعد ۲۳ شعبان ۴۹۲ھ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو صلیبی کوہ صیہون کی طرف سے شہر میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ میں پناہ لی لیکن عیسائیوں نے شہر میں قتل و غارت کے بعد مسجد کا رخ کیا اور بچوں، بوڑھوں، جوانوں سب کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کیا۔ ایک گروہ محراب داؤد میں جا پہنچا لیکن جس وقت نصرانی بیت المقدس کی شمالی دیوار توڑ کر اندر آ گئے تو ایک قیامت برپا ہو گئی۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے گئے۔ بچوں کو اٹھا اٹھا کر صلیبوں پر چنا گیا۔ علمائے کرام کو قتل اور ربط چھڑک کر جلا دیا گیا۔ مسجد اقصیٰ اور محراب داؤد میں شہدا کی تعداد سات ہزار سے زیادہ تھی۔ مشرقی و مغربی مورخین متفقہ طور پر مسلمان مقتولین کی مجموعی تعداد ستر ہزار بتاتے ہیں۔ قدس کے گلی کوچوں کے علاوہ ویرانوں اور کھنڈروں میں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسجد اور اس کے صحن میں مقتولین کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں کو پہنچتا تھا۔ اس غارت گری کے تیسرے دن بعد مسلمان قیدی بھی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ یہودیوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ خود کو جنازوں اور مکانوں کی چھتوں سے گرا کر ہلاک کر ڈالیں۔ مشہور یورپی مورخ سٹینلے لین پول لکھتا ہے کہ صلیبی بیت المقدس میں اس طرح گھسے جیسے کہ کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکے۔ ایک اور عیسائی مورخ رقمطراز ہے

بیت المقدس میں قاتلانہ حملہ پر صلیبیوں نے ایسا قتل عام کیا کہ ان صلیبیوں کے جو مسجد عمر میں سوار ہو کر گئے تھے۔ گھوڑوں کے گھٹنے خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بچوں کو ٹانگوں سے پکڑ کر دیواروں پر دے مارا گیا یا ان کو گھما کر فصیل سے پھینک دیا گیا۔ دوسرے دن ان لرزہ خیز مظالم کا وسیع پیمانے پر اور جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا۔ ٹینکرڈ نے تین سو قیدیوں کو جان کی امان دی تھی۔ وہ چیختا رہا لیکن اس کی چیخ و پکار کسی نے نہ سنی اور سب کو قتل کر دیا گیا۔ پھر ایک بدمست قتل عام شروع ہوا۔ عورتوں، بچوں، مردوں اور بوڑھوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔

شیخ سعدی شیرازی نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جو عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوئے انہیں انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے

عینی شاہد رابرٹ کے حوالے سے لیبان نے لکھا ہے

ہمارے لوگ صلیبی راستوں میں اور مکانوں کی چھتوں پر دوڑ رہے تھے اور اس شیرنی کی طرح جس کے بچے چھین لیے گئے ہوں قتل عام کے مزے لے رہے تھے یہ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے اور کسی شخص کو بھی نہ چھوڑتے جلد فراغت حاصل کرنے کی غرض سے ایک ہی رسی میں کئی کئی آدمیوں کو لٹکا دیتے تھے۔

ایک دوسرے عینی شاہد ریمنڈ واڈیل پوئی کے تمیں بیان کرتا ہے کہ

بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں ہاتھوں اور رانوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا۔ ہیکل سلیمانی، مسجد عمر میں اس قدر خون بھرا تھا کہ اس کے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں۔ کسی کا ہاتھ کسی کا پیر کسی کا دھڑ بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا مشکل تھا۔ صلیبیوں نے اس قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی جس میں قرار دیا کہ کل باشندگان بیت المقدس کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ یہ قتل عام کا بازار باوجود حامیان دین عیسوی کی مستعدی کے آٹھ روز تک گرم رہا۔ عورتیں، بچے بوڑھے سب مارے گئے کوئی شخص زندہ نہ رہا۔

مسجد عمر سے چاندی کی چالیس بڑی قندیلیں (جن کا وزن ایک سو رطل شامی) اور دو سو چھوٹی قندیلیں لوٹی گئیں۔ مسجد سے کا مال غنیمت اس قدر تھا کہ چھکڑا گاڑیاں بھی بھری جائیں تو ختم نہ ہوتا۔

اس قتل عام کی اطلاع بغداد پہنچی تو گریہ کناں اہل بغداد سیاہ لباس پہن کر گلیوں میں نکل آئے۔ وہ دہائی دے رہے تھے آہ القدس میں تقدیر الٰہی نازل ہوئی۔

خلیفہ مستظہر نے فوج بھیجی جو بغیر میدان سے پلٹ گئی مصر سے الافضل بن امیر الجیوش کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا لیکن وہ بھی شکست کھا گیا یہ مصری لشکر نا تجربہ کار اور عام آدمیوں پر مشتمل تھا دشمن نے جب حملہ کیا تو وہ بے جان کھڑا رہا اور دشمن نے آسانی سے اسے قید کر لیا صرف چند فوجی واپس جا سکے

عیسائیوں کی حکومت

بہرحال اس المناک واقعہ کے بعد عیسائیوں نے انطاکیہ، رہا، طرابلس اور بیت المقدس میں چار سلطنتیں قائم کر لیں۔ ان کا سردار اعلیٰ گاڈفری بیت المقدس کا والی ہوا اس نے اپنے لیے محافظ قبر مسیح کا لقب پسند کیا اور تھوڑے دنوں بعد ۱۸ جولائی ۱۱۰۰ء میں مر گیا۔ اس کا بھائی بالڈوین رہا سے آ کر جانشین ہوا اور اپنی جگہ اپنے بھتیجے بالڈوین دی بورگ کو چھوڑ آیا جسے عربی تاریخ میں بردویل لکھا جاتا ہے۔ عماد الدین زنگی کا بیت المقدس پر قبضہ کر لینے کے بعد بھی عیسائیوں کے لشکر مسلسل چلے آتے تھے لیکن مسلمان صلیبیوں کے مقابلے میں کوئی متحدہ محاذ قائم نہ کر سکے۔ عباسی خلیفہ برائے نام تھا۔ سلجوق بے جان ہو چکے تھے۔ اور فاطمی خلافت بھی دم توڑ رہی تھی۔ سارے عرب میں بے شمار خود مختار مسلم ریاستیں قائم تھیں، جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق اور ربط نہ تھا۔ اگر تھا تو فقط اتنا کہ وہ اپنے اقتدار کو وسیع اور مستحکم کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائیوں نے جن علاقوں پر قبضہ کیا۔ مسلمانوں سے خالی کرا لیا اور وہ پہاڑوں اور ریگ زاروں میں منتشر ہو گئے۔ لیکن بیرن ہڈیم کے الفاظ میں مصائب کے اس اندھیرے میں بھی مسلمانوں کا یہاں عقیدہ چٹان کی طرح مضبوط رہا انہیں یقین تھا کہ موجوں کی طوفان انگیزی عارضی ہے۔ اور وہ موجیں اپنے اصل مقام کی طرف ضرور لوٹ جائیں گی۔ پہلی شکست کے بعد مختلف زعماء اس عقیدے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں اتابک عماد الدین زنگی والئی موصل کا نام سرفہرست ہے۔ انہوں نے ۱۱۴۴ء میں عیسائیوں کو شکست دے کر رہا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے سقوط کی صدائے بازگشت سارے یورپ میں سنائی دی۔

پاپائے روم نے وعظ و تبلیغ کر کے تمام یورپ میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال پیدا کیا اور عیسائی اقوام ایک بار پھر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ فرانس کا بادشاہ لوئی سابع اور فرمانروائے المانیہ کونراڈ ثالث اپنی فوجوں کو ساتھ لے کر ارض مقدس کی طرف بڑھے۔ پہلے کونراڈ آیا لیکن مسلمانوں نے شکست فاش دے کر بیشتر فوج کو قتل کر دیا۔ بقیۃ السیف بھاگ گئے۔ راستے میں فرانسیسی لشکر آتا ہوا ملا۔ اس کے ساتھ ہوئے لیکن اسے بھی مار پڑی۔ اور بچے کھچے جیسی طرح طرح کی سختیاں اور مصیبتیں سہتے بیت المقدس پہنچے (۱۱۴۸ء) وہاں سے دمشق پر جو مجیر الدین ابق کے قبضہ میں تھا حملہ کیا لیکن عماد الدین زنگی کے بیٹوں سیف الدین اور نور الدین محمود نے انہیں

پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ یہ دوسری صلیبی جنگ تھی

اس جنگ میں ایک ممتاز ضعیف العمر عالم دین اور شیخ وقت حجۃ الدین یوسف شریک تھے، مسلمان سالار نے ان سے درخواست کی کہ آپ تکلیف نہ کیجئے ہم مغربی بھی اس فرض کی ادائیگی کے لیے موجود ہیں۔ لیکن شیخ نے فرمایا میں خدا سے سودا کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم اور میدان جنگ میں بڑھ کر شہادت حاصل کی

عیسائیوں کی ذلت

اس معرکہ خونی میں عیسائیوں کو کس قدر نقصان ہوا۔ اس کا اندازہ ایک عینی شاہد کے اس بیان سے لگائیے کہ یورپ کے شہر اور قلعے خالی اور سنسان ہو گئے۔ اس مقدس آگ کا ایندھن بننے کے لیے اتنی کثیر تعداد یورپ سے روانہ ہوئی تھی کہ پیچھے سات عورتوں کے مقابلے میں ایک مرد نظر آتا تھا۔ جب یہ خبر یورپ پہنچی کہ ان مصیبت زدہ عورتوں کے باپ شوہر بیٹے اور بھائی جو جنگ پر گئے تھے اب کبھی اپنے گھروں کو نہ لوٹ سکیں گے تو سارا یورپ نالہ و فریاد سے گونج اٹھا۔ یورپی مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ دوسری صلیبی جنگ سے یورپ کا سر غروری سے نیچا نہیں ہوا بلکہ بیت المقدس کی لاطینی ریاست بھی کمزور ہو گئی۔ اور اگر نور الدین کو موت مہلت دیتی تو بیت المقدس میں عیسائی سلطنت کا خواب منتشر ہو کر رہ جاتا۔

حضرت نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان نور الدین محمود دین اور عقل کی دولت سے مالا مال تھے۔ ملک شام سے عیسائیوں کا اخراج اس کی زندگی کا مقصد وحید قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی افواج کو منظم کیا۔ اور اکثر نواحی ریاستوں پر قبضہ کر لیا تاکہ وہ دل جمعی سے فرنگیوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس نے فرنگی سازشوں اور حملوں کو ناکام بنا کر شام اور الجزیرہ کی متحدہ ریاست قائم کی اور مصر میں اثر و رسوخ حاصل کیا۔ اس کا یہی اقدام آگے چل کر مسلمانوں اور اسلام کے لیے خوش بختی کا باعث بنا۔ کہتے ہیں کہ اسے ہر وقت جہاد کا خیال رہتا لیکن اس نے دشمن سے عیاری و مکاری کبھی روا نہ رکھی۔ جب حاکم یروشلم بالڈون مرض موت میں مبتلا ہوا اور اس کی جانشینی پر عیسائیوں میں اختلاف رائے تھا تو بعض ساتھیوں نے موقع غنیمت جان کر سلطان کو حملہ پر اکسایا لیکن سلطان نے یہ کہہ کر اس

تجویز کو مسترد کر دیا کہ اس وقت جب دشمن مصیبت میں مبتلا ہے اس پر حملہ جوانمردی نہیں

سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مصر کی حکومت سنبھالی

نوجوان یوسف جس نے اپنے چچا کے اصرار اور سلطان نورالدین رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اپنی مرضی کے خلاف مصر جانا چاہا۔ آگے چل کر نہ صرف یہ کہ مصر کا حاکم ہوا بلکہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام سے اپنا نقش تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت کر گیا۔ اور اس کا مصر جانا مسلمانوں کے لیے رحمت ثابت ہوا۔ سلطان صلاح الدین نورالدین کی زندگی ہی میں مصر کی وزارت عظمیٰ اور پھر اقتدار اعلیٰ کا مالک بن چکا تھا لیکن اس کے جوہر اصلی اپنے آقا کی موت کے بعد ہی کھلے۔ قاضی ابن شداد سلطان صلاح الدین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق اس کے رگ و ریشہ میں سما اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا۔ یہی ان کا موضوع گفتگو تھا۔ ہمہ وقت اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے۔ اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے۔ اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی۔ اسی کا ذکر کرنے والے اور اس کی ترغیب دینے والے کی طرف رخ کرتے۔ اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان، وطن مسکن اور تمام ملک کو خیرباد کہا۔ سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک خیمہ کی زندگی پر قانع رہے۔ جس کو ہوائیں اڑا سکتی تھیں۔ کسی شخص کو اگر ان کا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا اور اس طرح ان کی نظر میں وقعت حاصل کر لیتا۔ قسم کھائی جا سکتی ہے کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔ سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور دردمندی کی تصویر قاضی ابن شداد نے یوں کھینچی ہے۔

"میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی ہوتی تھی۔ جس نے اپنے اکلوتے بیٹے کا داغ اٹھایا ہو وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے، خود ساری فوج میں گشت کرتے، اور پکارتے پھرتے یا للاسلام اسلام کی مدد کرو۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے۔ شامی طبیب نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے ان کی طبیعت میدان جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی۔"

لین پول لکھتا ہے کہ اس نے اپنی تبلیغ کی تمام کوشش اس بات میں صرف کی کہ ایک اسلامی سلطنت قائم کی جائے جس میں کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری قوت ہو۔ سلطان صلاح الدین ۱۱۶۹ء میں مصر کا وزیر اعظم بنا اور اسی سال ستمبر میں فاطمی خلیفہ العاضد انتقال کر گیا۔ اس کی موت پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر کو عباسی خلافت کے تحت کر دیا۔ اور ساتھ ہی فلسطین کو عیسائیوں سے آزاد کرانے کی مہم کا آغاز ۱۱۷۴ء میں سلطان نور الدین انتقال کر گیا۔ بعض شر پسندوں نے ملک میں فساد برپا کرنا چاہا۔ لیکن صلاح الدین کی دانش نے تمام سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ شام و مصر متحد ہو گئے اور عیسائی سکندریہ میں شکست کھانے کے بعد صلح پر مجبور ہوئے۔ نتیجتاً صلح کا بارہ سالہ معاہدہ عمل میں آیا۔ لیکن عیسائیوں نے معاہدہ سے انحراف کیا۔ اس کے باوجود سلطان نے کوئی انتقامی کارروائی نہ کی۔ البتہ مدافعتی جنگیں جاری رہیں۔ لیکن جب سلطان نے نواحی علاقوں پر تسلط پا لیا تو عیسائیوں پر بڑی ضرب لگانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

سلطان صلاح الدین اور عیسائیوں کے کردار کا موازنہ

سلطان نے کبھی کسی معاہدہ کے خلاف نہیں کیا۔ اس کے برعکس عیسائی متواتر خلاف ورزیاں کرتے رہے چنانچہ اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے والی کرک ریجی نالڈ نے مکہ معظمہ اور مدینہ النبی ﷺ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور روضہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے فوجیں ساحل حجاز پر اتار دیں۔ ہیرلڈ لیم لکھتا ہے کہ اس حملے کا منصوبہ کافی دیر سے اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا۔ وہ اپنے سنگین قلعے میں بیٹھا جہاز تیار کرواتا رہا، جہازوں کے مختلف حصے قلعے میں بنا کر بحیرۂ روم کے ساحل میں پہنچائے جاتے۔ سادہ لوح دوست بدو عرب اس پراسرار سامان کو اونٹوں پر لاد کر مقررہ مقام پر پہنچا دیتے۔ اس نے متفرق حصوں کو جوڑ کر جہاز بنائے اور بحیرۂ قلزم پر مسلمانوں کی بندرگاہ ایلہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ بحیرۂ قلزم میں جو گزشتہ پانچ سو سال سے اسلامی تسلط میں تھا۔ یہ عیسائیوں کی پہلی مداخلت تھی۔ ریجی نالڈ (ارناط) کے صلیبی ایک سال تک قتل و غارت میں مصروف رہے۔ یہ بحری بیڑا اور عرب پوش رہزن پرامن حاجیوں کے جہازوں اور قافلوں کو لوٹنے کی تاک میں لگے رہے

ایک مرتبہ انہوں نے حاجیوں کے ایسے قافلے پر حملہ کیا جس میں خود سلطان صلاح الدین

ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی مونس خاتون بھی شامل تھیں ۔ ریجی نالڈ نہ صرف لوٹ مار کرتا رہا بلکہ نوجوان حاجیوں کو بے دریغ قتل بھی کرتے رہے اور جس کو قتل کرتے اس سے یہ کہتا کہ بلاؤ اپنے پیغمبر محمد (ﷺ) کو وہ اپنے رسول کو کہ آ کر تمہیں بچائیں ۔ حاجی صلاح الدین ایوبی کی دہائی دیتے شہید ہوتے رہے ۔ کچھ حاجی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور باقی لوگوں کو اور عورتوں کو پکڑ کر رہزن کرک کے قلعے میں لے گئے ۔

فرار ہونے والے حاجی سیدھے موصل پہنچے جہاں ان دنوں سلطان صلاح الدین ایوبی شدید علیل حالت میں ٹھہرے ہوئے تھے ۔

حاجیوں کی زبانی یہ سن کر کہ ریجی نالڈ حاجیوں کو قتل کرتے وقت کہہ رہا تھا کہ بلاؤ اپنے رسول کو کہ آ کر تمہیں بچائے

سلطان صلاح الدین ایوبی شدید علیل ہونے کے باوجود غم و غصے سے غرق ہو گئے اور مدینہ منورہ کی جانب رخ کر کے عرض کیا کہ

”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اتنی ہمت دیں کہ میں آپ کے گستاخ کو اپنے ہاتھ سے سزا دوں بادشاہ کو بادشاہ نہیں مارتا لیکن میں ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے واصل جہنم کروں گا۔“

اور پھر تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سلطان کی عرض بارگاہ رسالت ﷺ میں منظور ہوئی اور سلطان دیکھتے ہی دیکھتے رو بصحت ہوئے اور ریجی نالڈ کو اس کی گستاخی اور وعدہ شکنی کی سزا دینے کے لئے کرک کے قلعے پر حملہ آور ہوئے مگر ریجی نالڈ قلعے میں نہیں ملا قیدی حاجیوں کو رہائی دلوائی ۔

ایک عرب مورخ کے الفاظ میں

”ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔“

ایک مرتبہ یہ فوجیں مدینہ منورہ سے ایک دن کے فاصلے پر پہنچ گئے تھے ۔ اور اس مقدس شہر کی سلامتی خطرے میں تھی کہ سلطان کو خبر ملی وہ تڑپ اٹھا ۔ اس نے مسلمان بحری بیڑے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جس نے تیز رفتاری سے ریجی نالڈ کے لشکر کو جا لیا اور شکست دے کر قتل یا قید کیا البتہ ریجی نالڈ یہاں سے بھی زندہ بچ کر بھاگ نکلا

اس حادثہ اور عیسائیوں کی بار بار عہد شکنی سے سلطان کو ضبط کا یارا نہ رہا ۳ جولائی ۱۱۸۷ء کو

فلسطین کے قریب خون ریز جنگ ہوئی جو ۴ جولائی کی شام تک انجام کو پہنچ گئی۔ ہیرالڈ لیم صلیبیوں کی تباہی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے۔

حطین کے میدان میں گندم کے ڈھیروں کی طرح ان کی لاشوں کے انبار لگے تھے۔ صلیب المصلوت ان سے چھن گئی۔ قیدیوں میں ارناط اور شہنشاہ گی بھی شامل تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھوں جہنم واصل کر کے اس گستاخ رسول سے شان رسالت ﷺ میں گستاخی کا انتقام لیا۔

فتح بیت المقدس

اس فتح کے بعد سلطانی لشکر نے تیزی سے ساحلی علاقے فتح کیے اور ۲۰ ستمبر کو بیت المقدس کا محاصرہ کر کے باب داؤد کے سامنے خیمے گاڑ دیے۔ سلطان نے اہالیان شہر کو پیشکش کی کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں اور شہر خالی کر جائیں تو انہیں زراعت کے لیے زمین دی جائے گی مگر بڑا پادری رضامند ہوا اس پر حاکم شہر اہالیان شہر کو راہب کے سپرد کر کے نکل گیا۔ شہر میں ایک لاکھ عیسائی فوج موجود تھی۔ پیشکش کے مسترد ہو جانے پر سلطان نے پندرہ رجب کو محاصرہ کر لیا۔ اور ۲۰ رجب کی صبح کو بیت المقدس کے شمال میں واقع کلیسائے صیہون کے قریب سے شہر پر حملہ آور ہوا۔ محاصرین اور محصورین دونوں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے۔ اگر کوئی امیر مارا جاتا تو جنگ کی آگ اور تیز ہو جاتی مگر تصادم ایک ہفتے سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ محصورین نے جب کوئی راہ نجات نہ پائی تو صلح کے لیے سلسلہ شروع کیا۔ اول اول سلطان نے اصرار کیا کہ میں شہر بزور شمشیر فتح کروں گا تاکہ ان مظالم کا بدلہ لیا جا سکے۔ جو ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو عیسائیوں نے شہر فتح کرتے وقت مسلمانوں پر ڈھائے تھے لیکن بار بار کی درخواستوں نے اسے نرم کر دیا اور وہ صلح پر رضامند ہو گیا۔

غازی سلطان نے شرط لگائی کہ چالیس دن کے اندر ہر مرد دس دینار، ہر عورت پانچ دینار اور ہر بچہ ایک دینار بطور فدیہ ادا کر کے شہر سے نکل جائے ورنہ چالیس دن گزر جانے والوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ سلطان کو تیس لاکھ دینار فدیہ کے طور پر وصول ہوئے۔ صلاح الدین نے بے شمار عیسائی باشندے فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیے۔ ایک عیسائی امیر کی دولت بیت المقدس میں رہ گئی تھی اس کے بدلے اس کی درخواست پر دو ہزار آدمی رہا کر دیے۔ اس کے بعد بھی سولہ ہزار آدمی رہ گئے۔ چنانچہ

جن کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لیے کچھ نہ تھا انہیں بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا۔ یروشلم کی ملکہ جب شہر سے جاتے وقت سلطان سے ملنے آئی تو اس کی بڑی عزت و تکریم کی گئی۔ ملکہ کے ساتھ بہت سی دیگر خواتین بھی تھیں۔ جنہوں نے روتے بلکتے بچے گودیوں میں اٹھا رکھے تھے انہوں نے سلطان سے درخواست کی کہ ان ننھے بچوں کے والد رہا کر دیے جائیں۔ سلطان نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کو آزادی دے دی۔ دس ہزار عیسائیوں کا فدیہ خود ادا کیا۔ اس کے بھائی سیف الدین کریم نے بھی ہزاروں قیدی خرید کر آزاد کر دیے۔ پادریوں کے ساتھ عزت و تکریم سے پیش آیا۔ لاٹ پادری مسجد اقصیٰ، قبۃ الصخرا اور کلیسائے مقدس کا مال و متاع لے کر نکلا۔ اس سے بھی تعرض نہ کیا۔ الغرض اس نے ایسا شریفانہ سلوک کیا کہ عیسائی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بقول لین پول رحمدل سلطان نے صلیبیوں سے نرمی اور شفقت کا برتاؤ کر کے "شریف نائٹ" کا لقب پایا۔

لین پول اور ولیم سوری لکھتے ہیں کہ یروشلم صلیبی دور میں عیاشی، فحاشی اور بدکاری کا مرکز بن گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے فتح کے بعد عیسائیوں کو امن و امان دیا اور ان ستر ہزار مسلمانوں کا انتقام نہ لیا، جو ایک صدی قبل بیت المقدس میں ذبح کر دیے گئے تھے۔

سلطان ایوبی کا فاتحانہ داخلہ

جن لوگوں نے شہر سے نکلنا تھا۔ وہ نکل چکے تو سلطان ہلالی پرچم لہراتا ہوا بروز جمعہ بتاریخ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ بمطابق ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اور مسجد عمر اور دوسرے مقدس مقامات سے صلیبوں کو نوچ کر ہلالی پرچم لہرا دیا۔

وہ صبح جلیل
جب کفر کے علم سرنگوں ہوئے
ظلمت ازلی میں روپوش ہوئے
وہ صبح امید
اسلام کی حیات تازہ کی نوید
نوید تازگی کی درخشندہ امید

ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف فرنگیوں کی جنگ کی تیاریاں

مغربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ مصر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا اقتدار قائم ہوتے ہی فرنگیوں میں تشویش پیدا ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے اس سے مقابلہ کے لیے اندلس اور سسلی کی حکومت سے مدد طلب کی تھی۔ لیکن یہ امداد اس وقت پہنچی جب سلطان بیت المقدس پر قبضہ کر چکا تھا۔ اس کے باوجود عیسائیوں نے اس کمک کے پہنچنے پر صور پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی

سلطان صلاح الدین ایوبی کی پیدائش سے سات سال قبل فلسطین و شام میں صلیبی ریاست اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ شام اور بالائی علاقہ جزیرہ (میسوپوٹیمیا) ان کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ آئے دن دیار بکر کے علاوہ حرمین وعامدے سے لے کر عریش اور المصر تک حملے کرتے رہتے۔ سلطان جب مصر پر آرائے سلطنت ہوا۔ فلسطین و شام کے امراء باہم متصادم تھے اور یہ مختصر علاقہ دمشق، حلب، حماۃ، ارہا اور موصل کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ لیکن ۱۱۸۳ء تک سلطان نے دجلہ سے لے کر دریائے نیل تک تمام سلطنت کو متحد و یکجا کر کے ایک جھنڈا کر کے متحد کر دیا۔ اور پھر فرنگیوں سے جنگ کا آغاز طبریہ کے میدان سے ہوا اس جنگ میں فرنگیوں کا جو انجام ہوا۔ اس کا اندازہ ایک چشم دید گواہ کے بیان سے ہوتا ہے کہ "جو شخص میدان جنگ میں پڑی لاشوں پر نظر دوڑاتا اسے یوں محسوس ہوتا کہ سارے فرنگی مارے گئے ہیں۔ اور جو قیدیوں کو دیکھتا وہ سمجھتا کہ سارے قید ہو گئے ہیں۔

بعض مورخ اس جنگ کو حطین کا معرکہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد سلطان نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی۔ اور بیت المقدس پر قبضہ عیسائی ریاست کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

فتح بیت المقدس کے بعد

فتح بیت المقدس کے بعد غازی اسلام سلطان صلاح الدین نے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو نجاستوں سے پاک کر کے ان کے فرش اور دیواریں گلاب و مشک سے دھلوائیں۔ ان مقدس مقامات میں صلیبیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم علیہم السلام کی خیالی تصویریں بنا رکھی تھیں، انہیں صاف کرنے اور جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ ۳ شعبان ۵۸۳ھ کو قاضی محی الدین محمد بن علی الشافعی نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ سلطان ۲۵ شعبان ۵۸۳ھ تک شہر میں رہا اور بعد نماز جمعہ صور کی طرف روانہ

ہو گیا

فتح سے پہلے بیت المقدس کی حالت زار

مورخین لکھتے ہیں کہ صلاح الدین سے پہلے یعنی صلیبی عہد میں بیت المقدس اور فلسطین کی اخلاقی حالت کیا تھی۔ اس کا اندازہ لگانے کے لیے ولیم آف ٹائر کا یہ فقرہ ہی کافی ہے کہ

"سارے فلسطین میں ایک عورت بھی نہیں جسے باعصمت کہا جائے" صلیبیوں اور گرجا کے راہبوں کی زندگی میں جو تضاد تھا۔ اس سلسلے میں اس کا بیان ہے کہ "تمام صلیبی محنت اور مشقت کی زندگی بسر کرتے تھے مگر گرجوں کی دولت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اسقف اعظم حرم کے صندوق سیم وزر سے بھرے پڑے تھے۔ وہ دولت کا پجاری تھا اس کی زندگی حرص و ہوس کا افسانہ تھی۔"

ہیرلڈ لیم کے بیان کے مطابق وہ زمین جو کلیسا کی ملکیت نہیں تھی، رفتہ رفتہ نکل کے مختلف صلیبی نیم مذہبی اور نیم فوجی جماعتوں کے تصرف میں چلی گئی تھی۔ سرزمین قدس کے یہ خادم اس کے حقیقی مالک بن بیٹھے تھے۔ یہ جماعتیں براہ راست پاپائے روم کے ماتحت تھیں۔ قانون کے مجرم ان کے ہاں پناہ لے کر محفوظ ہو جاتے تھے۔ گائی ڈی لوسگنان بیت المقدس کا آخری حکمران تھا اس سے قبل آٹھ شاہ حکومت کر چکے تھے۔

تیسری صلیبی جنگ

جب شکست خوردہ صلیبی بیت المقدس سے نکلے تو ان کا ایک گروہ مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ وہ ہر جگہ یہ پیغام دیتا جاتا "افسوس! اے عالم مسیحیت! صد افسوس! اورشلیم پر قبضہ ہو گیا ہے۔ مقدس صلیب کھو گئی اور ہماری فوج برباد ہو گئی ہے۔ پوری عیسائی دنیا میں آگ لگ گئی۔" پادری اور راہب تمام مسیحی دنیا کا دورہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے "مقدس باپ کی دہائی دے دے کر لوگوں کو جنگ پر ابھارا۔ بیت المقدس کا اسقف اعظم جس سے سلطان نے انتہائی فیاضی کا سلوک کیا تھا فرانس کے شہروں میں ایک تصویر لیے پھرا۔ جس میں جناب مسیح کو زخمی حالت میں اور ایک مسلمان کو حملہ کرتے دکھایا گیا تھا۔ آخر یہ آگ بھڑک اٹھی، شاہ جرمنی فریڈرک نے سلطان کو خط لکھا۔

"اگر بیت المقدس عیسائیوں کے حوالے نہ کیا گیا تو میں اپنی ساری فوجیں لے کر تمہیں برا

دیکھنے کے لیے پہنچ جاؤں گا۔"

سلطان نے اس خط کا کوئی اثر نہ لیا لیکن یورپ میں ایک خوفناک جنگ کے لیے تیاریاں زور شور سے جاری تھیں اور اس میں ہر عیسائی نے مقدور بھر حصہ لیا حتیٰ کہ عورتیں تک سپاہی بن گئیں اور قیصر جرمنی فریڈرک شاہ و رڈیوک آف آسٹریا اپنی فوجوں اور صلیبی رضاکاروں کے ساتھ سلطان صلاح الدین کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ تیسری صلیبی جنگ تھی

اس جنگ کی تیاری جس جوش و خروش سے کی گئی۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جنگ کے مصارف کے لیے انگلستان و فرانس وغیرہ میں عشر صلاح الدین کے نام سے ایک ٹیکس جاری کیا گیا۔ پادریوں نے فتویٰ دے دیا تھا کہ جو شخص اس کار خیر میں شریک نہیں رہے گا۔ وہ مسیحیت سے خارج ہوگا۔ مشہور مؤرخ گبن نے لکھا ہے کہ

"صلاح الدین نے یورپ سے اپنی عظمت کا جو خراج اس ٹیکس کی شکل میں لیا وہ آج تک کسی تاجدار کو نصیب نہیں ہو سکا۔ رچرڈ نے مصارف جنگ کے لیے اپنی جاگیر بیچ دی۔ بڑے بڑے عہدوں کو نیلام کیا۔ وہ کہا کرتا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو لندن تک بیچنے کیلئے تیار ہوں۔"

جو لوگ خود کسی معذوری کی بنا پر شریک نہ ہو سکے انہوں نے اپنی جانب سے اپنے خرچ پر آدمی بھیجے اور عورتوں نے اپنی اکلوتی اولادوں کو نذر کر دیا۔ بہر حال دو سال کی زبردست تیاری کے بعد یہ لشکر فلسطین کی طرف بڑھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ

"یہ فوج نہیں بڑھ رہی تھی۔ ہتھیاروں اور سپاہیوں کا ایک سیلاب تھا۔ جو خس و خاشاک کی طرح بہا دینے کے لیے امڈ آیا تھا۔"

اس لشکر کی تعداد بعض مؤرخین کے قول کے مطابق چھ لاکھ اور بعض کے نزدیک دس لاکھ تھی۔ جتنے یورپی و مسیحی سربراہ اس جنگ میں شامل تھے کسی صلیبی محاربے میں شریک نہیں ہوئے اور ان کی متحدہ قوت کا مقابلہ تنہا صلاح الدین کو کرنا تھا

رچرڈ شیر دل

قیصر جرمنی تو ایشیائے کوچک تک پہنچا تھا کہ دریا کے ساحل کو عبور کرتے ہوئے ڈوب مرا اور اس کی فوج کا ایک حصہ واپس چلا گیا البتہ فرانس اور برطانیہ کی افواج ساحل فلسطین پر اتریں اور

انہوں نے عکہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند ماہ بعد جرمن بھی آ ملے۔ محاصرین میں آسٹریلوی، اطالوی، اینٹوی، فرانسیسی، جرمن مختصر یہ کہ یورپ کے ہر ملک اور ہر خطہ کے قومی اور صلیبی رضاکار شریک تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ انتہائی نامساعد حالات کے باوجود محصورین نے تین سال سے زیادہ عرصہ تک حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور آخر ۱۲ جولائی ۱۱۹۱ء کو مسلمانانِ عکہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور دو لاکھ دینار خراج ادا کرنے کے وعدے پر صلح کر لی کیونکہ محصورین کو باہر سے کسی کمک کی امید نہ رہی تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ سلطان نے عرصۂ محاصرہ میں شہریوں کی مدد کرنے میں پوری کوشش کی۔ ایک مرتبہ محاصرہ توڑ کر ان تک رسائی پہنچائی لیکن ساتھیوں میں جذبے کے فقدان، فرنگیوں کے بحری بیڑے کی مضبوطی، موسموں کی بے ڈھنگی، سلطانی افواج میں بیماری پھیل جانے کی وجہ اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر وہ عکہ کو فرنگیوں سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں اس وقت تک کوئی موثر کارروائی نہ کر سکے۔ اور جب وہ دشمن پر آخری ضرب لگانے کی تیاری کر چکے تھے تو شہریانِ عکہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یہ خبر سن کر انہیں سخت رنج ہوا۔ لیکن ان کا یہ دکھ اس وقت تو اور بھی بڑھ گیا جب انہیں معلوم ہوا کہ رچرڈ شیر دل نے معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہ صرف اسیرانِ جنگ ستر ہزار مردوں یرغمال کو بھی شہید کر دیا ہے۔ رچرڈ کی اس بدعہدی پر تبصرہ کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے کہ:

پیشتر اس کے کہ خدا عیسائیوں کو چھوڑتا۔ عیسائیوں نے خدا کا دامن چھوڑ دیا۔ سلطان یہ خبر سن کر تلملا اٹھے۔ لیکن ہیرالڈ لیم کے الفاظ میں سلطان صلاح الدین پر صد آفرین کہ اس عالی حوصلہ انسان نے صرف اعلانیہ جنگ میں دشمن سے بدلہ لیا۔

اور یہ خونی ڈرامہ کھیلنے کے بعد جب رچرڈ نے سلطان سے پانی اور سامان خوراک کی درخواست کی تو اسے ٹھکرایا نہیں بلکہ شریف دشمن ہونے کا ثبوت دیا۔ اس پر بھی تہذیب کے علمدار فرنگیوں کو حیا نہیں آئی۔

عکہ میں موت کھسوٹ کا بازار گرم کرنے کے بعد صلیبی لشکر ۲۵ اگست ۱۱۹۱ء کو عسقلان کی طرف بڑھا۔ سلطان نے مقابلہ کے بجائے انوکھا راستہ اختیار کیا کہ شہر گروا کر ہموار کر دیا جب مسیحی لشکر وہاں پہنچا تو کھنڈرات اور شکستہ عمارتیں اس کا استقبال کر رہی تھیں۔

عیسائیت کو سخت دھچکا

عیسائی لشکر اس سے بہت بد دل ہو گیا اور خود رچرڈ بھی دل چھوڑ بیٹھا تاہم اس نے بیت المقدس پر حملہ کیا لیکن ناکامی نے احساس محرومی کو اور بھی شدید کر دیا اور رچرڈ نے جنگ سے نجات پانے کے لیے سلطان کو ایک تجویز لکھ بھیجی جس میں اس نے اپنی بہن کی شادی سلطان کے بھائی الملک العادل سے کرنے کی پیش کش کی اور کہا کہ اس کے بدلے سلطان بیت المقدس الملک العادل کو دے دے۔ سلطان نے اسے منظور کر لیا لیکن یورپ میں کہرام مچ گیا دنیائے عیسائیت نے اسے مسیحیت سے خارج کرنے کی دھمکی دے دی۔ نتیجۃً وہ ایک بار پھر نبرد آزمائے جنگ ہوا اور بیت المقدس کی طرف بڑھا مگر اس کی دیواروں سے ٹکرا کر ناکام و نامراد لوٹ گیا۔ جس سے فوج میں مزید اضطراب پھیل گیا اور مسیحی باہم دست و گریبان ہو گئے۔ رچرڈ نے پھر صلح کا ڈول ڈالا اور ۲ ستمبر ۱۱۹۲ء کو سلطان صلاح الدین کے بھائی الملک العادل اور رچرڈ نے معاہدہ صلح پر دستخط کیے۔ اس کے تحت یافا، الد، رملہ، ارسوف، حیفا اور عکہ کو رچرڈ کا مقبوضہ اور عسقلان کو آزاد علاقہ قرار دیا گیا یہ طے پایا کہ تین سال تک تمام عیسائی زائرین محصول ادا کیے بغیر بیت المقدس کی زیارت کر سکیں گے اور یہاں پانچ سال کی مسلسل خون ریز لڑائیوں کے بعد تیسری جنگ صلیبی کا خاتمہ ہوا۔ اس جنگ میں یورپ کے لاکھوں آدمی سینکڑوں نامور امراء و شہزادے اور متعدد بادشاہ کام آئے اور بے اندازہ دولت برباد ہوئی۔ مچاڈ کے الفاظ میں

"یورپ کی تمام مسلح طاقتوں نے عکا کی فتح اور عسقلان کی بربادی سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کیا۔"

عرب مورخین کا بیان ہے کہ عکا کے سامنے چھ لاکھ کروسیڈر کام آئے اور مشکل سے ایک لاکھ بچ کر اپنے گھروں کو لوٹ سکے۔ لین پول رقمطراز ہے کہ

مسلمانوں کا قبضہ

جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی۔ ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب صلح ہوئی تو صور سے کر یافا تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور فرنگیوں کو اپنی جانی و مالی قربانیوں کے مقابلے میں جو کچھ حاصل ہوا وہ نہایت حقیر تھا مورخین کے بقول یورپ کے ہر قریہ اور ہر گھر

میں نالہ وماتم بپا ہو گیا

ہیرلڈلیم نے کہا کہ بدھوں کی خون ریزی کے بعد بھی انہیں اپنے مقامات مقدسہ میں سے کسی پر بھی قبضہ نصیب نہ ہوا۔

ایوبی مرحوم موت سے پہلے

سلطان صلاح الدین نے یہ لڑائی انتہائی نامساعد حالات میں لڑی تھی۔ اس کی فوج خودسر ہو گئی تھی۔ اور بدو ہنگامہ بپا کر رہے تھے۔ خیموں میں گھس آتے اور لوٹ مار کر کے بھاگ جاتے۔ آخر میں سلطان نے جب اپنی فوج کے مسعود جانبازوں کو نکال کر از سر نو منظم کیا تھا تو رچرڈ نے صلح کی پیش کش کر دی۔ سلطان مکمل اور فیصلہ کن فتح کا خواہاں تھا اس نے بہادرین سے کہا تھا۔

"میں صلح کرنے سے ڈرتا ہوں۔ نہ جانے میری موت کے بعد حالات کیا ہوں لیکن اس کی فوج جنگ سے بیزار ہو چکی تھی اور آخر کار حالات نے اسے صلح پر مجبور کر دیا ہے۔"

تاریخ گواہ ہے کہ سلطان میدان جنگ میں بھی اپنے دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر اوچھا وار کرنا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ جب رچرڈ نے بیت المقدس پر قبضہ کیلئے یورش کی۔ سلطان نے اس کے نحیف و نزار گھوڑے کو دیکھا تو اسے خوبصورت عربی گھوڑے بھجوا دیئے تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکے کہ اس کا گھوڑا کمزور تھا۔

ہیرلڈلیم کا بیان ہے کہ ہنگام فتح بھی سلطان ایسی ہی فراخ دل اور ہمدرد رہا۔ جیسا کہ وہ استیلائے جنگ سے پہلے تھا۔ جب رچرڈ نے سلطان کو لکھا چونکہ فرانسیسی فریق معاہدہ نہیں۔ اس لیے انہیں یروشلم کی زیارت کی اجازت نہ دی جائے تو سلطان نے جواب دیا کہ

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے سب عیسائیوں کو اجازت بخش دی ہے انہیں کیسے محروم کر دوں؟"

جب بشپ سالسبری نے منت و زاری کی مراد پائی اور سلطان نے دو لاطینی پادریوں کو مزار مقدس میں مستقل قیام کی اجازت دے دی؟

رچرڈ ساحل شام سے روانہ ہو گیا تو سلطان حرم مقدس میں آیا۔ اس نے امیروں کو جمع کیا اور باری باری رخصت کر دیا۔ وہ گزشتہ کئی سال سے روزے نہیں رکھ سکا تھا چنانچہ القدس کے دوران قیام اس نے مسلسل روزے رکھے۔ اس سے صحت بگڑ گئی۔ طبیب خاص نے انہیں مجاہدہ نفس

سے باز رکھنے کی سخت کوشش کی مگر سلطان نے اس سے اتفاق نہ کرتے ہوئے فرمایا

معلوم نہیں کہ آخر وقت کیا ہو چنانچہ وہ مسلسل روزے رکھتے رہے اور اپنی قضا کا پورا کفارہ کر دیا۔ اسی قیام میں شہر پناہ کی مرمت کروائی۔ خندق کھدوائی، نئے اوقاف قائم کیے اور پھر بیت المقدس کا انتظام امیر عزالدین جردیک کے سپرد کر کے دمشق روانہ ہو گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس سال سلطان نے اپنی کمزوری اور نقاہت کے باوجود دمشق سے باہر آ کر حج حرمین سے لوٹنے والوں کا گرم جوشی اور تپاک سے استقبال کیا۔ وہ اگلے سال خود بھی حج پر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن تین مارچ ۱۱۹۳ء کو ملک الناصر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی اور بازاروں میں سناٹا چھا گیا۔ آج وہ عظیم انسان موت کی آغوش میں سو گیا تھا جس نے بیس سال تک دنیائے اسلام کی نہایت ثابت قدمی اور عالی حوصلگی سے قیادت کی تھی۔

شیخ ضیاء الدین ابو القاسم عبدالملک نے غسل دیا اور قلعہ دمشق کے باغ کی بارہ دری میں عصر کے وقت اسی مقام پر دفن کر دیا۔ جہاں انہوں نے انتقال کیا تھا، جو تلوار جہادوں میں ان کے زیب کمر تھی۔ ان کے برابر رکھ دی گئی۔ اور اسے وہ جنت میں اپنے ساتھ لے گیا۔

سلطان نے ہر چیز خرچ کر دی تھی حتیٰ کہ کفن دفن کے لیے قرض اٹھانا پڑا۔ اور لکڑیوں تک جو قبر میں لگیں قرض پر منگوائی گئیں۔ لوگوں پر اس قدر رنج و الم تھا کہ ان کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔ دفن کے بعد ہر شخص گھر چلا گیا اور ماتم میں مکان کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہا۔ صرف خاموشی اور سنسان سڑکیں بتاتی تھیں کہ لوگوں پر کس قدر عظیم صدمہ گزرا ہے۔ طبیب عبداللطیف لکھتا ہے کہ

”اس کے علم میں صرف یہی ایک سلطان کی موت ہے۔ جس کے لیے واقعی رعایا نے ماتم کیا۔“

تاریخ بتاتی ہے کہ رچرڈ شیر دل وعدے سے اس عزم کے ساتھ انگلستان واپس ہوا تھا کہ ایک سال بعد آ کر بیت المقدس کو مسلمانوں سے نجات دلائے گا۔ لیکن اپنے عہد کی تکمیل کے لیے کبھی ساحل فلسطین کی طرف نہ لوٹ سکا۔ البتہ دنیائے مسیحیت میں یروشلم کو نجات دلانے کے پرجوش نعرے بدستور گونجتے رہے۔ پوپ انوسنٹ ثالث نے صلیبیوں کے جذبے جہاد کو زندہ رکھا۔ جنگ کی تیاری ہوتی رہی۔ اور عشر جمع کیا جاتا رہا۔ پاپائے روم ثالث، آنریون اور اس کے جانشین مقرر رہتے

وہ کہتا

یروشلم کی رہائی مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے

اور مسیحیوں کو بھڑکاتا کہ مسلمانوں نے یروشلم پر قبضہ کے بعد مسیحیت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ دوشیزائیں سرزمین قدس کو آزاد کروانے کا حلف دیتیں صلیبیوں کو صلیبیں پیش کرتی پھرتیں۔ چنانچہ ۱۱۹۸ء سے ۱۲۰۰ء تک کے درمیانی عرصہ میں ہنری ششم نے ساحل فلسطین پر کئی حملے کیے۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر ۱۲۰۲ء میں کاؤنٹ بالڈون کی قیادت میں جرمنی، فرانس، ہیرا گوے، انگلستان، روم بلکہ سارے یورپ کی متحدہ فوجیں وینس سے روانہ ہوئیں لیکن بیت المقدس کے بجائے قسطنطنیہ پہنچیں اور اس پر قبضہ کر لیا۔ دنیائے مسیحیت کے جنون کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسی دوران صلیبی بچے ایک فرانسیسی لڑکے کاتیئے کی قیادت میں یروشلم کو کافروں سے چھڑانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد نوے ہزار تھی۔ یہ لشکر بارہ بارہ اور چودہ چودہ سال کے لڑکے اور لڑکیوں پر مشتمل تھا اور جس شہر سے بھی گزرتا لوگ اس سے یہ نیک فال لیتے اور کہتے اب یروشلم آزاد ہو جائے گا۔

مگر مارسیلز سے آگے اس لشکر کو ساحل فلسطین پر پہنچانے میں کسی نے مدد نہ کی چنانچہ اس کا انجام بہت ہولناک ہوا۔ حضرت عیسیٰ کے پرستاروں نے ان کے ساتھ بہت برا کیا۔ بچیوں کی عصمتیں لوٹیں اور لڑکوں کو غلام بنا کر بیچ دیا۔ باقی ماندہ لڑکے بچے واپس اٹلی کی طرف لوٹ گئے۔ انہی ایام میں ایک اور لڑکے نکولس (جرمنی) نے ایک لشکر تیار کیا اور براہ اٹلی بحر سے کر روانہ ہوا۔ گو ان کا حشر اتنا برا نہیں ہوا۔ لیکن کچھ تو راستے میں مر گئے وہ لشکر منتشر ہو گئے۔ بہت سے گھر واپس لوٹ گئے اور باقی ماندہ نے اطالوی شہروں اور قصبوں میں ملازمت اختیار کر لی۔

ان تباہیوں اور ناکامیوں کے باوجود یورپ کا صلیبی جنون سرد نہ ہوا بلکہ یورپ میں صلیبی جنگوں کی تبلیغ زور شور سے جاری تھی۔ ۱۲۱۵ء میں پاپائے روم کی دعوت پر دنیائے مسیحیت کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں نئی صلیبی جنگ کے لیے جون ۱۲۱۷ء کی تاریخ مقرر کی گئی اور اس کے لیے زور شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ ایک صلیبی لشکر شاہ ہنگری اینڈریو کی قیادت میں ساحل عکہ پر لنگر انداز ہوا۔ اور اس کے بعد بھی مسلسل صلیبی بحری آتے رہے ان کا مقابلہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی الملک العادل سے تھا جو اس وقت حاکم مصر تھا۔ اس کی عمر ستر سال

ہو چکی تھی۔ وہ اکثر بیمار رہتا تھا۔ اس کے باوجود اس نے مقابلہ کیا اور انہیں ساحلی علاقوں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ الملک العادل تنہا عیسائیوں کے مقابلے پر تھا۔ نواحی مسلمان حاکموں یا خلیفہ عباسی کی طرف سے اسے کوئی کمک نہ پہنچی۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ الملک العادل کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا الملک الکامل جانشین ہوا۔ سلطان دمشق نے حرم مقدس اور محراب داؤد کی دیواروں کے علاوہ بیت المقدس کی تمام فصیلیں گرا دی تھیں تاکہ دشمن شہر کو کھلا پا کر زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے لیکن صلیبی القدس تک نہ پہنچ سکے۔ البتہ دمیاط پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا خون بہایا اور مسجدوں کو گرجوں میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد پچاس ہزار سے زیادہ صلیبی قاہرہ پر حملہ آور ہونے کے لیے بڑھے۔ الملک الکامل نے گھبرا کر صلح کی پیشکش کی اور دمیاط کی واگزاری کے عوض یروشلم عیسائیوں کے حوالے کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر عیسائی مصر ہوئے کہ کرک اور ماؤنٹ سینا بھی ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس پر فریقین میں منصورہ کے قریب زبردست رن پڑا جس میں عیسائیوں کو سخت شکست ہوئی اور وہ دمیاط خالی کر کے صلح پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ الملک الکامل نے یافا سے تسلیس تک کے علاقہ پر شاہ فریڈرک ثانی کا قبضہ تسلیم کر لیا اور دس سال کے لیے معاہدہ صلح طے پایا۔ مگر فریڈرک ثانی نے سسلی پہنچتے ہی پادریوں کے خوف سے شرائط صلح سے انحراف کیا اور واپس جانے کا اعلان کر دیا۔ ۱۲۲۳ء میں فرنٹینو (سسلی) کے مقام پر ایک نئی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں فریڈرک نے ۱۲۲۵ء میں کروسیڈ پر جانے کا حلف لیا۔ لیکن کچھ عرصہ تک حیلہ سازی سے ٹالتا رہا۔ آخر ستمبر ۱۲۲۸ء میں ساحل فلسطین کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں بیمار پڑ جانے سے واپس لوٹ رہا تھا کہ پوپ روم گریگوری نے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کر کے اٹلی میں مذہبی رسومات معطل کر دیں۔ جس پر فریڈرک دوبارہ فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور قبرص سے ہوتا ہوا ۳۵ ہزار سپاہیوں کے ساتھ عکہ میں لنگر انداز ہوا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ الملک العادل نے اپنے بیٹوں کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھنے کے لیے سلطنت ان میں تقسیم کر دی تھی۔ دمشق، مقدس، طبریہ، اردن اور کرک کے علاقے اپنے بیٹے معظم عیسیٰ کو دیے تھے۔ باپ کی وفات کے چند سال بعد تک تو الملک الکامل کے چاروں بھائیوں نے اسے مربی و سرپرست جانا۔ لیکن بعد میں وہ متحد نہ رہ سکے اور معظم باغی ہو گیا۔ فریڈرک ثانی جب

ساحل سمندر پر اترا تو قدس معظم کے قبضہ میں تھا۔ اس نے فرنگیوں کو قدس کے قریب نہ پہنچنے دیا لیکن اس کی موت پر الملک الکامل قدس پر قابض ہو گیا۔ ملک کامل کے ذہن میں دمشق پر، جو معظم عیسیٰ کے بیٹے داؤد کے قبضہ میں تھا، تصرف حاصل کرنے کا خیال ایسا مسلط تھا کہ اس نے حسب ذیل شرائط پر بیت المقدس فریڈرک ثانی کے حوالے کر دیا کہ

(الف) فرنگی بیت المقدس کی شہر پناہ دوبارہ تعمیر نہیں کریں گے

(ب) مسلمانوں کے مقامات مقدس قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کریں گے۔

(ج) بیت المقدس سے ساحل تک عیسائیوں کو راستہ دیا جائے گا۔

مصنف خطط الشام کا بیان ہے کہ کامل نے صرف دس سال کے لیے عارضی قبضہ دیا تھا۔ بہرحال کچھ بھی تھا دنیائے اسلام میں کامل کے اس اقدام سے اس کے خلاف نفرت کا اظہار کیا گیا اور یہی چھوٹی صلیبی جنگ کہلاتی ہے۔

خانہ جنگی

یہ وہ دور تھا کہ جب تاتاری، چنگیز خاں کی قیادت میں سیلاب کی طرح دنیا پر چھائے چلے جا رہے تھے۔ چنگیز، خود خوارزمیوں کا تعاقب کرتے ہوئے سرزمین فلسطین تک آ پہنچا تھا۔ فریڈرک سے الملک الکامل کا معاہدہ دس سال کے لیے ہوا تھا، لیکن مسلمان اور عیسائی دونوں اس پر خوش نہ تھے۔ چنانچہ تھیبیٹ آف کیمپین ناروے کا بادشاہ ساحل فلسطین پر پہنچا۔ اور لوٹ مار کر کے لوٹ گیا۔ جواباً الملک الکامل کے جانشین الملک الناصر نے آگے بڑھ کر بیت المقدس کا محاصرہ کیا، جہاں دوران صلح میں معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عیسائیوں نے قلعہ بنا لیا تھا۔ ایک خوفناک تصادم کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور قلعہ اور برج داؤد منہدم کر دیا گیا۔

۱۲۴۰ء کے موسم بہار میں رچرڈ ڈیوک آف کارنوال ساحل عکہ پر لنگر انداز ہوا اور فرانسیسی فوج کو ساتھ لے کر جو اس کے لشکر سے پہلے پہنچ چکی تھی یافا کی طرف بڑھا۔ اس وقت سلاطین مصر و دمشق میں ایک بار پھر ٹھن گئی تھی حتیٰ کہ اہل دمشق نے صلیبیوں سے مل کر مصر پر حملہ کرنے کا فیصلہ اور اس کے عوض صلیبیوں کو مقامات مقدسہ دینے کا وعدہ کیا۔ رچرڈ نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور سلطان مصر نے طبریہ، عسقلان، شقیف اور بیت المقدس صلیبیوں کو دے کر صلح کر لی۔ لیکن اس

مرتبہ بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ صرف دو سال رہا اور خوارزمیوں نے بیت المقدس کو بحال کرالیا

خوارزمی کا قبضہ

یہ وہ لوگ تھے، جو چنگیز خاں کے خوف سے خوارزم سے مصر بھاگ آئے تھے اور خانہ بدوشی کی حالت میں در بدر پھر رہے تھے۔ سلطان مصر الملک الصالح نے انہیں پیش کش کی کہ اگر وہ صلیبیوں اور شامیوں کے خلاف اسے مدد دیں تو وہ انہیں آباد ہونے میں مدد دے گا۔ چنانچہ جب تاتاری غول بدو فلسطین و شام سے لوٹ گئے تو خوارزمی ملک مصر کی فوجوں کے تعاون سے بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ اس سلسلے میں جو جنگ ہوئی۔ اس میں سلطان دمشق اسمٰعیل نے عیسائیوں کا ساتھ دیا۔ جو صلاح الدین کا پوتا تھا لیکن غزہ کے میدان میں ملک المصر کے سالار رکن الدین بیبرس کی قیادت میں قابض ہو گئے اور بیت المقدس سلطان مصر کے تابع ہو گیا۔ اس خبر سے ایک بار پھر یورپ میں کہرام برپا ہو گیا۔

انوسنٹ رابع، پاپائے روم نے فرانس پہنچ کر صلیبی جہاد کی تبلیغ شروع کر دی اور المقدس کے نام پر یورپ کے مختلف ممالک میں عشر وصول کیا جانے لگا چنانچہ ۱۲۴۹ء میں صلیبی لشکر شاہ فرانس لوئیس کی زیر کمان ساحل مصر پر اترا۔ مسلمان اس وقت باہمی جنگوں اور نفاق کا شکار تھے۔ اس کی آمد سے دمیاط کے مسلمان اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ انہوں نے لڑے بغیر شہر خالی کر دیا۔ شاہ فرانس دمیاط پر قبضہ کرنے کے بعد آگے بڑھا مصری افواج ابھی دریائے نیل کے کنارے صلیبی لشکر سے نبرد آزما تھیں کہ سلطان مصر کا انتقال ہو گیا۔ الصالح کا بیٹا توران شاہ دارالسلطنت سے باہر تھا لیکن ملک الصالح کی بیوی شجرۃ الدر نے دانائی سے کام لیتے ہوئے ملک الصالح کی موت کو مخفی رکھا، اہم عہدے داروں کو اعتماد میں لیا اور ملک الصالح کے نام سے احکام جاری ہوتے رہے۔ سلطان ملک الصالح کے انتقال کو چند ہی دن ہوئے تھے کہ شجرۃ الدر کو دریائے نیل کے کنارے سلطانی افواج کے پسپا ہونے کی خبر ملی اس نے ملک بیبرس کو ایک لشکر کے ساتھ میدان میں بھیجا جس کے پہنچتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ڈیڑھ ہزار صلیبی غرق ہوئے، ہزار قتل ہو گئے صرف کشتی کے چند مجروح جان بچا کر دمیاط پہنچ سکے۔ اس شکست نے عیسائیوں کی کمر توڑ دی۔ شاہ

ہوئیں مسلمانوں کے حسب منشا شرائط کے دس سالہ معاہدہ پر دستخط کرنے کے لیے مجبور ہو گیا معاہدہ کے بعد وہ چار سال تک ساحل عکہ پر مقیم رہ کر یروشلم کو آزاد کرانے کیلئے تڑپتا رہا۔ لیکن آخر کار ۱۲۵۴ء میں نامراد واپس لوٹ گیا اور اس طرح ایک اور صلیبی مہم نیل کی موجوں میں دم توڑ گئی۔ اس جنگ میں تیس ہزار عیسائی مارے گئے ان کے ۲۳ ہزار سپاہی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ خود لوئیس معہ اپنے بھائی اور امرائے فوج کے مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا۔ اور دس ہزار زرِ سرخ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔

تاتاری اور فرنگی اتحاد

محرم ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں مشرق سے اٹھنے والا تاتاری سیلاب ہلاکو خان کی سرکردگی میں بغداد پہنچا۔ اس نے آخری عباسی خلیفہ مستعصم کو قالینوں میں لپٹا کر مروا دیا اور اس کی عظمت کو لوٹ لیا۔ ہیرالڈ لیم لکھتا ہے۔

صلیبیوں نے مملوک مصر کے ہاتھوں جو شکست فاش کھائی تھی اس کا بدلہ لینے کے لیے شاہ آرمینیا ہیثوم اور شاہ انطاکیہ بوہمنڈ ششم نے ہلاکو خان سے رابطہ پیدا کر کے فلسطین پر حملہ کے لیے اکسایا اور خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ عکہ پہنچ گئے۔ ہلاکو خان نے اسی معاہدہ وداد کے تحت دمشق کی کئی مساجد عیسائیوں کے سپرد کر دیں۔ جنہیں انہوں نے گرجوں میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد ہلاکو خان نے پیش قدمی کی۔ لیکن ۱۲۵۹ء میں وہ سرحد فلسطین ہی تک پہنچ پایا تھا کہ منگو خان خاقان اعظم کی موت کی خبر ملی اور وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہو گیا۔ البتہ جاتے ہوئے کتبغا کی نگرانی میں دس ہزار تاتاری فوج صلیبیوں کی مدد کے لیے چھوڑ گیا۔ کتبغا یروشلم سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ مگر غزہ کے میدان میں الملک الظاہر بیبرس نے عیسائیوں اور تاتاریوں کے متحدہ لشکر کو زبردست شکست دی، اس کے بعد تاتاری بلاد فلسطین و شام سے نکل گئے۔ بیبرس آگے بڑھ کر دمشق پر قابض ہو گیا اور اس کا ستارہ چمکنے لگا یہ ۱۲۶۰ء کا واقعہ ہے۔

مملوک مصر

الملک الظاہر بیبرس الملک العادل کے پوتے الملک الصالح حاکم مصر کا مملوک تھا۔ ملک الصالح کا انتقال ہوا تو صلیبی قاہرہ کے قریب منصورہ میں مصری فوجوں سے نبرد آزما تھے۔ اس نازک

موقعہ پر ملک الصالح کی بیوی شجرۃ الدر نے صورت حال کو دانائی اور زیرکی سے سنبھالے رکھا جب تک امراء سے ملک الصالح کے بیٹے توران شاہ کی بیعت نہ لے لی، ملک الصالح کی موت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ لیکن توران شاہ نے شجرۃ الدر سے بدسلوکی اور اپنی بحریہ کی تحقیر و تذلیل کی تو امراء نے اسے قتل کر کے شجرۃ الدر کو تخت نشین کر دیا جس نے اپنے سپہ سالار معز الدین سے شادی کر لی لیکن معز الدین بھی ۶۵۵ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اور اس کے بیٹے نور الدین کو تخت نشین کیا گیا۔ اس سارے عرصے میں ملک الظاہر نے جو ایک جرنیل تھا تمام حاکموں کی پوری اطاعت کی۔ اور اپنی جنگی قابلیت کی بناء پر ان کا منظور نظر بنا رہا۔ لیکن جب نور الدین کے بعد سیف الدین قطز تخت نشین ہوا تو اس نے قطز کو معزول کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور ۲۶۲ھ میں بامراللہ کو خلیفہ قرار دے کر مصر میں عباسی خلافت کو زندہ کیا۔

غزہ کے میدان میں شکست (۱۲۶۰ء) کھانے کے بعد صلیبیوں کے پاس انطاکیہ سے حصن الاکراد تک ساحل سمندر پر کئی قلعے بچ گئے تھے۔ ملک الظاہر اندرونی انتظامات و اصلاحات سے فارغ ہو چکا تو اس نے صلیبیوں پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ الملک الظاہر کو بھی سلطان صلاح الدین کی طرح ہر وقت جہاد کا شوق رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے ہی سال (۶۶۵ھ میں) صلیبیوں سے قیصریہ، عثلیث، حیفہ اور ارسوف کے قلعے چھین لیے اور دوسرے سال یافہ، بطورت فتح کیے اور بعض دوسرے قلعوں پر قابض ہو گیا۔ یہ خبر جب یورپ پہنچی تو شاہ فرانس لوئیس نہم نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن جیسے ہی وہ ۱۲۷۰ء میں ساحل تیونس پر اترا اسے اور اس کی افواج کو طاعون نے گھیر لیا۔ شاہ فرانس اسی مرض سے مر گیا۔ اس مہم میں شاہ انگلستان ایڈورڈ اول بھی شریک تھا۔ وہ عکہ پہنچ چکا تھا کہ اسے شاہ فرانس کی موت کی خبر ملی جس سے وہ بددل ہو کر واپس لوٹ گیا۔

الملک الظاہر بیبرس نے ۱۲۷۱ء میں حصن الاکراد اور عکہ کے سامنے مونٹ فورٹ کے قلعے بھی فتح کر لیے اور عیسائی حملہ آوروں کے غرور کو توڑنے کے لیے آرمینیوں اور ایشیائے کوچک کی طرف بڑھا۔ وہ ایشیائے کوچک میں مصروف جنگ تھا کہ ۱۲۷۷ء میں منگول دریائے فرات کے اس پار سے حملہ آور ہوئے لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور ملک الظاہر کے ہاتھوں انہیں دوبارہ ہزیمت اٹھانا پڑی۔

ملک الظاہر اس جنگ میں زخمی ہو گیا تھا ۔ وہاں زخموں سے جانبر نہ ہو سکا اور ۱۲۷۷ء میں انتقال کر گیا ۔ اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن سلطان قلاوون نے اسے علیحدہ کر کے خود سلطنت پر قبضہ کر لیا

ترکانِ عثمان

ملک الظاہر کی آخری جنگوں میں منگولوں کے خلاف ایشیائے کوچک کے ترکانِ عثمان نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا ۔ نتیجۃً قدرت نے انہیں ایشیائے کوچک کی سلطنت دی ۔ دوسری طرف ایران میں آل خانی سردار اباقا خان نے حکومت قائم کر لی ۔ سلطان قلاوون کے عہد میں آل خانی سردار اباقا خان نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کی ۔ اور عیسائیوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی ۔ نتیجۃً جارجیا اور آرمینیا کے تیس ہزار عیسائی اس کے پرچم تلے جمع ہو گئے ۔ شامی عیسائی بھی رفیقِ سفر ہوئے اور یہ مشترکہ لشکر ۱۲۸۱ء میں وادیٔ حما میں نمودار ہوا ۔ حمص کے قریب سلطان قلاوون کی فوجوں سے معرکہ آرائی ہوئی ۔ لیکن ایک خونریز جنگ کے بعد اباقا خان شکست کھا کر بھاگ گیا ۔ سلطان قلاوون کے الفاظ میں اگر فرشتے مدد نہ کرتے تو فتح ناممکن تھی ۔"

عیسائیوں پر قبضہ

اباقا خان کی واپسی کے بعد صلیبیوں کی شامت آ گئی ۔ اور ۱۲۸۹ء میں سلطان نے المرقب اور طرابلس کے عیسائی قلعوں پر قبضہ کر لیا ۔ عکہ کی طرف پیش قدمی جاری تھی کہ سلطان کا انتقال ہو گیا ۔ اور اس کا بیٹا الملک الخلیل جانشین ہوا ۔ الملک الخلیل نے باپ کی مہم کو زور و شور سے جاری رکھا اور وسط مئی ۱۲۹۱ء میں شہر عکہ کا محاصرہ کر لیا ۔ محصور صلیبیوں نے پہلے تو مقابلہ کیا ۔ لیکن جب کامیابی کی کوئی امید نہ رہی تو جہازوں میں فرار ہونے لگے جن میں سے کئی جہاز ساحل کے قریب ہی غرقاب ہو گئے کئی مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور عکہ فتح ہو گیا اس جنگ میں تیس ہزار عیسائی مارے گئے صلیبیوں سے عکہ کیا خالی ہوا کہ فلسطین عیسائیوں سے خالی ہونے لگا

مارچ [illegible] میں پوپ نکولس نے اطالوی بیڑا بھیجا اور قبرص سے شاہ ہنری ساحل فلسطین کی طرف بڑھا مگر دونوں ناکام لوٹے ۔ اس مرتبہ صلیبیوں کو ایل خان ارغون منگول کا تعاون حاصل تھا، لیکن اس کے انتقال کے ساتھ ہی عیسائیوں کے رہے سہے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ساحل

فلسطین پر عتلیت اور طرطوس کے قلعے بھی مسلمانوں کے حوالے کر کے لوٹنے پر مجبور ہو گئے

۱۲۹۹ء میں منگول تیسری مرتبہ ال خان غزن کی قیادت میں دریائے فرات کو عبور کر کے حملہ آور ہوئے اور مملوکوں کو شکست دے کر ۱۳۰۰ء میں دمشق پہنچ گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ال خان غزن کو بھی صلیبیوں نے بلایا تھا۔ وہ مزید حمص تک قابض ہو گیا تھا۔ لیکن صلیبی نہ پہنچ سکے اور وہ مایوس ہو کر فروری ۱۳۰۰ء میں مفتوحہ علاقے خالی کر کے لوٹ گیا۔ ۱۳۰۴ء میں ال خان غزن مر گیا۔ اور اس کا جانشین مسلمان ہو گیا۔ یوں منگول خطرے سے بیت المقدس کو مستقل طور پر نجات مل گئی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بار بار کی شکستوں سے صلیبیوں کے حوصلے بہت پست ہو چکے تھے۔ لیکن بیت المقدس کو کافروں سے نجات دلانے کی آرزو باقی تھی۔ چنانچہ ۱۲۹۱ء سے ۱۳۱۰ء کے درمیانی عرصے میں مختلف حلقوں میں صلیبی جہاد کے نعرے گونجتے رہے۔ شاہ انگلستان ایڈورڈ ثانی اور شاہ فرانس فلپ دی لیبر نے صلیبی جہاد کے لیے عشر بھی وصول کیا۔ اور نئے منصوبے بھی بنائے مگر وہ جنگ پر نہ جا سکے۔ دریں اثنا ترکوں نے دریائے والگا سے ایشیائے کوچک تک اور دریائے فرات سے دریائے نیل تک اپنی دفاعی حیثیت مضبوط کر لی۔ ہیرلڈ لیم اجنبی دیوی کے عام میں لکھتا ہے

"ہم یروشلم کی صلیبی ریاست کو بحال نہ کر سکے جس کے لیے صدیوں تک ہمارے آباؤ اجداد برسرپیکار رہے اور آج بھی وہ ہر دم کے سامنے تصویر خواب ہیں۔"

۱۳۶۵ء۔۶۷ء میں پیٹر آف سائپرس، وینس اور مالٹا کے پوپ وغیرہ مجاہدین کو مصر و شام میں لڑتے رہے۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ اس کے بعد بھی بہت سے پوپوں نے مذہبی جنگ کی تبلیغ کی۔ مگر یورپ میں کہیں کوئی حرارت پیدا نہ ہوئی۔ البتہ ۱۴۵۳ء میں جب محمد ثانی نے قسطنطنیہ فتح کیا تو یونانی نے قسطنطنیہ واپس لینے کے لیے اپنی جنگ کو مذہبی رنگ دے دیا۔ نتیجۃً یورپ کے صلیبی اس سے آ ملے لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے اور یوں تین سو سال تک بلندی پر پرچم کو سرنگوں کرنے کی صلیبی جدوجہد دم توڑ گئی۔ اور سلیمان اعظم اول نے تو ان کے سارے عزائم ختم کر دیے

۱۵۱۷ء میں ایشیائے کوچک کے ترکان عثمانی نے مصر و فلسطین پر قبضہ کیا تو بیت المقدس بھی ترکی کے زیر اقتدار چلا گیا۔ اس وقت سلطان سلیم اول ترکان عثمانی کا قائد تھا۔ پھر ایک مختصر سے

عرصے کے علاوہ جس میں نپولین بوناپارٹ نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تھا یہ مقدس شہر پہلی جنگ عظیم تک ترک سلطنت کے زیر انصرام رہا۔ ترک دور حکومت میں بیت المقدس اپنی شان و عظمت کے لحاظ سے عروج پر پہنچ گیا تھا۔

۱۵۳۶ء میں سلطان سلیمان اعظم نے شہر کی موجودہ فصیل کی تعمیر شروع کرائی، جو سات سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی۔ یہ فصیل چھوٹی اینٹوں سے بنائی گئی، اور کہا جاتا ہے کہ فصیل کی تعمیر کی نگرانی دو بھائیوں کے سپرد تھی۔ جنہوں نے باب الخلیل (یافا گیٹ) سے مختلف سمتوں کی طرف تعمیر کے کام کا آغاز کر دیا۔ اور اس کی تکمیل پر سات سال بعد ان کی ملاقات سینٹ اسٹیفن گیٹ پر ہوئی۔ فصیل کا گھیراؤ ڈھائی میل ہے۔ اور پیمائش کے لحاظ سے ۱۲۲۵۰ فٹ بنتی تھی۔

جولائی ۸ے ء میں ترکی نے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ (HOLY SEPULCHER) مزار مقدس شاہ فرانس کی تحویل میں دے دیا۔ ۱۸۰۸ء میں اس گرجا میں آتشزنی کی واردات ہوئی۔ جو بعض وقائع نویسوں کے مطابق یہودیوں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ ۱۸۴۷ء میں برطانوی وزیر اعظم لارڈ ڈسرائیلی بیت المقدس آیا۔ اور اس کے اسی دورہ مشرق وسطی کے بعد اس علاقے میں وہ فتنے جنم لینے لگے جو بعد میں خلافت عثمانیہ کی موت کا باعث ہوئے۔

مصر کا قبضہ:

۱۰ دسمبر ۱۸۳۱ء کو خدیو مصر محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم نے قونیہ میں ترک فوجوں کو شکست دے کر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ مگر مئی ۱۸۳۳ء کو ایک صلح نامہ کے ذریعہ محمد علی پاشا نے شام، فلسطین اور مصر کی گورنری کے عوض سلاطین کو خراج ادا کرنا منظور کیا۔ ۱۸۳۹ء میں پہلا برطانوی قونصل بیت المقدس آیا۔ اس سے ایک سال بعد فرانس کی شہ پر محمد علی نے خلافت عثمانی سے بغاوت کر دی۔ لیکن شکست کھا کر شام و فلسطین سے ہاتھ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ البتہ فرانس نے مقامی عیسائیوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنے کا حق حاصل کر لیا۔ مگر چند ہی سال بعد رومی اور یونانی عیسائیوں میں شدید چپقلش ہوئی۔ فرانس نے لاطینیوں کی اور روس نے یونانیوں کی حمایت کی۔ بعض مورخین اسی حادثہ کو جنگ کریمیا کا سبب قرار دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں روس کو سلطنت عثمانیہ میں مقیم عیسائی رعایا کا محافظ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ لیکن بالآخر ۱۸۵۶ء کو سلطان ترکی نے اپنی غیر مسلم رعایا

کی حفاظت کا ذمہ اپنے سر لے لیا اور اپریل ۱۸۵۹ء میں خط ہمایوں یعنی فرمان شاہی کے ذریعہ مسلم رعایا کے حقوق برابر قرار دیے گئے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو حرم شریف میں آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن وہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے

یہودی نو آبادیاں

تاریخ بتاتی ہے کہ اس اجازت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودیوں نے اپنی نو آبادیاں قائم کرنا شروع کر دیں۔ اور یہی وہ دور ہے کہ جب عالمی صیہونیت نے اپنی سازشوں کا آغاز کیا۔ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں عیسائیوں اور یہودیوں سے ہمیشہ فراخدلانہ سلوک کیا ہے۔ لیکن ان اقوام نے اس حسن سلوک کے بدلے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی ہیں۔ فلسطین بھی ان کی سازشوں سے محفوظ نہ رہا۔

۱۸۵۹ء میں سلطان محمود ثانی نے فلسطین کا دورہ کیا تو وہ بیت المقدس بھی آئے۔ انہوں نے مقدس مقامات کی زیارت کی۔ اور یہودیوں کی ان شکایات کا جائزہ لیا جو وہ اکثر سلطانی عمال کے بارے میں کرتے رہتے تھے۔ لیکن تمام شکایات بے بنیاد اور غلط ثابت ہوئیں۔

۱۸۶۲ء میں ایڈورڈ ہفتم زیارت کے لیے آیا۔ ۱۸۹۶ء میں بیت المقدس میں امریکی مشن نے اندھوں کا اسکول جاری کیا اور یہ پہلا غیر ملکی ادارہ تھا۔ اسی دور میں یہودیوں نے سلطان عبدالحمید کو پیشکش کی کہ فلسطین میں یہودیوں کو اراضی خریدنے کی اجازت دے دی جائے۔ تو وہ نہ صرف ترکی کے تمام قرضے ادا کر دیں گے بلکہ آئندہ بھی اسے ضرورت کے مطابق مالی امداد دیں گے۔ لیکن غیور و جسور سلطان عبدالحمید نے صیہونی رہنما ہرزل کو کہلوا بھیجا کہ وہ اس خیال کو ذہن سے نکال دے۔ جب تک عثمانی سلطنت کا ایک غیور فرد بھی زندہ ہے اس کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔ یہودی اگر ساری دولت بھی دیں تو میں اس کے عوض فلسطین کی ایک انچ زمین بھی، جو کسی مسلمان کے تصرف میں ہے دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس جواب کے بعد صیہونیوں نے اپنی تمام توجہ سلطان مرحوم کے ذاتی دوست قیصر جرمنی ولیم پر مرکوز کر دی۔ اور اسے زبردست مالی وسیع امداد کی پیشکش کے عوض سلطان کو اس امر پر رضامند کرنے کے لیے کہا۔ قیصر ولیم ثانی نے اپنے بعد دورہ ترکی کے دوران اس کی کوشش بھی کی مگر سلطان اپنے موقف سے نہ ہٹے

آخری صلیبی جنگ

تاریخ بتاتی ہے کہ جرنل کے پیامبر نے سلطان کا مسکت جواب سنا تو اس نے مسلمانوں کو برے انجام کی دھمکی دی تھی چنانچہ اپریل ۱۹۰۹ء میں وہ لمحہ آپہنچا جب انجمن اتحاد و ترقی نے سلطان کو معزول کر کے محمد رشاد کو خلیفہ بنایا۔ اس کے دور خلافت ترکی نے نیا آئین دے کر شام و فلسطین کی خودمختاری تسلیم کر لی لیکن درپردہ برطانیہ ترکوں کے زیر اقتدار عرب علاقوں میں لارنس آف عریبیہ کے ذریعے اپنا اثر و رسوخ قائم کر چکا تھا۔ اور اس نے یہودیوں کو بھی کاندھا دیا تھا، اس کے نتیجے میں عربوں نے ہر جگہ ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی اور پہلی جنگ عظیم کے دوران اس صورت حال سے پریشان ہو کر ۸ اور ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کی درمیانی رات ترکوں نے بیت المقدس خالی کر دیا۔ ۹ دسمبر کی صبح جنرل شیا (SHEA) لشکر کا نمبر ۶۰ ڈویژن بیت المقدس پہنچا۔ ترکوں نے دوپہر کے وقت شہر کی چابیاں اس کے حوالے کر دیں، ۱۱ دسمبر کو جنرل ایلن بی مصری اور فلسطینی افواج کے ساتھ یافا گیٹ سے بیت المقدس میں داخل ہوا اور صلاح الدین ایوبی کا شہر مقدس ایک بار پھر عیسائیوں کے قدموں تلے آ گیا اور اس مرتبہ مصری اور فلسطینی اس کی مدد کر رہے تھے۔

(انا للہ و انا الیہ راجعون)

برطانوی ذمہ داران سلطنت نے اسے آخری صلیبی جنگ قرار دیا ہے اسے تیرھویں صلیبی جنگ کہا جا سکتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں ہے کہ ایلن بائی کے داخلہ یروشلم سے پہلے ۷۳۰ برس تک یروشلم نے کبھی کسی عیسائی فاتح یا برطانوی سپاہی کو نہیں دیکھا تھا۔ برطانیہ کے وزیر اعظم چرچل نے اپنی تاریخ عظیم جنگ (THE GREAT WAR) میں لکھا ہے کہ ۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ترک بیت المقدس سے دست بردار ہو گئے ان کے چار سو سالہ منحوس دور کے بعد برطانوی کمانڈر انچیف باشندگان بیت المقدس کے واہ واہ مرحبا کے نعروں کی گونج میں شہر میں داخل ہوا

مسٹر ہلسن تاریخ جنگ جلد ۲۲ کے صفحات ۱۳۵ ، ۱۳۶ پر فرد افساد میں یوں رقمطراز ہے کہ

''آخری صلیبی جنگ اب اپنے عروج پر تھی اور اگر سینٹ لوئی اور رچرڈ شاہ انگلستان اس حیرت افزا افواج کو دیکھتے تو ان کی روحیں متحیر ہو جاتیں کیونکہ اس کا بہت ہی قلیل حصہ مغربی اقوام (یورپین)

پر مشتمل تھا۔ الجیری اور ہندی مسلمان، عرب قبائل ہندوستان کے ہزارہا فرقوں کے ماننے والے افریقی حبشی اور یہودی فوج ان لوگوں میں شامل تھیں جنہوں نے نصاریٰ کے مقدس شہر کو آزاد کرایا"

وائے حسرت! وہ مسلمان جنہیں بیت المقدس کی حفاظت کرنا تھی، نصاریٰ و یہود سے مل گئے تھے۔ اعداد و شمار کے مطابق جنگ عظیم اول میں شام و عراق اور فلسطین وغیرہ میں مسلمان سپاہی برطانوی فوج کی کل تعداد کا ۲۵ تھے۔

مسٹر جارج ناوٹن سٹڈ ورڈ اپنی کتاب "گرانڈ ورک آف برٹش ہسٹری" کے ص ۱۵۷ پر لکھتا ہے کہ:

"بیت المقدس ۱۱۸ء کے پہلی مرتبہ ایک عیسائی ملک کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ جنرل ایلن بائی بڑے دن (کرسمس) سے ایک ہفتہ قبل باضابطہ طور پر بیت المقدس میں داخل ہوا"

یہی مصنف صفحے ۱۵۷ پر بتاتا ہے کہ

"قریب قریب اسی وقت جنرل ایلن بائی نے فلسطین میں شاندار پیش قدمی کی اور پیش قدمی کے انصرام کا سہرا خاص طور پر ہندوستانی افواج کے سر ہے۔"

مسٹر لوول ٹامسن اپنی کتاب "عرب میں لارنس کے ہمراہ" کے صفحہ ۱۸ پر احسان جتاتے ہیں کہ

ایلن بائی نے فلسطین کو آزاد کرایا۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس سرزمین ہے۔ لارنس نے عرب کو آزادی دلوائی۔ جو لکھوکھا مسلمانوں کی متبرک سرزمین ہے۔

برطانوی وزیراعظم لائیڈ جارج پارلیمنٹ میں چیخے

"آج ہم نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا ہے۔"

بیت المقدس کی فتح کے بعد جنرل ایلن بائی کو حکومت برطانیہ نے علاوہ دیگر اعزازات کے پچاس ہزار پونڈ انعام دیا۔ اور جارج پنجم نے اس کی خدمات کا بطور خاص اعتراف کیا

عیسائیوں کا بیت المقدس پر قبضہ

ایک مستند راوی جس کا حوالہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے، کہتا ہے کہ بیت المقدس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتح سے ۴۹۱ھ تک مسلمانوں کے قبضے میں رہا اس سال

عیسائیوں نے اسے فتح کیا اور مسلسل سات یوم تک مسلمانوں کی بڑی تعداد کو بے دریغ تہ تیغ کر کے جام شہادت پلایا۔ انہوں نے مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کیا۔ اور صخرہ سے سونے چاندی کے برتن اور بے شمار مال و دولت جو محفوظ صندوقوں میں بند تھا، نکال کر لے گئے لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کو خدائے تعالیٰ نے بیت المقدس کی مکمل آزادی کے لیے مامور کیا کیونکہ سب سے زیادہ شیر دل اور دہکتی ہوئی آگ کا پتلا تھا مگر آہ! بیت المقدس پھر غلام ہو گیا۔ اور اسکا سقوط ترکی کے زوال میں معاون ہوا۔

ترکوں کے دور میں بیت المقدس کی خوشحالی

ترکوں کے عہد میں اس شہر نے زبردست ترقی کی اور اس مقدس شہر میں منکرات پر مکمل پابندی عائد رہی۔ مقدس یروشلم کا امریکی مصنف ایڈون ایس وٹس جو انیسویں صدی کے آخری سالوں میں یروشلم میں امریکی قونصلیٹ کے طور پر رہ چکا ہے۔ اس دور کے بیت المقدس کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

قدیم شہر ۲۰۹ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ جس میں مسجد بھی شامل ہے۔ شہر کا کل نقشہ ہیرود اور اس کے جانشینوں کے دور سے مختلف ہے۔ گلیاں تنگ اور عمارتیں قریب قریب واقع ہیں۔ بعض مقامات پر قدیم محراب اور عمارتیں اب تک قائم ہیں۔ لیکن انسان ان کے قریب سے بے خبر گزر جاتا ہے۔ اہم شاہراہیں، جن کا تذکرہ ضروری ہے۔ ان میں سے ایک داؤد سٹریٹ یافا گیٹ سے جاتی ہے۔ کرسچین سٹریٹ داؤد سٹریٹ سے کلیسائے نشور تک جاتی ہے۔ اور ایک تیسری گلی شمال کے باب دمشق کو جنوب کے صیہون گیٹ سے ملاتی ہے۔ قدیم شہر میں بہت کم جگہ خالی نظر آئے گی۔ گو یہ شہر ۲۰۹ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے لیکن ۳۵ ایکڑ رقبہ تو مسجد اقصیٰ نے گھیر رکھا ہے۔ اتنی ہی جگہ فوجی بیرکوں نے گھیری ہوئی ہے۔ اور اس سے دگنی جگہ مختلف مذاہب کے اوقاف، مساجد، گرجا گھروں اور دوسری عمارتوں نے گھیری ہوئی ہے۔ اور یہ بطور رہائش گاہ کے استعمال نہیں ہوتی۔ اس سے پتا چلتا ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۵۵ ہزار آدمی ایک سو ایکڑ میں آباد ہیں۔ اس کے بازاروں میں ہر رنگ، نسل اور ہر زبان و مذہب کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں

اس شہر کا دوسرا نمایاں پہلو یہ ہے کہ جدید طرز رہائشی و تجارتی عمارتیں نظر آتے ہیں۔ کوئی محلہ یا گلی ایسی

تبدیل جہاں مسجد یا گرجا نہ ہو۔ مسجد اقصیٰ کے علاوہ شہر میں ۳۷ مساجد اور ہیں اور چھوٹے بڑے گرجوں اور راہب خانوں کی تعداد ۱۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر گھنٹہ بعد شہر کی فضا عبادت کے لیے بجتی ہوئی گھنٹیوں سے گونج اٹھتی ہے۔ اس کے علاوہ مساجد کے بلند میناروں سے دن میں پانچ مرتبہ اذان کی صدا مسلمانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتی سنائی پڑتی ہے

شہر کا انتظام کے لیے سلطان ترکی نے پاشا کو مقرر کر رکھا ہے۔ جس کی انتظامی کونسل ۹ مسلم، ایک یہودی اور ایک عیسائی رکن پر مشتمل ہے۔ ہر بڑی مملکت کے کونسلیٹ شہر میں موجود ہیں ایسے تمام امور میں جن میں فریقین غیر ملکی ہوں، مقدمہ کی سماعت منسوب اپنے ملک کا کونسلیٹ کرتا ہے۔ لیکن اگر ایک فریق مقدمہ ترک ہو تو مقدمہ کی سماعت مقامی عدالت کرتی ہے۔

شہر میں کسی نمائش کے لیے جگہ نہیں نہ کوئی اوپیرا ہوتا ہے۔ نہ کھیل یا کنسرٹ کی اجازت ملتی ہے۔ بازار غروب آفتاب کے ساتھ ہی بند ہو جاتے ہیں۔ مقامی لوگ جلد سونے اور طلوع آفتاب سے قبل جاگ اٹھنے کے عادی ہیں۔ دور جدید کی تہذیبی ترقی نے شہر پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ سرشام ہی شہر کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

اس کے بعد مصنف نئے یروشلم کا ذکر کرتا ہے۔ جو فصیلوں کے باہر آباد تھا۔ لکھتا ہے کہ قدیم شہر کی دیواروں سے باہر شمال اور مغرب میں گزشتہ چند سالوں سے ایک نیا شہر جنم لے رہا ہے۔ اس جدید تر شہر نے مختصر عرصہ میں زبردست ترقی کی ہے۔ اور اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ گو فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری ہے۔ اس کے باوجود وہ مسلسل آ رہے ہیں۔

۱۸۳۸ء میں ڈاکٹر رابنسن کے مطابق شہر کی آبادی ۱۱ ہزار تھی۔ جن میں سے تین یہودی تھے۔ ۱۸۷۹ء میں ڈاکٹر شٹ اور جارج ولیم کے اندازے کے مطابق یہ دگنی ہو گئی۔ بعد کے ۲۵ سال میں ان کی آبادی میں دس گنا اضافہ ہوا ہے۔ اور وہ اپنے شہر کو پھر سے یہودی شہر بنانے کی فکر میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔

برطانوی انتداب

ولسن کی یہ کتاب ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی اور اس میں واضح طور پر یہودیوں کے عزائم سامنے آ چکے تھے۔ اس کے باوجود عربوں نے حالات کے رخ کو نہ سمجھا اور اپنی سادہ لوحی میں اس کا

شکار ہو گئے ۔ تاریخ شاہد ہے برطانیہ نے عربوں کو اس جنگ میں دجل و فریب سے اپنے ساتھ ملا یا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے بعد ان کی مرضی کے مطابق حکومت قائم کی جائے گی لیکن ۱۹۲۰ء کی صلح کانفرنس میں فلسطین برطانیہ کے زیر انتداب علاقہ قرار دے دیا گیا ۔ اور سر رابرٹ سیموئیل یہودی ہائی کمشنر مقرر ہو کر بیت المقدس پہنچا اس کے ساتھ ہی صیہونی عزائم تکمیل پانے لگے ۔ اسکے شواہد موجود ہیں کہ سر رابرٹ سموئیل جو خود یہودی تھا نے کھل کر صیہونیت کا ساتھ دیا ۔ اس کی روش پر تنقید کرتے ہوئے برطانیہ کے ایک معتدل مزاج مصنف نے لکھا تھا

"اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ دنیا سر رابرٹ سیموئیل کو برطانوی ہائی کمشنر کے طور پر بیت المقدس بھیجنے کے پس منظر میں کارفرما سازشوں سے بے خبر ہے تو یہ اس کی حماقت ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ سیموئیل کی تقرری نے برطانیہ کی حیثیت کو نازک بنا دیا ہے ۔"

بہر حال اسکی آمد کے ساتھ ہی فلسطین میں یہودیوں کے داخلہ کی رفتار تیز تر ہو گئی ۔ اور وہ برطانیہ کی شہ پر خوب کھل کر کھیلے ۔ آخر ۱۹۳۶ء کے موسم بہار میں عرب ہائی کمیٹی قائم ہوئی جس کی اپیل پر برطانیہ کے مسلم کش رویہ اور یہودی داخلہ کے خلاف چھ ماہ تک یادگار زمانہ ہڑتال رہی ۔ اس کمیٹی کے صدر یروشلم کے مفتی اعظم الحاج امین الحسینی آفندی تھے ۔ حکومت برطانیہ نے مفتی اعظم کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کر دیئے ۔ آپ مسجد اقصیٰ میں معتکف ہو گئے ۔ برطانوی سپاہیوں نے مسجد کا محاصرہ کر لیا ۔ لیکن مفتی اعظم بھیس بدل کر اس محاصرہ سے نکلے اور شام سے ہوتے ہوئے لبنان جا پہنچے ۔ اسی سال یہودیوں نے صیہونی ایجنسی قائم کر کے حکومت برطانیہ کے تعاون سے اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا ۔ یہودی فلسطین کو صیہونی ریاست بنانا چاہتے تھے ۔ نتیجتاً ملک گیر فسادات شروع ہو گئے ۔ نتیجتاً بیت المقدس کی گلیاں متعدد بار انسانی خون سے لالہ زار ہو گئیں اور برطانیہ کی حمایت سے یہودی دن بدن زور پکڑتے گئے

مولوی محمد عاشق الٰہی میرٹھی نے زیارۃ القدس و شام (۱۳۴۹ھ) میں بتایا کہ قدس کی آبادی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے اندرون شہر فصیل سے محصور ہے ۔ جس کے سات دروازے ہیں غربی دروازہ باب الخلیل کہلاتا ہے جنوب میں دو دروازے ۔ باب داؤد اور باب المغاربہ مشرق میں باب الاسباط اور شمال میں تین دروازے ۔ باب الساھرہ ، (باب العمود) اور باب الجدید ہیں

فصیل سے باہر نیا شہر بنا ہے۔ مسجد اقصیٰ اور مسجد عمر کے علاوہ شہر میں شیخ محمد ابا صیری، شیخ قرمی، شیخ محمد، شیخ بایزید بسطامی، شیخ جلال الدین رومی، شیخ فرید، شیخ حسن کے مزار زیارت گاہ عوام ہیں مسجد اقصیٰ کی شرقی دیوار کے بالمقابل سیدنا شداد بن اوس انصاری اور عبادہ بن صامت کے مزارات ہیں کوہ طور زیتون کے دامن میں سید محمد علی کا مزار، اس سے متصل قبۃ شہداء، غربی جانب حضرت رابعہ عدویہ اور شرقی جانب حضرت سلمان فارسی مدفون ہیں۔ شہر کے شمالی جانب سیدنا عکاشہ، سیدنا تمیم اور مسجد کی شمالی فصیل کے قریب غار میں سیدنا سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہا اور شیخ حسن راعی کے مزارات ہیں۔

مولوی حفیظ الرحمن نے ''راہ وفا'' (۱۹۳۸ء) میں لکھا ہے

کردوں نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے زمینوں کے ٹکڑے وقف کر دیے تھے۔ جن پر ان ملکوں سے آنے والے زائرین کے قیام و رہائش کے لیے مسافر خانے تعمیر ہوئے۔ جو اب تک قائم ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر ہندوستان کے لیے مخصوص قطعہ اراضی پر خواجہ ناظر حسن انصاری نے زاویہ ہندی کے نام سے مسافر خانہ تعمیر کیا۔ قبرستان شہداء میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے شہید ساتھی دفن ہیں۔ صحن حرم میں مولانا محمد علی جوہر مدفون ہیں۔ اقتصادی، انفرادی، سیاسی اور مذہبی شعبوں پر حکومت برطانیہ کا اثر ہے۔ جس کی وجہ سے اس سرزمین قدس پر ہنگامہ دار و گیر برپا ہے۔ اور مسلمانوں کے حقوق، ان کی معبد گاہیں، جائیدادیں اور جان و مال خطرے میں ہیں۔ جس وقت سے برطانیہ نے چاروں طرف سے یہودیوں کو لا کر یہاں آباد کیا۔ مسلمانوں کی زرخیز زمینیں اور آباد محلے آج یہودیوں کے قبضے میں ہیں۔ حالانکہ آج سے ستر برس قبل الخلیل (ہیبرون) کو جاتے ہوئے قدس سے باہر یہودیوں کی ایک چھوٹی سی آبادی، مشورم (یعنی سوکھر) تھی۔ قدیم شہر میں تین نسلوں کے لوگ آباد ہیں۔ اور شہر میں مسجد اقصیٰ کے علاوہ ۳۸ مساجد ہیں

مسلمانوں کا قتل عام

۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ نے بیت المقدس اور اس کے مضافاتی علاقوں کو عالمی اہمیت کا علاقہ قرار دیتے ہوئے تقسیم فلسطین کے منصوبہ میں بیت المقدس کو بین الاقوامی حیثیت میں دینے کا

فیصلہ کیا تو یہودیوں نے اسکا استقبال کیا، لیکن عربوں نے اس ناانصافی کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف یہودیوں نے تقسیم فلسطین کا اعلان ہوتے ہی عربوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ مفتی اعظم فلسطین کی مختصر سی فوج آزادی لاکھوں یہودیوں سے نبرد آزما ہو گئی۔ یہودیوں کو عالمی صیہونی ایجنسی اور بعض ممالک چیکوسلواکیہ، یوگوسلاویہ، رومانیہ) اسلحہ فراہم کر رہے تھے۔ برطانوی حکومت نے بھی انہیں ٹینکوں سمیت جدید ترین ہتھیاروں سے لیس کیا۔ انہیں عرب علاقوں پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور عرب آبادی کو محفوظ مقامات پر پہنچانے کے بہانے شہروں کے شہر خالی کرا لیے۔ چنانچہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو جب برطانیہ رخصت ہوا۔ دیر یاسین، طبریہ، حیفہ، عکہ، سلمہ، بیسان، بیت المقدس (نیو شہر) صفد اور یافا جیسے شہر عرب آبادی سے بالکل خالی ہو چکے تھے۔

جنگ ۱۹۴۸ء

یہودیوں کی برطانیہ سے ملی بھگت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ برطانیہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ فلسطین ۱۴ مئی کو خالی کر دے گا۔ البتہ حیفا کی بندرگاہ سے افواج اگست میں جائیں گی۔ مگر اس کے برعکس اس نے حیفہ بھی ۱۴ مئی کو خالی کر دیا اور ۱۵ مئی کو اسلحہ اور بارود سے لدے ہوئے جہاز حیفہ کی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ہی یہودیوں کی ایک زبردست فوج نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ اخوان مجاہدین گزشتہ چار ماہ سے پرانے شہر میں یہودیوں سے نبرد آزما تھے۔ ان کے پاس ہتھیار بہت تھوڑے اور پرانے قسم کے تھے، لیکن اپنے جوش ایمان، خلوص نیت، شوق شہادت اور توکل علی اللہ کی بدولت وہ ڈٹے رہے۔ اس وقت مقامی آبادی کے علاوہ گرد و پیش کے تیس ہزار مسلمان بیت المقدس میں پناہ گزین تھے۔ چند ہفتے پہلے یہودی دیر یاسین میں قتل عام کر چکے تھے۔ القدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب یہ تھا کہ یہاں بھی دیر یاسین کی وحشتناک کہانی دہرائی جائے گی۔ اخوان کے پاس گولہ بارود کا آخری ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔ انہوں نے عرب لیجن سے مدد مانگی لیکن جنرل گلب پاشا نے بعض سیاسی اور مذہبی وجوہ کی بنا پر ایک فوجی تدبیر کی آڑ میں شہر کو خالی کرنے کا مشورہ دیا جسے اخوان نے مسترد کر دیا۔ اخوان دستوں کے قائد نے کہا

"یہودی ہماری لاشوں سے گزر کر ہی بیت المقدس میں داخل ہوں گے"

عرب لیجن کی طرف سے مایوس ہو کر بیت المقدس کی پوری مسلمان آبادی گھروں سے

نکل آئی رات بھر شدید جنگ ہوتی رہی ۔ اور صبح کے وقت یہودی پسپا ہونے لگے ۔ اردنی فوج کے ایک ذمہ دار افسر کو اس صورت حال کی خبر ملی تو جنرل گلب پاشا کی مخالفت کے باوجود یہودیوں کی تازہ دم فوج پہنچنے سے پہلے پہلے اردنی فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اخوان کے ثبات واستقلال اور سرفروشی نے بیت المقدس کو مسلمانوں کے لیے محفوظ کر لیا۔ جولائی کو یہودیوں نے دوبارہ حملہ کیا لیکن شدید جنگ اور زبردست جانی نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے۔ اس مرحلہ پر اقوام متحدہ کی قرارداد کے احترام میں عربوں نے ابھی ہتھیار رکھے ہی تھے کہ ۲۵ جولائی کو اسرائیل نے ایک زبردست حملہ کر کے بیت المقدس کے چوراسی فیصد رقبہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمان صرف قدیم شہر تک محدود ہو کر رہ گئے۔ ۲۹ اگست ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ نے بیت المقدس کو غیر مسلح قرار دینے کی قرارداد منظور کی۔ جسے اسرائیل نے مسترد کر دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ بیت المقدس کی حالیہ پوزیشن کو برقرار رکھا جائے۔ پھر چند یوم بعد اقوام متحدہ پر الزام لگایا کہ وہ اپنی قراردادوں پر عمل کرانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ بیت المقدس سے متعلق اقوام متحدہ کی تمام قراردادوں کو ماننے سے بالکل انکار کر دیا۔ اور بیت المقدس کو اسرائیلی دارالسلطنت بنانے کی باتیں شروع کر دیں۔

اقوام متحدہ نے ایک اور قرارداد کے ذریعے یہودیوں پر واضح کر دیا کہ وہ بیت المقدس کو دارالسلطنت نہیں بنا سکتے۔ لیکن اسرائیل نے اسے بھی نظر انداز کر دیا اور پارلیمنٹ کی منظوری سے بیت المقدس کو اسرائیل کا مستقل دارالسلطنت قرار دے کر وزارت خارجہ کے سوا اکثر دفاتر بیت المقدس منتقل کر دیے اور جون ۱۹۵۳ء میں وزارت خارجہ بھی بیت المقدس منتقل ہو گئی۔ ۹ جولائی ۱۹۵۲ء کو امریکہ نے بھی بہ جانب مشرقی جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، جاپان، ترکی، کینیڈا، آسٹریلیا، سوئٹزرلینڈ، چیکوسلواکیہ اور رومانیہ کی طرح اپنا سفارت خانہ تل ابیب سے بیت المقدس منتقل کر دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن اکثر ممالک کے سفارتی مشن بیت المقدس آ گئے

اسرائیل میں انضمام

۷ جون ۱۹۶۷ء کو اسرائیل نے قدیم بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ اور ۴ جولائی ۱۹۶۷ء کو اقوام متحدہ نے قرارداد نمبر ۲۲۵۳ ای ایس ۔ وی کے ذریعے بیت المقدس کو اسرائیل میں مدغم کرنے

کے اقدام کو غیر قانونی قرار دیا۔ اس قرارداد کے حق میں ۹۹ ووٹ آئے کسی نے مخالفت نہیں کی البتہ امریکہ اور اسرائیل غیر حاضر رہے ۱۴ جولائی کو جنرل اسمبلی نے اس قرارداد کی توثیق کی ۲۱ مئی ۱۹۶۸ء کو سلامتی کونسل نے اسرائیل کے رویے کی مذمت کی۔ اور ۳ اور ۱۴ جولائی کو قرارداد پر اصرار کرتے ہوئے اسرائیلی اقدام کو بین الاقوامی قانون اور رائے عامہ کے منافی قرار دیا مگر اسرائیل نے اقوام متحدہ کی ہر قرارداد اس کے منہ پر دے ماری اور آج بیت المقدس اسرائیلی ظلم و استبداد کا شکار اپنے ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا منتظر ہے۔

"لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا"

قرآن واحادیث میں بیت المقدس کا ذکر

بیت المقدس کو چونکہ اسلام میں بڑا عزاز اکرام حاصل ہے۔ اسی لیے اس کا ذکر قرآن واحادیث میں بکثرت ہے کہیں صراحۃً کہیں اشارۃً چنانچہ اس کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کے ذکر میں فرمایا

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الا قصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ (سورۂ بنی اسرائیل پ ۱۵ آیت ۱)

ترجمہ پاک ہے وہ رب جو لے گیا اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف کہ جس کے گردا گرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ تحقیق وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

فائدہ: مسجد الحرام سے خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس کی جگہ یعنی حرم اور مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس مراد ہے۔ اور اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ وہی واقعہ معراج ہے جس سے ہر مسلمان واقف ہے یہ محققین کے نزدیک ہجرت سے ایک سال پیشتر رجب کی ستائیسویں کو رونما ہوا مسجد اقصیٰ حضرت سرور کائنات ﷺ اور مسلمانوں کا پہلا قبلہ بھی رہ چکی ہے اس کے گرد و پیش اللہ تعالیٰ نے برکتیں نازل فرمائیں۔ وہ دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی جیسے کہ صاحب روح البیان نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہا

بیت المقدس کے گردا گرد دینی و دنیاوی برکتیں نازل کی ہیں کہ وہ وحی اور فرشتوں کے اترنے

کا مقام اور انبیاء کرام کے رہنے کی جگہ اور حضرت موسیٰ کے زمانے سے انبیاء کی عبادت گاہ اور انبیاء علیہم السلام کا قبلہ ہے۔ اور قیامت کو مخلوق اسی زمین میں محشور ہوگی۔ اور ہر طرف سے نہریں اور باغات گھیرے ہوئے ہیں۔

نوٹ : بیت المقدس کے اندر کی برکات و دیگر معلومات بیت المقدس کے آنے والے عنوان میں عرض کیے جائیں گے۔ (ان شاءاللہ تعالیٰ)

بیت المقدس کے نواح میں خدا کا مظہر تجلی جبل طور اور اسی میں مقدس وادی طویٰ ہے جس کا آیت ذیل میں خاص عزت و احترام کے ساتھ ذکر ہے۔

فلما قضی موسی الاجل و سار باھلہ انس من جانب الطور نارا قال لاھلہ امکثوا انی انست نارا لعلی اتیکم منھا بخبر او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون۔

(پ ۲۰ سورۃ القصص آیت ۲۹)

ترجمہ: جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے طور کی جانب ایک آگ دیکھی۔ اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں اس کے پاس سے کوئی خبر یا چنگاری لے آؤں۔

فائدہ: اس آیت میں وہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام (جو آپ کو مدین جاتے ہوئے پیش آیا) کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احوال کا بیان فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام جو دین لے کر آتے ہیں وہ ادائے فرائض نبوت و رسالت میں کس قدر مشقتیں برداشت کرتے اور کیسے کیسے شدائد پر صبر فرماتے ہیں۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس سفر کا واقعہ بیان فرمایا جاتا ہے جب مدین سے مصر کی طرف حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت لے کر اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ آپ کے اہل بیت ہمراہ تھے اور آپ نے بادشاہانِ شام کے اندیشے سے شہر کو چھوڑ کر جنگل میں قطع مسافت اختیار فرمائی۔ بی بی صاحبہ حاملہ تھیں۔ چلتے چلتے طور کے غربی جانب پہنچے یہاں رات کے وقت بی بی صاحبہ کو درد زہ شروع ہوا یہ رات اندھیری تھی برف پڑ رہی تھی۔ سردی شدت کی تھی آپ کو دور سے آگ معلوم ہوئی

فلما اتاھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان

یموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین (پ۲۰ سورۃ قصص رکوع۳ آیت ۳۰)

ترجمہ: پھر جب آگ کے پاس گئے تو برکت والی زمین میں وادی ایمن کے کنارے درخت کی طرف سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہانوں کا

فائدہ: یہ وادی طویٰ وہی مقدس وادی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نعلین مبارک اتارنے کا حکم ہوا۔

اذ رای نارا فقال لاھلہ امکثوا انی انست نارا لعلی اتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی ○ فلما اتاھا نودی یموسیٰ ○ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی ○ (پ۱۶ سورۃ طٰہٰ رکوع۱ آیت ۱۰ تا ۱۲)

ترجمہ: اس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے سلگا کر یا پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ، پھر جب پہنچا آگ کے پاس آواز آئی اے موسیٰ میں ہوں تیرا رب سو اتار ڈال اپنی جوتیاں تو ہے پاک میدان طویٰ میں۔

فائدہ: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جس وادی طویٰ کا ذکر ہے یہ فلسطین کی وادی ہے جو یکے بعد دیگرے دو مرتبہ پاک و مقدس کی گئی۔ (درمنثور)

انتباہ: اس قصہ کے مختلف اجزاء سورۃ قصص، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ اعراف میں سے جمع کیے جا سکتے ہیں۔ یہاں مدین سے مصر کی طرف واپسی کا واقعہ مذکور ہے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہو گیا تھا۔ کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر جانے کا ارادہ کیا۔ حاملہ بیوی ہمراہ تھی، رات اندھیری تھی سردی کا شباب تھا، بکریوں کا گلہ بھی ساتھ لے کر چلے تھے۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے بکریاں منتشر ہو گئیں اور بیوی کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ اندھیرے میں سخت پریشان تھے سردی تاپنے کے لیے آگ موجود نہ تھی چقماق مارنے سے بھی آگ نہ نکلی۔ ان مصائب کی تاریکیوں میں دفعۃً دور سے ایک آگ نظر آئی۔ وہ حقیقت میں دنیوی آگ نہ تھی اللہ کا نور جلال تھا یا حجاب ناری تھا (جس کا ذکر مسلم کی حدیث میں آیا ہے) موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری آگ سمجھ کر گھر والوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جاتا ہوں شاید اس آگ کا ایک شعلہ لا سکوں یا وہاں پہنچ کر کوئی راستہ کا پتہ بتلانے والا مل جائے کہتے ہیں

کہ اس پاک میدان میں پہنچ کر عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک درخت میں زور شور سے آگ لگ رہی ہے اور آگ جس قدر زور سے بھڑکتی ہے درخت کی سرسبزی و شادابی بڑھتی ہے آگ کا اشتعال تیز ہوتا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے قریب جانے کا قصد کیا کہ درخت کی کوئی شاخ جل کر ٹوٹ کر اٹھا لائیں، لیکن جتنا وہ آگ سے نزدیک ہونا چاہتے آگ دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر ہٹنا چاہتے تو آگ تعاقب کرتی۔ اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی انی انا ربک گویا وہ درخت بذریعہ اس وقت بھی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ امام احمد نے وہب سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب "یا موسیٰ" سنا تو کئی بار "لبیک" کہا اور عرض کیا کہ میں تیری آواز سنتا ہوں اور آہٹ پاتا ہوں مگر یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے۔ آواز آئی میں تیرے اوپر ہوں تیرے ساتھ ہوں تیری جان سے بھی تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہر سمت سے اپنے ہر ہر بال سے خدا تعالیٰ کا کلام سنتے تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

(۴) واذ قلنا ادخلوا هذه القرية فكلوا منها حيث شئتم رغدا وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة (پ۱ سورۃ البقرہ رکوع۶ آیت ۵۸)

ترجمہ: اور جب کہا ہم نے داخل ہو تم اس گاؤں میں پس کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو تم بفراغت اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہو بخشش مانگتے ہیں ہم۔

فائدہ: اطبیدوی لکھتے ہیں کہ یہ گاؤں جس میں حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے ساتھ داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ بیت المقدس (یروشلم یا اریحا) تھا۔

فائدہ: مروی ہے کہ انہوں نے حطہ کی بجائے حنطہ (گندم) کہا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریہ کا دروازہ بہت نیچے رکھا گیا تا کہ وہ داخل ہوتے وقت اپنے سر سجدہ کے لئے جھکا دیں، لیکن چونکہ وہ سجدہ کے منکر تھے۔ اسی لیے اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے۔

مزید تفصیل فقیر کی تفسیر "فیوض الرحمن ترجمہ روح البیان" میں ملاحظہ ہو۔ (ملنے کا پتہ مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی مسجد بہاولپور)

(۵) اوکالذی مرّ علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا ۔ (پ۳ البقرہ رکوع ۳ آیت ۲۵۹)

ترجمہ: یا مانند اس شخص کے کہ گزرا وہ اوپر ایک گاؤں کے اور وہ گرا ہوا تھا اوپر چھتوں اپنی کے کہا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ پیچھے موت اس کی کے

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام یا حضرت خضر علیہ السلام نے بیت المقدس کو تباہی کے بعد دیکھا جسے بخت نصر نے تباہ کیا۔ اور یہ آیت اسی ضمن میں ہے۔

عام مشہور یہ واقعہ عزیر کا ہے۔ بستی سے مراد بیت المقدس ہے جبکہ اسے بخت نصر بادشاہ نے برباد کر دیا تھا اور حضرت عزیر دراز گوش پر سوار ہو کر وہاں سے گزرے۔ آپ کے ساتھ ایک برتن میں انگور کا رس اور کچھ کھجوریں تھیں۔ تمام شہر میں پھرے کوئی آدمی نہ دیکھا۔ تب آپ نے یہ فرمایا اور دراز گوش سے اتر کر سو گئے روح قبض کر لی گئی۔

ازالۂ وہم: بعض لوگوں نے اسے انکار پر محمول کیا ہے اگر عزیر علیہ السلام مراد ہیں تو انبیاء علیہم السلام سے انکار نہیں ہاں یہ تعجب کے لئے ہو سکتا ہے۔ مزید تشریح و تفسیر کے لئے فقیر کی تفسیر و ترجمہ فیوض الرحمن کا مطالعہ کیجئے۔

(۶) یاقوم ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللّٰہ لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم فتنقلبوا خسرین ۰

ترجمہ: اے قوم ارض مقدس میں جو تمہارے لیے اللہ پاک نے لکھ دی ہے داخل ہو جاؤ اور پیٹھ دے کر الٹے نہ پھرو ورنہ خسران میں پڑ جاؤ گے۔

فائدہ: یہ ارض فلسطین کا علاقہ ہے اس پاک سرزمین کے ساتھ مسلمانوں کی دائمی وابستگی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد انکو اپنے دشمنوں سے جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے قوم ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ اس زمین کو مقدس اس لیے کہا گیا کہ وہ انبیاء کی مسکن تھی

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی سکونت سے زمینوں کو بھی شرف حاصل ہوتا ہے اور دوسروں کے لیے وہ باعث برکت ہوتا ہے کلبی سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ

والسلام کوہ لبنان پر چڑھے تو آپ سے کہا گیا: دیکھئے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے وہ جگہ مقدس ہے اور آپ کی ذریت کی میراث ہے یہ سرزمین طور اور اس کے گرد و پیش کی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ تمام ملک شام۔ (خزائن العرفان)

بیت المقدس احادیث کی روشنی میں

)حضور سرور عالم نور مجسم شفیع معظم ﷺ نے فرمایا کہ سوائے تین مسجدوں کے اور کسی (مسجد کے لئے سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور یہ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی)۔(مشکوٰۃ)

فائدہ: اس سے ثابت ہے کہ مسجد حرام یعنی کعبۃ اللہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ایک اعلیٰ سعادت ہیں۔

(۲) نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ انسان کی اپنے گھر میں نماز ایک نماز ہے اور محلہ مسجد کی نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور جامع مسجد کی نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پچیس ہزار (اور بعض روایات کے مطابق پچاس ہزار) نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔(مشکوٰۃ)

(۳) صحیح مسلم میں ہے کہ:

نماز فرض ہونے کے بعد سولہ ماہ تک نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی تھی۔
پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کعبہ کی طرف منہ پھیر لیں اور اس رخ نماز پڑھا کریں۔

(۴) رسول اکرم ﷺ نے معراج سے واپسی پر سفر اسراء و معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

معراج کی رات میرے پاس براق لایا گیا۔ براق ایک چوپایہ ہے سفید رنگ کا گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا۔ اس کا قدم حد نظر تک پڑتا تھا۔ میں براق پر سوار ہوا اور بیت المقدس میں آیا۔ براق کو میں نے اس زنجیر سے باندھا جس سے انبیاء اس کو باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد میں گیا۔ اور دو رکعت نماز مسجد میں پڑھی۔ پھر میں مسجد سے باہر آیا اور جبریل میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا لے کر آیا میں نے دودھ لے لیا۔ جبریل نے کہا۔ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے (مسلم شریف)

(۵) احادیث و روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابق نے آپ کی متابعت

میں نہ دادا کی، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے بعد کہا تھا اس شہر کے ہم مالک ہیں اور ہم عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے یہودیوں اور عیسائیوں سے بہتر وارث ہیں

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہوگی کہ

موذن قریب سے اذان دے گا (یعنی اس جگہ سے جہاں سے سب کی مجلس)

فائدہ: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس مقام قریب سے بیت المقدس مراد ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر جلالین میں نہایت قدر و منزلت ظاہر کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ اہل عبادت گاہ اور زیارت گاہ ہے یہی وہ اہل و برتر مقام تھا۔ جہاں خدا تعالیٰ نے اپنے فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ یحییٰ اور زکریا علیہم السلام کو بشارت دی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو مسجد اقصیٰ کا نقشہ دکھایا تھا۔ روئے زمین کے کل چرند و پرند کو آپ کے تابع بنایا تھا یہی وہ مقام ہے۔ جہاں پیغمبروں نے قربانیاں دیں۔ حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور اپنے گہوارہ میں گفتگو فرمائی اور یہاں سے آسمانوں پر اٹھائے گئے جسکا ذکر قرآن و احادیث میں مفصل ہے۔

بیت المقدس یاجوج ماجوج سے محفوظ

یاجوج ماجوج روئے زمین پر استیلا حاصل کریں گے۔ سوائے بیت المقدس کے، یہی وہ مقام ہوگا جہاں خدائے قادر ان کو نیست و نابود کر دے گا۔ یہی وہ متبرک مقام ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام دفن ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں یوم حشر میں تمام بنی آدم دوبارہ زندہ ہو کر فیصلہ کے لیے اکٹھے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں جلوہ گر ہوگا اور انصاف کرے گا مختصر یہ کہ یہ مقام صدہا انبیاء و مرسلین کا مولد، مسکن اور مدفن ہے۔ اس لیے مسلمان ہی اس کے مالک ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہی بلا تخصیص تمام انبیاء و مرسلین پر ایمان لاتے اور برحق مانتے ہیں

جہاں تک یہودیوں کے اسے ارض موعود قرار دینے اور اس دعوے کا تعلق ہے کہ یہ ان کے باپ دادا کی میراث ہے، جو خدا نے ان کو عطا کی ہے۔ اس کی حقیقت دوسرے باب میں دی گئی

تفصیلات سے واضح ہو جاتی ہے۔ تاریخی تحقیقات اور آثار کی اکتشافات کی رو سے یہ بات محتاج دلیل نہیں ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے تقریباً تین ہزار سال پہلے فلسطین کے علاقوں میں کنعانی یا کنعانی قبائل آباد تھے۔ یہ قبائل جزیرۃ العرب سے ہجرت کر کے فلسطین پہنچے تھے اور خود فلسطین کا قدیم نام بھی کنعان تھا۔ بارہ سو برس قبل مسیحؑ جب بنی اسرائیل (جنہیں اہل فلسطین عبرانی کہتے تھے) فلسطین میں داخل ہوئے تو عرب قبائل نے ان کی شدید مزاحمت کی اور آخر وہ ڈھائی سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ہی وہ فلسطین اور بیت المقدس پر قابض ہو سکے۔

(۵۲۹ ق م) یہودی بیرونی قوم تھے اور انہیں اس وجہ سے عبرانی کہا جاتا تھا کہ وہ نسل کشی کے مرتکب ہو کر فلسطین پر قابض ہوئے تھے۔ شمالی فلسطین میں وہ صرف پانچ سو برس تک آباد رہے اور جنوبی فلسطین میں ان کے قیام کی مدت زیادہ سے زیادہ آٹھ سو برس رہی اور عرب فلسطین میں یہودیوں کے داخلے سے پہلے بھی دو ہزار برس سے آباد تھے اور یہودیوں کے ۱۳۵ء میں مٹ جانے کے بعد بھی وہ شمالی فلسطین میں ڈھائی ہزار سال سے اور جنوبی فلسطین میں تقریباً دو ہزار سال سے آباد چلے آ رہے ہیں۔ اس لیے یہ سرزمین عربوں کی ہے نہ کہ یہودیوں کی۔

بیت المقدس کے مقامات

( ) مسجد اقصیٰ شریف کے فضائل اور مختصر معلومات کے بعد جی چاہتا ہے کہ اسکی تفصیل عرض کروں۔ تو جاننا چاہیے کہ وہ مقدس مقامات جن کی بدولت یہ مقدس شہر مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کی عقیدتوں کا مرکز ہے، اکثر و بیشتر شہر کی مشرقی پہاڑی (موریہ) پر ایک احاطہ میں ہیں، جسے اہل اسلام حرم شریف کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور جو بیت المقدس کا مقدس ترین حصہ ہے۔ ڈاکٹر برکلے کے بیان کے مطابق حرم شریف ۳۵ ایکڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ بھی، جو صدیوں سے شہر کی عظمت و تقدس کا نشان ہیں اسی حرم میں ہیں۔ حرم میں جگہ جگہ بلند مقامات ہیں جنہیں مسلمان محراب کہتے، مقدس سمجھتے ہیں اور ان کے سامنے نوافل ادا کرتے ہیں۔

قدیم مورخین نے حرم شریف میں بنے ہوئے محرابوں اور گنبدوں کا جس انداز میں ذکر کیا ہے۔ وہ موجودہ حالات سے قطعی مختلف ہے۔ آج ان میں کئی ناپید یا مشکوک ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صلیبیوں نے اپنے نوے سالہ دور میں حرم مقدس میں بعض غیر معمولی تبدیلیاں کیں اور تین

نسلیں گزرنے کے بعد جب صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بحال کرلیا تو اکثر مقامات عجائب اور روایات محو ہو چکی تھیں۔

حرم شریف

ابن الفقیہ ۹۰۳ء میں لکھتا ہے کہ حرم شریف کا طول ایک ہزار درع اور عرض سات سو درع ہے۔ اس کی عمارتوں میں چار ہزار چوبی شہتیر، سات سو سنگی ستون اور پانچ سو پیتل کی زنجیریں ہیں ہر رات ایک ہزار چھ سو فانوس روشن ہوتے ہیں اور ان کے لئے ایک سو چالیس غلام مامور ہیں۔ ہر ماہ سو قسط (فی قسط ساڑھے تین سیر) روغن زیتون خرچ ہوتا ہے۔ حرم شریف کے اندر سولہ بڑے صندوق قرآن مجید کے مجلدات کے ہیں۔ وضو کے لیے چار حوض اور واعظین کے لیے پانچ منبر ہیں۔ مسجد اور گنبدوں کی چھتوں پر مٹی کے بجائے جست کی ۴۵ ہزار چادریں چڑھائی گئی ہیں۔ مسجد کے اندر ستر درع (گز) لمبے مستورات کے لیے تین مقصورے ہیں۔ حرم شریف کے اندرونی و بیرونی دروازوں کی تعداد پچاس ہے۔ جبکہ ابن عبد ربہ اس کے بہت سال بعد یہ کہتا ہے کہ

"حرم شریف کی مبارک عمارتوں میں ڈیڑھ ہزار فانوس روشن کیے جاتے ہیں۔ دروازے پچاس اور ستون ۶۸۴ ہیں۔ صخرہ کے اندر تیس اور باہر اٹھارہ ستون ہیں۔ اس گنبد پر جست کی ۳۳۹۲ چادریں ہیں جن پر منقش پیتل کی ۱۰۲۱۰ تختیاں جڑی ہیں۔ اس قبہ میں روشنی کے لیے ۴۶۳ فانوس روشن کیے جاتے ہیں۔ جو تانبے کی زنجیروں اور کنڈوں میں لٹکے رہتے ہیں۔ ہر زنجیر ۸ درع کی ہے۔ بڑی تقطیع کے چھ قرآن مجید، جن کا ہر صفحہ کھال کے پورے قطعہ کا ہے۔ حرم محترم میں دس محرابیں، پندرہ گنبد، چوبیس دریچے (حوض) اور چار مینار اذان کے لیے ہیں۔ مسجد، گنبد اور میناروں سب کی چھتوں پر ملمع شدہ چادریں ہیں۔ خدمت کے لیے ۲۳۰ مملوک ہیں۔ جنہیں سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے۔ روغن زیتون کی ماہانہ سات سو قسط ادائیگی (فی قسط نو پونڈ) مقرر ہیں۔ ایک جدید ترین سفرنامہ کے مطابق حرم مقدس کی لمبائی ۱۴۰۰ گز اور چوڑائی ۶۶۰ گز ہے۔ حرم میں جابجا زیتون، سرو اور نارنج کے درخت ہیں۔ اور اس کے دروازے چودہ ہیں۔ جن میں اکثر بند رہتے ہیں۔ یہ چند سال پہلے کی بات ہے اب کا حال واللہ اعلم

طول و عرض

دسویں صدی عیسوی میں مقدسی اور ابن الفقیہ اس کا طول و عرض ۱۵۰۰×۱۰۵۰ فٹ ناصر خسرو اور ادریسی ۷۰۰×۱۰۸۰ فٹ بتاتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی فتح کے ایک عرصہ بعد ۱۳۵۵ء میں ابن بطوطہ نے ۷۵۲×۴۳۵ درج کیا ہے جب مشیر الغرام نے ۱۳۵۱ء میں ۶۴۸×۴۳۸ درج کیا ہے۔ جبکہ ۱۴۹۶ء میں مجیر الدین ۴۸۵×۹۱۲ فٹ بیان کرتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ زمانہ قدیم سے اور عہد حاضر تک احاطہ حرم کی حدود میں کچھ زیادہ ردوبدل نہیں ہوا۔ البتہ ۱۹۶۷ء میں مولانا شیر علی نے اس کا طول و عرض ۱۴۰۰ گز × ۶۶۰ گز بتایا ہے۔ اور یہ اضافہ شاہ حسین کے عہد میں حرم کی تزئین نو کے دوران میں ہوا ہے۔

حرم شریف کے دروازے

مختلف ادوار کے مورخین و راویوں نے دروازوں کے ناموں اور تعداد میں فرق کیا ہے۔ اس سلسلے میں مری وسن کی مدد سے جو نقشہ مختلف ادوار کے دروازوں میں مطابقت و شناخت کا ترتیب دیا جا سکا ہے۔ درج ذیل ہے۔

ابن الفقیہ	ابن عبد ربہ	مقدسی	ناصر خسرو	مجیر الدین	نی حرم	۱۹۶۷ء
۹۰۳ء	۹۱۳ء	۹۸۵ء	۱۰۴۷ء	۱۴۹۶ء	۱۸۸۰ء	
باب داؤد	باب داؤد	باب داؤد	باب داؤد	باب السلسلہ	باب السلسلہ	باب السلاسل
باب حطہ	باب حطہ	باب حطہ	باب حطہ	باب الجنی	باب الجنائز	باب النبی
					باب البراق	باب الخطاب کے پیچھے
باب النبی	باب محمد	باب الجنی	باب الجنی	باب ثمنی الاعظم	(یہ ناصر دور میں بند تھا کے بعد کھولا گیا ہے)	
–	–	ابواب مریم	باب عین سلوان	صلاح الدین ایوبی نے تیغا کر دیا		
باب الرحمہ	باب الرحمہ	ابواب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ	باب الرحمہ
باب التوبہ	باب التوبہ	(دو عدد)	باب التوبہ	باب التوبہ	باب التوبہ	باب التوبہ
باب الاسباط	ابواب الاسباط	باب کنہ ٹی	باب الابواب	باب حطہ	باب الحطہ	باب الحطہ
–	(چھ عدد)	اسرائیل	(تین عدد)	–	–	–

-						
-	-	-	-	-	باب شرف الانبیاء	باب شرف الانبیاء
-	باب الولید	باب الولید	-	باب الغوانمہ	باب الغوانمہ	باب الغوانمہ
باب ام خالد	-	باب ناظر	باب الحدید	باب الحدید	باب الحدید	
-	-	-	-	باب القطانین	باب القطانین یا باب القطن	
-	-	باب سکینہ	باب السکینہ	باب السلام	باب السلام	

باب الوادی ﴾

وادی جہنم کی طرف کھلتا تھا۔ اور باب التوبہ کے قریب تھا کہ جو آج بھی موجود ہے۔

مرٰی و تن کے بیان کے مطابق ان اختلافات کی وجہ یہ ہے کہ حرم شریف کی اطراف و جوانب میں مختلف زمانوں میں بہت کچھ ردو بدل ہوا۔ مثلاً صلیبی کی حکومت کے زمانے میں یا مسلمانوں کی دوبارہ تعمیر کے وقت یا اس وقت جب کہ سلطان سلیمان نے سولہویں صدی میں چاردیواری کو ازسر نو تعمیر کروایا۔ ان کے نام بدل گئے۔

مقدسی، ناصر خسرو، ابن فقیہ اور ابن عبدربہ کے باب ھذا کا نام آج کل "باب البراق" یا "باب النبی محمد" ہے۔ جس کا آدھا حصہ زمین کے اندر ہے۔ ناصر خسرو نے اس کے بارے میں یہ روایت لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس دروازے سے حرم شریف میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ جبکہ مقدسی کے باب النبی ﷺ، ابن الفقیہ اور ناصر خسرو کے باب النبی اور ابن عبدربہ کے باب محمد ﷺ کو تیغا کر کے بند کر دیا گیا ہے۔ ناصر خسرو نے اس دروازہ کے بارے میں لوگوں کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی تعمیر ہے۔ اور نبی کریم ﷺ شب معراج اسی راستے سے گزر کر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے۔ یہ راستہ مکہ معظمہ کی جانب کھلتا ہے حرم شریف کے اس زمین دوز راستے کی ڈیوڑھی میں دوہرے پٹ کے دروازے ہیں اس کو زمین دوز بنانے کی وجہ یہ ہے کہ مضافات میں رہتے تھے سخ جو لوگ دور رہتے ہیں وہ شہر کے دوسرے محلوں کا چکر لگائے بغیر اندر ہی اندر حرم شریف میں آسکیں لیکن اس مقام پر زمین دوز حجرے آج بھی نظر آتے ہیں جو مجیر الدین کے عہد میں الاقصیٰ القدیمہ کہلاتے تھے اور ان حجروں کے سرے پر ایک دوہرا بڑا دروازہ موجود ہے

مقدسی کے "ابواب مریم" اور ناصر خسرو کا "باب العین سلوان" محراب مریم کے قریب واقع تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو مغرب و شمال کی سمت کے سوا حرم میں آنے جانے والے تمام راستے بند کر دیے اور اسی سلسلے میں ان دروازوں پر بھی تیغا کرا دیا گیا۔ ابن الفقیہ کا باب النبی، حرم شریف کے شرقی جانب "وادی جہنم" کی طرف کھلتا اور قبۃ الصخرہ کے چبوترے کی درج براق (براق کا زینہ) کے مقابل واقع تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شب معراج اسی دروازے سے حرم میں داخل ہوئے۔ یہ "باب البراق" اور "باب الجنائز" بھی کہلایا۔ اور "باب الذہب" سے ذرا مغرب میں ہٹ کر حرم کی دیوار کے اس حصے میں اب بھی تیغا کیا ہوا موجود ہے۔

ابن الفقیہ اور ابن عبد ربہ کا باب الرحمۃ اور مقدسی کے بقول رحمہ، ناصر خسرو کے باب التوبہ اور باب الرحمہ شرقی دیوار کے دو بند پھاٹک ہیں جنہیں فرنگی گولڈن گیٹ (باب الذہب) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر مسلمان آج بھی انہیں باب الرحمہ اور باب التوبہ پکارتے ہیں۔

باب التوبہ کے بارے میں ناصر خسرو لکھتا ہے کہ یہی وہ دروازہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ ناصر کے عہد میں اس کے قریب ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ اور آج کل اس مسجد کی جگہ کرسی سلیمان ہے۔ سیوطی نے باب الرحمہ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ مسجد اقصےٰ کے شرق کی طرف اس دیوار میں واقع ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

فضرب بينهم بسور له باب باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب.

(سورۃ الحدید ۱۳)

اس کے سامنے کی وادی کو "وادی جہنم" کہتے ہیں۔ خود یہ دروازہ (باب الرحمۃ) حرم شریف کی چار دیواری میں اندر کے رخ ہے۔ آیہ مذکورہ میں جس دروازے کی طرف اشارہ ہے اسے بند کرا دیا گیا ہے۔ رہا باب التوبہ تو یہ باب الرحمہ سے مل کر ایک ہی دروازہ بن جاتا ہے۔ لیکن دونوں میں سے آج کل کسی میں بھی آمد و رفت نہیں ہو سکتی۔ باب التوبہ کے قریب اور باب الرحمہ اور باب الاسباط کے درمیان حضرت خضر و الیاس علیہم السلام کا مسکن ہے۔ یہ دروازہ چھٹی صدی عیسوی میں

تعمیر ہوا اور صلیبیوں نے اسے ''گولڈن گیٹ'' (باب الذہب) کا نام دیا

مقدسی کا باب ''حطہ بنی اسرائیل'' اور ناصر خسرو کا ''باب الابواب'' محاربات صلیبیہ کے بعد سے باب الاسباط کے نام سے مشہور ہے، اور حرم شریف کی شمالی دیوار کے شرقی سرے اور مسکن خضر و الیاس کے قریب ہی واقع ہے۔

مقدسی، ابن الفقیہ، ابن عبدربہ کا باب الاسباط اور ناصر خسرو کا باب الابواب حرم کے مغرب میں شمالی دیوار کو لے جانے والا دروازہ ہے جو محاربات صلیبیہ سے اب تک باب الحطہ کے نام سے موسوم ہے۔ سیوطی لکھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اسی دروازے سے حرم شریف میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔

مقدسی کے ابواب ہاشمیہ، ابن عبدربہ کا باب البرشمی، ناصر خسرو کا باب زاویہ صوفیا اور مجیر الدین کا باب الدویداریہ، آج کل باب صوفیہ یا باب شرف الانبیاء ہوتا ہے۔ سیوطی کے الفاظ میں یہ حرم کے شمالی رخ سے کھلتا ہے۔

مقدسی اور ابن عبدربہ کا باب الولید، اس زمانے کا باب الغوانمہ ہے۔ جو مغربی دیوار کے شمالی سرے پر واقع ہے۔ سیوطی اسے باب الخلیل بھی کہتا ہے۔ لیکن مقدسی کے بیان کے مطابق باب الخلیل یا باب ابراہیم باب الولید سے آگے جنوب کا دروازہ تھا۔ جسے ناصر خسرو نے باب السقر لکھا ہے۔ اور فی زمانہ باب الناظر کہلاتا ہے۔ سیوطی لکھتا ہے باب الناظر کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کبھی نہیں کھلا۔ پہلے زمانے میں اسے ''باب میکائیل'' کہتے تھے، اور ایک خبر کے بموجب حضرت جبرئیل نے شب معراج براق کو اسی دروازے پر باندھا تھا۔

باب الحدید، سلطان صلاح الدین نے حرم شریف کی مغربی دیوار میں، باب الناظر کے جنوب میں بنایا تھا۔ کسی زمانے میں اسے باب ارغون الکامل بھی کہا جاتا تھا۔ مقدسی اور ابن الفقیہ کا باب ام خالد موجودہ باب القطانین (پارچہ فروشاں) ہے۔ باب القطانین ان دروازوں میں ہے جنہیں از سرنو بنایا گیا ہے۔ سب سے پہلے اسے الملک الناصر بن قلاوون نے تعمیر کیا تھا لیکن بعد میں گر کر بیکار ہو گیا اور تنکیز البرشمی الناصری والی شام نے سلطان محمد ابن قلاوون کے حکم سے دوبارہ بنوایا۔ اس کے جنوب میں مڑتے ہی باب المتوضی (طہارت) یا باب المطاہرہ (بارش) ہے۔ موجودہ ڈیوڑھی

مرحوم علاؤالدین البصیر نے بنائی تھی

مقدسی اور ناصر خسرو کا باب داؤد موجودہ باب السلسلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اسی راستے حرم میں تشریف لائے۔ باب السلام یا باب سکینہ اسی دروازے کے قریب بنا ہوا ہے۔ موجودہ دور میں حرم کے چھ دروازے ہیں۔ ان میں سے اکثر مقفل ہیں۔ صرف جانب شمال دو دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اردن کی فوجی چھاؤنی اسی طرف دیوار حرم کے ساتھ تھی

دالان:

حرم شریف کے اندر چار دیواری کے ساتھ ساتھ جو دالان بنے ہوئے ہیں وہ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں بھی اسی حالت میں اسی جگہ موجود تھے۔ یہ دالان مغربی اور شمالی دیوار کے ساتھ ساتھ ہیں۔ جبکہ وادی جہنم کے رخ حرم شریف کی جو شرقی دیوار ہے جس میں باب الرحمہ بنا ہوا ہے کوئی دالان نہیں۔ نہ ہی جنوبی حصے میں کوئی دالان ہے۔ مجیر الدین لکھتا ہے کہ

چار دیواری کے اندر مغربی جانب کے تمام دالان الملک الناصر محمد ابن قلاؤن کے عہد (۷۰۹ تا ۷۴۱ھ) کی تعمیر ہیں۔ سوائے مغاربہ موجودہ باب النبی ﷺ کے قریب سے باب سلسلہ تک کا دالان ۷۳۷ھ (۱۳۳۶ء) میں باب سلسلہ کے قریبی مینارے سے باب الناظر کا دالان ۷۲۷ھ (۱۳۲۶ء) اور باب الناظر سے باب الغوانمہ تک ۷۰۷ھ (۱۳۰۷ء) میں بنائے گئے۔ شمالی دیوار سے ملحق دالان مختلف ادوار میں تعمیر ہوئے۔ جو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ان کی وقتاً فوقتاً مرمت ضرور ہوتی رہی۔ لیکن یہ مجموعی طور پر بعینہ اسی حالت میں ہیں جیسے ۱۴۹۶ء میں تھے۔

نوٹ: یہ کوائف ۱۹۶۷ء تک تھے اس کے بعد واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ: یہ وہی مسجد اقصیٰ ہے جسے قرآن مجید نے آیۃ **سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ**

میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یاد رہے کہ مسجد اقصیٰ کی بدولت اس شہر کو مکہ اور مدینہ کے بعد مسلمانوں کے تیسرے مقدس ترین شہر کی حیثیت حاصل ہے۔

وجہ تسمیہ:

اقصیٰ کے معنی دُور کے ہیں ۔ اور اس لحاظ سے المسجد الاقصیٰ کا مطلب دُور کی مسجد ہوا ۔ مسجد سے یہاں مراد بیت المقدس کے حرم مقدس کا پورا رقبہ ہے نہ کہ مسجد کی خاص عمارت کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت اور واقعہ معراج کے وقت موجود نہ تھی

شب معراج کی روایت کے مطابق حضور ﷺ براق (بجلی) پر سوار اور جبریل علیہ السلام آپ کے جلو میں تھے ۔ آپ مکہ معظمہ سے طور سینا گئے ۔ وہاں سے بیت اللحم پہنچے اور پھر بیت المقدس تشریف لائے ۔ ارشاد رسول ﷺ ہے کہ

جس وقت ہم بیت المقدس کے دروازے پر پہنچے (یعنی حرم کے احاطے پر) تو جبریل نے مجھ کو اتارا اور براق کو ایک کنڈی سے باندھ دیا جس سے انبیائے سابق نے بھی اپنے گھوڑے باندھے تھے ۔

حرم شریف میں آپ ﷺ اس دروازے سے جو بعد میں باب محمد کے نام سے مشرف ہوا داخل ہو کر اس چٹان پر چڑھے جسے قبۃ الصخرہ کہا جاتا ہے ۔

شب اسریٰ نبی پاک ﷺ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کا مقام

مورخین کہتے ہیں کہ قبۃ الصخرہ کے قریب انبیاء علیہم السلام کی جماعت سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی اور حضور ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیائے سابق کے ساتھ نماز ادا کی ۔ اس مقدس چٹان سے آنحضرت ﷺ جبریل علیہ السلام کی معیت میں ایک نور کے زینے سے آسمان پر چڑھے ۔ اور جنت الفردوس اور اس کی نعمتوں کو دیکھا پھر ہفت افلاک طے کر کے باری تعالیٰ جل شانہ کے حضور پہنچے اور وہاں احکام صلوٰۃ ملے ۔ اس کے بعد آپ دوبارہ روئے زمین پر تشریف لائے ۔ اور اسی نور کے زینے سے اتر کر صخرہ مقدسہ پر قیام فرمایا ۔ پھر جس طرح تشریف لائے تھے ۔ اسی طرح براق پر مراجعت فرمائی اور رات ختم ہونے سے قبل مکہ معظمہ پہنچ گئے ۔ یہ شب معراج کی روایت کا خلاصہ ہے اور اسی روایت نے اہل اسلام کی نظر میں اس چٹان اور حرم کے رقبے کو متبرک و مبارک بنا دیا ہے

یہودی روایات

آج یہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے ۔ یہودی روایات کے مطابق اس جگہ کبھی ہیکل سلیمانی قائم

تھا۔ اس ہیکل کو بخت نصر شاہ بابل نے چھٹی صدی ق م میں مسمار کر دیا۔ بابل سے واپسی پر یشوع اور زروبابل نے ہیکل دوبارہ تعمیر کیا۔ لیکن یہ عمارت بھی رومی حملہ آوروں سے محفوظ نہ رہی اور شہر کے ساتھ ہی تباہ و برباد ہو گئی۔ اور یہودیوں کو شہر سے نکال دیا گیا۔ اس کے ایک عرصہ بعد یہودی پھر شہر میں آباد ہوئے اور شاہ ہیرود اعظم کے عہد میں شہر نے زبردست ترقی کی۔ کئی نئی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ اور اس نے یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے ہیکل از سر نو تعمیر کرایا۔ لیکن جیسے کہ اثری انکشافات سے پتہ چلتا ہے۔ یہ معبد بھی ۷۰ء میں رومی حکمران طیطس نے یروشلم کے ساتھ ہی پیوند زمین کر دیا۔ اکثر ماہرین آثار قدیمہ کی رائے میں موجودہ دیوار گریہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیکل کی دیوار نہیں بلکہ یہ اس عمارت کے باقی ماندہ آثار ہیں جسے ہیرود نے تعمیر کرایا۔ اور جسے بعد میں رومیوں نے غارت کر دیا تھا۔

<u>۱۳۲ء تا ۱۳۵ء</u> میں یہودیوں نے رومی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے علم بغاوت بلند کیا۔ مگر وہ بری طرح ناکام ہوئے اور رومیوں نے سختی کے ساتھ اس بغاوت کو کچل دیا۔ شہنشاہ ہیڈرین نے یہودیوں کو جبراً ارض فلسطین سے نکال دیا اور بیت المقدس کا نام ایلیا رکھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں مسلمان جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو اس کا نام ایلیا تھا۔ اور صلح نامہ میں بھی یہی نام درج ہوا۔ مسلمان "القدس" کے نام سے پکارنے لگے۔

تعمیر

پروفیسر کریسول لکھتا ہے کہ ہیرود نے ہیکل سلیمانی کی جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک عمارت تعمیر کی تھی جو مشہور یہودی مورخ جوسیفس کے بیان کے مطابق تین دالانوں پر مشتمل تھی۔ اغل بغل کے دونوں دالان ۳۰ فٹ چوڑے پچاس فٹ اونچے تھے۔ درمیانی دالان پندرہ فٹ چوڑا اور ایک سو فٹ بلند تھا۔ پوری عمارت چار قطاروں کے ۱۶۲ ستونوں پر قائم تھی۔ اور اسکا رخ شمالاً جنوباً تھا۔ دالانوں کے دروازے بھی شمال رویہ تھے اور اس عمارت کے سامنے وسیع صحن تھا۔ اس عمارت کے مسمار ہونے پر عیسائیوں نے اس کی بنیادوں پر ایک گرجا تعمیر کیا۔ لیکن دوسرے فرنگی مورخین اور ماہرین آثار قدیمہ اس کی تائید نہیں کرتے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہیرود کی عمارت تباہ ہو جانے کے بعد صدیوں اس جگہ ملبے اور غلاظت کے ڈھیر پڑے رہے۔ اور عیسائی یہود سے

نفرت کی بنا پر تمام کوڑا کرکٹ بھی اسی جگہ پھینکا کرتے تھے

بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ ۱۳ھ بمطابق ۶۳۸ء جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر صدیوں تک پہلے رومی اور بعد ازاں بازنطینی تصرف میں رہ چکا تھا۔ ٹھیک پانچ سو سال قبل ہادریان نے شہر سے یہودی زندگی کے آخری نشان تک ختم کر دیے تھے اس نے قدیم شہر کو مکمل طور پر تباہ کر کے اس پر ہل چلوا دیے۔ اور اس کی جگہ ایک رومن آبادی ایلیا کیپٹو لینا کے نام سے ابھری۔ اور جہاں کبھی ہیکل تھا اس جگہ جیوپیٹر کی قربان گاہ بنائی گئی۔ یہودیوں کے شہر میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی اور اگر کوئی داخل ہوتا تو اسے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ البتہ جب کنسٹنٹائن نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تو اس کے ذوق اور اس کی والدہ کے شوق کی بدولت شہر میں کئی عمارتیں یادگاریں تعمیر ہوئیں۔ جن میں کلیسائے نشور بھی شامل ہے۔ کنسٹنٹائن کی والدہ ہیلینا کے حکم سے شہر کو رومی کافروں کی تمام یادگاروں سے پاک کر دیا گیا اور ہیکل کی جگہ کسی نئی عمارت کی تعمیر بالکل ممنوع قرار دے دی گئی۔ متی ۲۴:۱ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ہیکل سے رخصت ہوتے وقت اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا ایک پتھر دوسرے پتھر کے اوپر نہیں رہیگا اور انہوں نے یروشلم کے بارے میں بھی اسی قسم کی پیش گوئی کی تھی کہ تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔ تمہیں اور تمہارے بچوں کو بھی ذبح کریں گے اور شہر تباہ ہو جائے گا۔

البتہ کہا جاتا ہے کہ کنسٹنٹائن نے ہادریان کی یہودیوں کے داخلہ پر پابندی کو کسی حد تک نرم کر دی۔ اور سال میں ایک مرتبہ مقررہ فیس ادا کرنے کے بعد، آخری ہیکل کی تباہی کے دن یہودی شہر میں داخل ہوتے اور اپنی تباہی کو یاد کر کے روتے۔ فلسطین میں تباہی کے بعد جو چند ہزار یہودی بچ رہے تھے انہوں نے گلیلی کے گرد پناہ ڈھونڈی تھی۔ اور جب فارس حملہ آور ہوا تو انہوں نے اسے اپنے لئے امید کی ایک کرن سمجھا اور نہ صرف حملہ آوروں کا خیر مقدم کیا بلکہ رضاکاروں کے طور سے ان میں شامل ہو گئے ۶۱۴ء میں اہل فارس نے یروشلم پر قبضہ کر کے ہزاروں عیسائیوں کو تہ تیغ اور ان کے معبدوں کو لوٹا اور تباہ کیا۔ چودہ سال بعد ہرکلیس نے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور اپنے انتقام کی آگ یہودیوں کے خون سے بجھائی

اسلامی روایات

دریں اثنا مکہ میں جناب سرورکائنات ﷺ پیغمبر آخر الزماں کی حیثیت سے دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ فلسطین میں بازنطینیوں کے احوال کا تذکرہ وحی الٰہی میں آیا جس میں ان کے مقدر کی پیش گوئی ان الفاظ میں کی گئی

الم ○ غلبت الروم ○ فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون ○ فی بضع سنین (پ ۲۱ سورۂ روم آیت ۱تا۳ رکوع ۴)

ترجمہ: رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں۔

فائدہ: اس سے زیادہ واضح بیان آیۂ **فلنولینک قبلۃ ترضاھا** میں ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں کا یہ قبلہ تھا۔ پھر حکم الٰہی کے مطابق ان کا رخ مکہ کی سمت موڑ دیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ واضح تذکرہ واقعہ معراج کے ذکر میں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا انہ ھو السمیع البصیر۔

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی۔ کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (ترجمہ کنزالایمان)

تبرک رسول اللہ ﷺ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر مقدس میں داخل ہوئے اور اہل شہر کو پناہ دینے کے بعد ان کے سامنے صرف ایک ہی بڑا مقصد تھا کہ وہ جلد سے جلد اس مقدس مقام کو تلاش کرنا چاہتے تھے جہاں سے سرورکائنات ﷺ شب معراج تشریف لے گئے۔ حضیر الحرام کے مصنف نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاہدہ صلح لکھنے سے فرصت پائی تو وہ بطریق یروشلم سے مخاطب ہوئے ہمیں مسجد داؤد لے چلیے بطریق نے تعمیل کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار باندھے ہوئے آگے چلے اس وقت چار ہزار صحابہ کرام آپ کے ساتھ تھے وہ سب تلواریں باندھے ہوئے تھے

ایک گروہ دوسرے عربوں کا تھا ۔ وہ بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ (بطریق یہودی دشمنی کے پیش نظر اس مقام کی نشان دہی سے ہچکچا رہا تھا) بطریق حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو صحابہ کے جھرمٹ میں تھے کے آگے آگے چل رہا تھا ۔ اس طرح ہم شہر مقدس میں داخل ہوئے ۔ وہ ہمیں اس گرجے میں لایا جو کہ مریم کے نام سے مشہور ہے اور کہا یہ مسجد داؤد ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تھوڑی دیر غور کیا ۔ اور فرمایا تو غلط کہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جو کیفیت بیان فرمائی تھی یہ جگہ اس کے مطابق نہیں ہے ۔ بطریق اور آگے چلا اور ہمیں کلیسائے صیہون میں لے اور وہی بات کی ۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فرمایا تو غلط کہتا ہے ۔ بطریق پھر چلا حتیٰ کہ حرم شریف کے دروازہ تک (جو بعد میں باب محمد ﷺ کہلوایا) ہمیں لے آیا ۔ اب سنو کہ اس وقت کوڑا تمام حرم میں پھیلا ہوا تھا اور چٹان یا مسجد داؤد کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا، چنانچہ بطریق نے کہا اس میں جانے اور آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہیں ہے ۔ سوائے اس کے کہ گھٹنوں کے بل چل کر جائیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر طرف نظر کی اور دیر تک غور و فکر کے بعد کہا والذی نفسی بیدہ ۔ یہی وہ جگہ ہے جس کی کیفیت رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حرم شریف کے اگلے حصے کی طرف بڑھے ۔ جو مغرب سے (یعنی جنوب مغرب سے) ملا ہوا ہے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کوڑے کو اٹھا اٹھا کے دامن میں بھر کر باہر ڈال دیا ۔ اور ہم سب نے جو ان کے ساتھ تھے برابر کوڑا اٹھا اٹھا کے پھینکتے رہے ۔ حتیٰ کہ اس مقام کو جہاں اب مسجد قائم ہے ، پوری طرح صاف کر دیا ۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہدایت فرمائی کہ جب تک یہ جگہ بارش کے پانی سے تین مرتبہ نہ دھل جائے ۔ یہاں نماز ادا نہ کی جائے ، بعد ازاں جنوب کی طرف وہ صاف جگہ کی طرف بڑھے اور نماز کا قصد کیا ۔

کعب احبار کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑکا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کعب الاحبار (کہ یہودی سے مسلمان ہوئے تھے) پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو مسجد یا قبلہ کس جگہ رکھا جائے ۔ کعب نے جواب دیا کہ اس کے واسطے چٹان کے عقب میں جگہ رکھو جس سے دو قبلے ہو جائیں گے یعنی ایک قبلہ موسیٰ اور دوسرا قبلہ رسول اللہ ﷺ کا ۔ لیکن امیر المومنین نے فرمایا

اے ابو اسحٰق ابھی تک تمہارا میلان یہودیوں کی طرف ہے۔ مسجد چٹان کے (عقب میں نہیں) سامنے رہے گی

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حرم شریف کے سامنے (یعنی جنوب) کے رخ بڑھے پھر مغرب کی طرف بڑھے اور فرمایا کہ آؤ اسے مسجد کی جگہ بنائیں

اذان بلالی

حضرت سرورِ عالم ﷺ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اپنے آقا و مولیٰ کے وصالِ مبارک کے بعد سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کی یاد میں اذان دینا ترک کر دیا تھا لیکن امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار اور صحابہ کی آرزو پر حضرت بلال نے اس موقعہ پر اذان دی اور سب نے امیر المومنین کے پیچھے نماز ادا کی۔

صحابہ کرام بیت المقدس میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قافلہ میں صحابہ رسول کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ ان میں سے دو کا ذکر بطور خاص آتا ہے کہ جنہوں نے یروشلم کو اسلامی تعلیمات کا گہوارہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پہلے صحابی رسول حضرت عبیدہ بن الصامت ہیں کہ جنہیں شام میں قاضی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصحاب رسول ﷺ کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔ اس لیے انہیں اپنے معمول کے فرائض کے علاوہ تبلیغ و تعلیم کا فریضہ بھی سونپا گیا تھا۔ اب حضرت عبیدہ کو شہر قدس کا قاضی بنا دیا گیا۔ اور انہوں نے اسی عہدہ پر شہر قدس ہی میں انتقال فرمایا۔ اصحاب رسول ﷺ میں سے دوسرے جنہوں نے دینی مقاصد کے تحت شہر قدس میں سکونت اختیار کی۔ حضرت شداد بن اوس تھے۔ جو اپنی سادگی اور علم حدیث کی بنا پر بہت محترم تھے۔ انہوں نے بھی اسی شہر میں جان دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر چھوڑنے سے قبل محراب داؤد یا باب داؤد کے قریب اس جگہ جہاں انہوں نے اپنے ہمراہیوں سمیت نماز ادا کی تھی۔ ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا

سادہ سی مسجد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس مقام پر جو مسجد اٹھائی گئی۔ اس کا تذکرہ کسی عرب مورخ

یا تاریخ دان نے نہیں کیا۔ اس کے برعکس عیسائی مورخین تھیوفینس، ایبس ماصی اور میکائیل شامی نے اپنی اپنی تاریخ میں سقوطِ یروشلم اور ہیکل کی جگہ ایک مسجد کا موجود ہونا لکھا ہے۔ پروفیسر کریسول کے نزدیک ان بیانات میں افسانوی رنگ شامل ہو گیا ہے۔ ایک قدیم سیاح آرکلف نے بھی ایک سادہ سی مسجد کا ذکر کیا ہے۔ یہ سیاح ۶۷۰ء میں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے بیت المقدس آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ

جس جگہ قدیم زمانے میں ہیکل سلیمانی کی شاندار عمارت تھی۔ اس کی شرقی دیوار کے نزدیک مسلمانوں نے ایک مستطیل شکل کی عمارت تعمیر کر لی ہے، جہاں وہ نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ عمارت معمولی طرز کی ہے۔ جسے انہوں نے بعض پرانے آثار پر بڑے بڑے شہتیر رکھ کر بنایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سادہ سی عمارت میں بیک وقت تین ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سادہ و حسنِ ایمان کی حرارت سے گرم عمارت کب تک قائم رہی۔ البتہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس سادہ سی ابتداء کے پچاس سال بعد اس شہر میں اسلامی طرزِ تعمیر کی عظیم یادگاروں کا آغاز ہوا۔ اور یروشلم کو قطعی طور پر اسلام کے تیسرے مقدس شہر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کا رومی نام ختم کر دیا گیا۔ اور یہ بیت الحرام کے مقابلہ میں ''البیت المقدس'' کہنے لگے۔ جو بیت المقدس اور القدس ہو گیا۔ اور آخر اسے القدس شریف بھی کہا جانے لگا۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ قدسی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی وابستگی ہی کا احساس تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا اعلان، دمشق کے بجائے اس جگہ کرنے کو ترجیح دی اور ان کے جانشینوں کے دور میں یہ شہر باقاعدہ دینی مرکز بن گیا، کیونکہ مکہ و مدینہ ان کے حریفوں کے تصرف میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس سادہ سی عمارت کی جگہ مسجد اقصیٰ اٹھائی گئی۔ اور سرورِ کائنات ﷺ کے سفرِ معراج پر روانہ ہونے کی جگہ قبۃ الصخرہ بلند ہوا (جسے یورپی مورخین غلط طور پر مسجد عمر کا نام دیتے ہیں) اور وہ احاطہ، جس میں یہ عظیم یادگاریں قائم ہیں حرم شریف کہلایا۔

مسجد اقصیٰ و قبۃ الصخرہ کی تعمیر جدید

ان دونوں عظیم عمارتوں کی اساس پانچویں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۷۲ھ

(۶۹۰ء) میں اٹھائی۔ اس سلسلے میں اس کے سیاسی عزائم کو بہت کچھ ہوا دی جاتی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں اس کی تحریک اور فعل دونوں کی اساس دینی اور روحانی شعائر پر تھی۔ لوگوں کو اس دور میں جبکہ مکہ و مدینہ اس کے حریفوں کے قبضہ میں تھا۔ اس جگہ حج کی ترغیب دینا دراصل سرور کائنات ﷺ کے اس ارشاد پر مبنی تھا، جس میں فرمایا ہے کہ

"صرف تین مسجدوں، مسجد حرام، مسجد اقصےٰ اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھنا چاہیے۔"

عصری اور اثری اکتشافات کے مطابق خلیفہ عبدالملک صرف قبۃ الصخرہ کی تعمیر مکمل کر سکا۔ اس کی تمام تر توجہ گنبد صخرہ اور اس کی زینت پر مرکوز رہی۔ بنا بریں وہ مسجد اقصےٰ کی تعمیر و تزئین کی طرف دھیان نہ دے سکا۔ چنانچہ مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے سلسلے میں باپ کے ادھورے کام کو اس کے سعادت مند بیٹے ولید نے تکمیل تک پہنچانے کا عزم کیا اور پرشکوہ عمارت کی شکل اختیار کر کے مسجد اقصےٰ کو نیا رنگ و روپ دے گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مورخین نے مسجد اقصیٰ کی سب سے پہلی مستقل تعمیر کو عبدالملک کے بجائے ولید بن عبدالملک سے منسوب کیا ہے۔ اسی ولید کے زمانے میں سندھ کی سرزمین پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ یہ مسجد چھ سال میں مکمل ہوئی اور اس پر ولید کی سلطنت کے سات سالہ محاصل خرچ ہوئے۔ مسجد کے تمام دروازوں پر سونے چاندی کی تختیاں لگیں۔ مسجد کو ہفتے میں دو بار دھویا جاتا اور مسجد کی خدمت کے لیے ۳۰۰ آدمی مقرر رہتے تھے۔ ابن عساکر کے مطابق ولید کی بنا کردہ مسجد میں چار مینار تھے۔ جن میں سے تین مغربی جانب ایک ہی قطار میں اور ایک باب الاسباط کے قریب تھا۔

فائدہ: اموی خلفاء نے محض بنگامی دور ہی میں بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو عزت و توقیر کی نگاہ سے نہیں دیکھا بلکہ عام حالات میں بھی اسے وہ مقدس ترین مقام اور شہر سمجھتے رہے۔ چنانچہ سلیمان بن عبدالملک نے بھی تخت خلافت پر رونق افروز ہونے کی تقریب دمشق کے بجائے القدس میں منائی۔ وہ فلسطین کا اس قدر شائق تھا کہ اس نے رام اللہ کو اپنا وسیع دارالسلطنت قرار دے کر یہاں ایک عظیم الشان محل اور ایک شاندار مسجد تعمیر کروائی۔

آٹھویں اموی خلیفہ، جو اپنی سادگی، قناعت اور راستی کی بنا پر تاریخ میں عمر ثانی کہلائے، نے

قبۃ الصخرہ کو اس قدر عظمت دی کہ اپنے پیشرو کے تمام گورنروں کو حکم دیا کہ وہ اپنی دیانت داری ثابت کے لیے اس مقدس مقام پر حلف دیں۔

عباسی دور میں بیت المقدس

عباسی خلفاء نے بھی اپنے پیشروؤں کی اس روایت کو جاری رکھا اور ان میں سے کم از کم تین تو ایسے تھے جنہوں نے ایک زائر کی حیثیت سے مسجد اقصیٰ میں حاضری دی۔ عباسی خاندان کے بانی المنصور تو دو مرتبہ یہاں حاضر ہوئے۔ پہلی مرتبہ مکہ اور مدینہ سے ہوتے ہوئے وہ القدس پہنچے اور دوسری مرتبہ سیدھے یہاں آئے۔ المہدی نے مسجد اقصیٰ کی برکتوں سے مستفید ہونے کے لیے اپنے بیٹے ہارون الرشید کے ساتھ القدس کا سفر کیا۔ المامون کا ذوق و شوق تو اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ قبۃ الصخرہ میں بعض نمایاں تبدیلیاں اسی کے حکم سے ان کے بھائی خلیفہ معتصم کی نگرانی میں ہوئیں جو اس وقت شام کے گورنر تھے۔

مثیر الغرام کا مصنف راوی ہے کہ ۱۳۰ھ میں کہ ابھی اموی خلافت کے سانس باقی تھے۔ اور اس کے دو سال بعد سفاح کے ہاتھوں انجام کو پہنچی۔ ایک زلزلہ آیا جس سے مسجد کے شرقی و مغربی حصے گر گئے۔ اسی زلزلے کے تقریباً چھبیس سال بعد تک کہ المنصور کا دور تھا۔ مسجد اقصیٰ اسی ویرانی کے عالم میں رہی حتیٰ کہ منصور کو اطلاع دی گئی، لیکن اس کے خزانہ میں روپیہ نہیں تھا، چنانچہ اس کے حکم کے مطابق مسجد کے چوبی دروازوں پر منڈھا ہوا خالص سونے اور چاندی کا پترا اکھاڑا گیا اور اسے گلا کر درہم و دینار میں ڈھال لیا گیا۔ جب تک تعمیر مکمل نہ ہوئی یہی روپیہ خرچ ہوتا رہا۔ اس تعمیر میں مسجد کے شرقی و مغربی حصے از سر نو کیے گئے۔ ۱۵۴ھ (۷۷۱ء) میں خلیفہ منصور القدس گیا اور ایک مدت تک شہر میں مقیم رہا تا کہ مسجد اقصیٰ میں ادائیگی نماز کی فضیلتوں سے مستفید ہو سکے۔ بدقسمتی سے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک اور زلزلہ میں المنصور کے حکم سے تعمیر شدہ عمارت زمین پر آ رہی۔ مثیر الغرام کا کہنا ہے کہ منصور کے جانشین المہدی کو اطلاع ہوئی تو اس نے اسے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ محترم مسجد کی تعمیر کا کام ۱۶۳ھ (۷۸۰ء) میں شروع ہوا۔ چونکہ ولید بن عبدالملک کی عمارت عرض میں تنگ اور طول میں ضرورت سے زیادہ تھی اس لیے خلیفہ مہدی کے حکم سے اس کا طول کم اور عرض بڑھا دیا گیا۔ اور جب تعمیر مکمل ہو چکی تو خلیفہ مہدی نے اپنے پیشرو کی

طرح اس خیر و برکت والی مسجد میں جس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ "اس کے چوطرف کو برکت دی ہے" بغداد سے آ کر نماز ادا کی۔

بیت المقدس کے مہاجرین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے زائرین حرم کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔ سرکاری حکام کے علاوہ مفسرین، محدثین، صوفیا اور اہل اللہ اور ہر قسم کے مردوں اور عورتوں نے زیارت، عبادت، طلب علم اور اقامت کے لیے اس شہر کا سفر کیا اور جن لوگوں نے دینی اغراض سے یہاں اقامت اختیار کی بیت المقدس کے ایک مسلمان مورخ نے ان کے نام بیس صفحات میں گنائے ہیں۔ ان میں سے ایک ام دردا ہیں۔ جنہوں نے معاویہ کی پیش کش ٹھکرا دی تھی اور جو سال کا نصف دمشق میں اور نصف یروشلم میں بسر کرتیں تا کہ غربا کو ان تک رسائی میں سہولت رہے اور دوسری نامور خاتون صوفی رابعہ بصریہ ہیں جو ترک سکونت کر کے القدس آ گئیں اور اپنی زندگی یاد الٰہی میں بسر کرنے کے بعد یہیں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

عیسائیوں کا داخلہ

مسلمانوں کے علاوہ عیسائی زائرین بھی بکثرت شہر مقدس کی زیارت کو آتے۔ لیکن عہد ہارون تک ان زائرین کو یہاں اقامت کی اجازت نہیں تھی۔ ہارون رشید نے شارلیمان کی درخواست پر پہلی مرتبہ القدس میں عیسائی زائرین کے لیے ہوسٹل کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ جس میں خدمت کے لیے نوجوانوں کو یورپ سے بھیجا گیا۔ اس کے علاوہ ہارون رشید نے اسلامی قوانین کے تحت عیسائیوں اور یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی دے دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بیت المقدس میں کوئی یہودی معبد نہیں بنا۔ اور اب تک اگر کسی یہودی معبد کا ذکر ملتا ہے تو ایک ایرانی سیاح کی یادداشت میں، جو صلیبی جنگوں سے پچاس سال قبل بیت المقدس آیا تھا۔ البتہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مقدس مقامات شہر میں بکثرت تھے۔ بالخصوص مسلمانوں کے لیے تاریخ کی رفتار بیت المقدس کی عظمت و شوکت میں بتدریج اضافہ کرتی چلی گئی۔ خلافت کے سنہری دور کا راوی ابن مقدسی دسویں صدی عیسوی میں لکھتا ہے کہ

"شہر قدس رام اللہ کے برابر ہے لیکن جہاں تک مسجد اقصےٰ کی وسعتوں کا تعلق ہے دنیا کے

اسلام میں اس کی نظیر نہیں ہے۔"

فائدہ: یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مسجد کا لفظ عرب مؤرخین نے صرف مسجد اقصیٰ کی عمارت کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ اس لفظ سے ان کی مراد اس پورے رقبے سے ہے جو حرم شریف میں شامل ہے۔ اور تمام مینار، گنبد، دالان، قبۃ الصخرہ اور بعض دوسرے مقدس مقامات وغیرہ مسجد اقصیٰ کے معنوں میں داخل ہیں۔ قبۃ الصخرہ کو فرنگیوں نے مسجد عمر کا نام دیا تھا۔ حالانکہ وہ مسجد نہ نماز جماعت کا مقام نہیں ہے۔ بلکہ صحن مسجد میں واقع گنبدوں میں سب سے بڑا گنبد ہے جو محض اس کے نیچے موجود متبرک چٹان کے لیے تعمیر کرایا گیا۔

دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں کی طرح مقدسی نے بھی پورے رقبۂ حرم کو المسجد یا مسجد اقصیٰ اور نماز کی اصلی جگہ جسے ہم مسجد اقصیٰ کہتے ہیں کو المغطیٰ لکھا ہے۔ لیکن ہم حرم شریف پورے احاطۂ حرم اور مسجد یا مسجد اقصیٰ کے الفاظ خاص مسجد کی عمارت کے لیے استعمال کریں گے۔ اس جگہ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ فلسطین میں قبلہ جنوب کی سمت ہے۔

نویں صدی کے ربع آخر تک فلسطین و شام خلفائے بغداد کے قبضہ میں تھے۔ لیکن ۲۶۴ھ (۸۷۸ء) میں ان کے والی قاہرہ احمد بن طولون نے بغاوت کر دی۔ اور مصر پر قبضہ و ملک شام فتح کر لیا اور خود مختار بن بیٹھا۔ خاندان طولونیہ کی حکومت جنوبی شام اور فلسطین میں ۹۰۵ء تک رہی۔ جس کے بعد اخشیدیہ کا دور آ گیا۔ مگر وہ بھی ۹۶۹ء میں ختم ہو گیا۔ اور فاطمی خلیفہ المعز نے اسے مصر و شام سے نکال باہر کیا۔

خلیفہ المعز کا جانشین العزیز تھا۔ اسی کے عہد میں (۹۸۵ء) مشہور عرب جغرافیہ دان بشاری المقدسی نے بیت المقدس کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ مقدسی جیسے کہ نام سے ظاہر ہے بیت المقدس کا رہنے والا تھا۔ اس کا خاندان شہر کے ان پہلے عرب فاتحین میں تھا جو یہاں آباد ہو گئے تھے۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۸۰ء میں المہدی کی تعمیر سے ۹۸۵ء تک مسجد اقصیٰ پر کوئی افتاد نہیں پڑی۔ بلکہ اسی سال تھوڑی مدت پہلے والی خراسان عبداللہ بن طاہر نے مسجد میں سنگ مرمر کے ستونوں کے برآمدے کا اضافہ کر دیا تھا۔

مقدسی کا بیان

مقدسی لکھتا ہے مسجد اقصیٰ (مسجد اور حرم شریف) شہر بیت المقدس کے جنوب مشرقی گوشے میں واقع ہے۔ حرم کی سنگین چار دیواری کے پتھروں میں کم و بیش دس دس ذراع (دس گز) ہیں جس پتھر کی سلیں اس چار دیواری میں استعمال کی گئی ہیں وہ نہایت سخت ہے لیکن ان سلوں کو نہایت عمدگی سے تراش کر ان کے جوڑ نہایت پختگی سے ملائے گئے ہیں۔ عبدالملک (اور اس کے جانشین) نے جو عمارت تعمیر کی اس میں چھوٹے مگر خوش قطع پتھر لگائے اور اوپر کنگورے بھی بنا دیئے۔ یہ مسجد بڑی خوبصورت، شاندار اور عظمت و شوکت میں جامع دمشق سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اسے بناتے وقت نصاریٰ کا بڑا کلیسا (کلیسۃ القیامہ) بطور مدمقابل ان کے سامنے تھا۔ کلیسۃ القیامہ کو دنیائے مسیحیت میں مقدس ترین گرجا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ نصاریٰ کے مطابق حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے کے بعد اسی جگہ دفن کیا گیا) لیکن عباسی خلفاء کے زمانے میں زلزلوں نے صدر دالان (اقصیٰ) کو شدید نقصان پہنچایا اور سچ یہ ہے کہ اس حصے کے سوا جو محراب کے ارد گرد ہے۔ ساری عمارت گر پڑی۔ جس وقت خلیفہ مہدی کو اس کی خبر ہوئی تو اس کے خزانے میں جو دولت موجود تھی۔ وہ مسجد کی دوبارہ تعمیر کے لیے کسی طرح کافی نہ تھی۔ چنانچہ اس نے صوبوں کے والیوں اور فوجی سپہ سالاروں کو مراسلے لکھے کہ ان میں سے ہر ایک شخص ایک ایک دالان کی تعمیر اپنے ذمے لے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور عمارت ایسی مضبوط اور زبردست تیار ہو گئی کہ پہلے کبھی نہ تھی۔ پرانی عمارت کا جو حصہ گرنے سے بچ گیا تھا مرمت کے بعد باقی رکھا گیا۔ اور نئی عمارت کی زینت بن گیا۔ مسجد اقصیٰ کی صدر عمارت کے چھبیس دروازے ہیں۔ محراب کے مقابل کا دروازہ باب پیتل کہلاتا ہے۔ اور اس کے کواڑوں پر پیتل چڑھا ہے۔ یہ دروازہ اتنا بھاری ہے کہ شہ زور اور مضبوط ترین آدمی ہی اسے جنبش دے سکتا ہے۔ اس کے دائیں اور بائیں طرف سات سات دروازے ہیں، جن پر پیتل چڑھا ہوا ہے۔ مسجد کے مشرقی پہلو پر گیارہ دروازے ہیں۔ لیکن یہ معری ہیں اور ان پر پیتل نہیں چڑھایا گیا۔ شمالی رویہ پندرہ دروازوں کے ادھر سنگ مرمر کے ستونوں کا ایک وسیع دالان ہے جسے والی خراسان عبداللہ بن طاہر نے تعمیر کرایا تھا۔ صحن کے دائیں طرف (یعنی احاطہ حرم کی مغربی دیوار سے ملے ہوئے) دالان ہیں، جن کے ستون سنگ مرمر کے ہیں اور اندر سے عقد شدہ ہیں پیچھے کے رخ یعنی حرم کی شمالی دیوار سے متصل پتھروں کو کھود کر دالان بنائے گئے ہیں۔ مقدسی نے

مسجد کی عمارت کے اس حصہ کی بہت تعریف کی ہے، جو مسقف تھا اور جس کی جنوبی دیوار میں مسجد کی شاندار محراب تھی۔ اس حصہ پر ڈھلوان چھت پڑی ہوئی تھی۔ اوپر نہایت عالی شان گنبد تھا

مسجد کی تمام چھتوں کے نیچے چھت گیری کے طور پر جست کی چادریں لگی ہوئی تھیں لیکن شمالی دیواروں کے دالانوں سے ملحق چھت رنگین پتھروں اور رنگا رنگ نقوش سے مزین تھی

مقدسی مزید لکھتا ہے کہ مسجد کے بائیں جانب (یعنی احاطہ حرم کے شرقی رخ) دالان نہیں مسجد اقصیٰ کا صدر دالان احاطہ حرم کی شرقی دیوار تک نہیں آیا اور یہ حصہ کبھی مکمل ہی نہیں کیا گیا (آج تک مسجد اقصیٰ اسی حالت میں ہے۔ مسجد اور شرقی دیوار کے مابین جو خالی جگہ ہے اسے آجکل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصطبل کی جگہ بتایا جاتا ہے۔ مگر آثاری انکشافات سے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ قدیم الایام میں حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے گھوڑے اس مقام پر باندھا کرتے تھے) اس کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ مسلمانوں کی نماز کے لیے مسجد احاطہ حرم شریف کے مغربی حصے میں بنائی جائے۔ چنانچہ یہ حصہ جو جنوب شرقی کونے میں واقع ہے خالی چھوڑ دیا گیا تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ ثانیہ یہ کہ اگر عمارت کو احاطہ کے اس جنوب شرقی کونے تک وسعت دی جاتی تو چٹان صخرہ مسجد کی بڑی محراب کے مقابل نہیں آتی تھی۔ مقدسی اور ابن الفقیہ (۹۰۳ء) نے یہ بھی لکھا ہے کہ

مسجد کے منبر میں ایک سنگ مرمر کی تختی پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور "محمد رسول اللہ" کندہ ہے۔

تاریخ میں ہے کہ ۴۰۷ھ اور ۴۲۵ھ میں شدید زلزلے آئے جن سے زبردست نقصان ہوا۔ لیکن مسجد محفوظ رہی۔ البتہ ۴۰۷ھ (۱۰۱۹ء) کے زلزلہ میں قبۃ الصخرہ کا گنبد گر پڑا۔ اور ۴۲۵ھ (۱۰۳۳ء) کے زلزلے سے احاطہ حرم کی بیرونی دیوار متاثر ہوئی جسے فاطمی خلیفہ الظاہر نے از سر نو تعمیر کرایا۔ مزید برآں فاطمی خلیفہ نے مسجد کی تزئین اور آرائش میں بھی اضافہ کیا۔ یہ ۴۲۶ھ کا واقعہ ہے۔ کام کی نگرانی عبد اللہ ابن الحسن القاہری نے کی تھی۔ ہروی نے ۱۱۷۳ء میں بیت المقدس کی زیارت کے دوران اس سلسلے میں ایک کتبہ دیکھا، جو مسجد اقصیٰ کی چھت میں لگا ہوا تھا۔ کتبہ میں لکھا تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی جس کی چاروں اطراف ہم نے برکت دی۔ اللہ اپنے بندے خادم اور نائب امیر المومنین علی ابوالحسن الظاہر لاعزاز الدین اللہ کی تائید و نصرت فرمائے۔ اللہ کی رحمت ہو اس کے پاک اجداد پر اور سعادت مند اخلاف پر۔ انہوں نے اپنے خاص کارندے ابوالقاسم علی بن احمد کو حکم دیا کہ اس گنبد کی مرمت اور جلد کاری کا انتظام کرے اور اللہ تعالیٰ اس کام میں مددگار ہوگا۔ یہ کام ذیقعد ۴۲۶ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

علی ہروی لکھتا ہے کہ فاطمی خلیفہ کے حکم سے دروازوں پر از سر نو سونے کی مینا کاری کی گئی۔ مشہور ایرانی سیاح ناصر خسرو ۴۳۸ھ (۱۰۴۷ء) میں بیت المقدس آیا تھا۔ اس کے عہد میں مسجد میں کچھ تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ مقدسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانے میں مسجد کے چھبیس دروازے، پندرہ جانب شمال اور گیارہ جانب مشرق تھے۔ جبکہ ایرانی سیاح نے شمال میں صرف سات دروازے اور جانب مشرق دس دروازے بیان کیے ہیں۔

علاوہ ازیں ناصر خسرو داؤد طاہر کے دالان کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کرتا، جو بقول مقدسی شمالی دروازے کے آگے بطور برآمدے کے بنایا گیا تھا۔ یہ تبدیلیاں غالباً ۴۰۷ھ اور ۴۲۵ھ کے زلزلوں کی وجہ سے ہوئیں۔ ناصر خسرو نے مسجد کے ستونوں کی تعداد ۲۸۰ بتائی ہے۔ اور یہ ستون مسجد قرطبہ کے ستونوں کے مشابہ تھے اور چودہ چودہ ستونوں کی بیس قطاروں نے مسجد کو چودہ دالانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ دو ستونوں کا درمیان کا فاصلہ چھ ذراع (گز) تھا۔ ناصر کا بیان حسب ذیل ہے

مسجد اقصیٰ شہر کے مشرقی رخ پر واقع ہے اس کی (یعنی احاطہ حرم کی) ایک دیوار وادی جہنم کے سرے پر ہے۔ اس کو باہر سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سو گز تک یہ بغیر چونا کے صرف بڑے بڑے پتھر جما کر تیار کی گئی ہے۔ احاطہ حرم کے جنوب مشرقی کونے کے قریب ایک خوبصورت اور وسیع مسجد ہے۔ اس مسجد کو مسجد الاقصیٰ کہا جاتا ہے اس مسجد میں اللہ جل شانہ راتوں رات اپنے حبیب کو شب معراج میں مسجد حرام سے یہاں لایا۔ اور یہیں سے آپ ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے یعنی آیہ معراج شریف میں ٹھیک اسی جگہ پر جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے سفر معراج شروع کیا تھا لوگوں نے کمال ہنرمندی سے مسجد تعمیر کی ہے

اس میں خوبصورت قالینوں کا فرش ہے ہمیشہ موجود ہے اور کام کرنے کے لیے خاص خدام مقرر ہیں

جنوب مشرقی گوشے سے (حرم کی) جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ چلیں تو دو سو گز اور کوئی عمارت نہیں ہے یہ گویا (وسط حرم کا) صحن ہے مسجد کی صدر عمارت (اقصیٰ کی) بہت وسیع ہے اس کی مغربی دیوار ایک سو بیس گز اور عرض ایک سو پچاس گز ہے مسجد میں دو سو اسی سنگی ستون قائم ہیں۔ ستون اور پائے دونوں کو سیسہ سے محکم کر دیا گیا ہے سنگ مرمر سے مسجد کی زینت بڑھائی گئی ہے۔ مسجد کے وسط جنوبی دیوار کے مقابل مقصورہ ہے اس کی وسعت اتنی ہے کہ ساٹھ ستون اس کے اندر آ گئے ہیں۔ بڑی محراب قبہ محراب پر مینا کاری کی گئی ہے۔ (موجودہ محراب دور ایوبی کی یادگار ہے) اور اس کے دونوں جانب سنگ مرمر کے ستون ہیں، جن کا رنگ عقیق احمر کا ہے۔ بڑی محراب کے سیدھے ہاتھ امیر معاویہ کی محراب ہے (وہ محراب جہاں کھڑے ہو کر حضرت معاویہ نماز ادا کرتے تھے) اور بائیں طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مسجد کی چھت چوبی ہے جسے نہایت خوبصورتی سے تراشا گیا ہے (اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی تھی)۔ مسجد کے طول یعنی مشرقی دیوار میں دس اور عرض یعنی شمالی دیوار میں پانچ دروازے ہیں۔ ان دروں کی بلندی دس ہاتھ (بارہ گز) اور چوڑائی چھ ہاتھ (سات گز) ہے۔ مشرقی دیوار کا کل طول چار سو بیس گز اور مشرقی دیوار کا ایک سو پچاس گز ہے۔ انہی دروازوں میں ایک پیتل کا ہے، جسے نفاست اور خوبصورتی سے بنایا گیا ہے اور دیکھنے والے کو سونے کا معلوم ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ یہ دروازہ خلیفہ المامون نے بغداد سے بھجوایا تھا (اب ان دروازوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا) ناصر خسرو نے حرم کے جنوب مشرقی گوشے اور مسجد کی مشرقی دیوار کے درمیانی صحن کا طول دو سو گز بتایا ہے۔ ناصر خسرو مزید لکھتا ہے

دیوار جنوبی پر ایک دروازہ ہے، جہاں وضو خانہ ہے حرم مسجد بہت طویل ہے مسجد میں متعدد حوض اور تالاب ہیں، جو زمین کھود کر بنائے گئے ہیں کیونکہ کل مسجد پہاڑی چٹان پر ہے برساتی پانی ضائع نہیں ہوتا بلکہ تالابوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ سنگ کے پرنالے بنے ہیں جن کے ذریعے پانی بہتا ہے ان پرنالوں کے نیچے سنگین حوض بنے ہوئے ہیں جن کے پیندے میں

سوراخ ہے۔ ان سوراخوں سے پانی بہہ کر نالیوں کے ذریعے سے بڑے حوض میں چلا جاتا ہے جو میزاب سے پاک وصاف ہوتا ہے۔ مسجد کے حوضوں کی مرمت کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ یہ سب سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں۔ حوضوں کے ڈھانے اس قسم کے ہیں جیسے تنور اور کنوئیں کا منہ ہوتا ہے۔ اور ہر حوض کے اوپر ایک پتھر رکھا رہتا ہے تاکہ کوئی چیز اس میں نہ گرے۔

ناصر خسرو باب النبی ﷺ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے

جس مقامات پر شہری آبادی نشیب میں ہے۔ وہاں مسجد میں صحن کی جانب سرنگ نکال کر زمین دو دروازے نکالے ہیں۔ ان دروازوں سے ایک کو جو قبلہ رو ہے باب النبی ﷺ کہتے ہیں۔ اس کی چوڑائی دس گز اور بلندی سیڑھیوں میں کسی جگہ بیس گز اور کسی جگہ پانچ گز ہے۔ سرنگ کی چھت پر مسجد کی عمارت ہے۔ چھت بہت مضبوط ہے۔ اور اس میں ایسے بھاری پتھر لگے ہیں کہ عقل میں نہیں آتا کہ قوت بشری نے انہیں اٹھا کر کس طرح یہاں پہنچایا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اسی دروازے سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ خسرو مزید لکھتا ہے کہ

شام اور نواحی علاقوں کے لوگ، جو حج بیت الحرام مکہ ادا نہ کر سکتے، ایام حج میں بیت المقدس کا رخ کرتے اور تمام رسومات ادا کرتے ہیں۔ قربانی کے دن مکہ کی قربانیاں دیتے ہیں۔ اور ذی الحجہ کے ابتدائی ایام میں بعض سالوں میں تو یہاں بیس ہزار سے بھی زائد افراد جمع ہو جاتے ہیں۔ القدس کو یہ تفوق واقعی محض مسجد اقصیٰ کی بدولت حاصل تھا خسرو نے اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جو بیت المقدس کے کلیساؤں اور کنشتوں کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ لیکن جس طرح اس نے کلیسائے نشورا اور دوسرے گرجاؤں کا ذکر کیا ہے۔ یہود کے کنشت کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کے داخلہ القدس پر جو پابندی لگائی تھی وہ بتدریج نرم ہوتی گئی مگر خسرو کا یہ بیان یہودی کنشت کے بارے میں ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ کیونکہ اسلامی قوانین کے تحت کسی نئے معبد کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہودیوں نے کسی رہائشی مکان کو معبد کی صورت دے دی ہو لیکن پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ موجود رہتا ہے کہ خسرو یا اس کے کسی ہم عصر مورخ نے حرم شریف کی مغربی دیوار جو بعد میں دیوار گریہ کہلائی پر یہودیوں کی آہوزاری کا ذکر تک نہیں کیا

تصنیف احیاء العلوم کا آغاز

امام غزالی نے جو خسرو کے پچاس برس بعد القدس آئے۔ اور جنہوں نے مغربی دیوار سے ایک تیر کے فاصلے پر اقامت اختیار کی۔ کسی معبد یا دیوار گریہ کا ذکر نہیں کیا۔ الغزالی نے جب تصوف اختیار کیا اور مکہ و مدینہ کے لیے بیت المقدس کی راہ لی تو وہ بغداد کے سب سے بڑے تعلیمی ادارہ نظامیہ کے پرنسپل تھے۔ جہاں سے انہوں نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ الغزالی جب شہر میں وارد ہوئے۔ مسجد اقصیٰ اور اس کے مضافات **قال اللہ وقال الرسول** کی صداؤں سے ہر وقت گونجا کرتے تھے۔ اور اس کے چاروں طرف دینی درسگاہیں اور صوفیہ کے حجرے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی ۱۰۹۵ء میں حرم شریف کے مشرق میں اقامت اختیار کی۔ اور مسجد اقصیٰ میں اپنی شہرہ آفاق کتاب احیائے العلوم کا آغاز کیا۔ یہ جگہ باب رحمت کے قریب تھی کہ جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اس کے اندر رحمت و برکت ہے۔ (۵۷: ۱۳) مسجد اقصیٰ میں الغزالی کے خطبات اس قدر موثر اور دلچسپ تھے کہ مسلمانوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اسلامی احکام و روایات کو اپنے انداز میں لکھ دیں۔ چنانچہ ان کا کتابچہ "القدس" اسی مطالبہ کی تکمیل ہے جو سلاست بیان اور جامعیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔

صلاح الدین ایوبی کا کارنامہ

علی ہروی جو صلاح الدین کے فتح بیت المقدس سے چند ہی سال قبل صلیبی دور میں یہاں آیا، لکھتا ہے

صدر محراب کا صدر دالان پندرہ قدم (۴۸ فٹ) اور جنوب سے شمال ۹۳ قدم (۲۲۵ فٹ) لمبا ہے۔ مسجد کے گنبد کی بلندی ۶۰ ذراع (۳۰ گز) ہے۔ گنبد کے نیچے کا ہر پہلو ۱۰۰ فٹ ہے۔

یہ ۹۰ سال تک رہتا رہا۔ اس وقت تک جبکہ صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں اسے صلیبیوں سے واگزار نہ کرا لیا۔ اس سے تیس سال قبل ایک ہسپانوی یہودی ربی بنجامن بیت المقدس آیا اور اس نے اپنی زیارتوں کے سلسلے میں مقدس مقامات اور شہریوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ البتہ اس کے عہد میں دو سو یہودی شہر میں موجود تھے جو [illegible] کا کاروبار

کرتے تھے لیکن بنجامن کے کچھ عرصہ بعد ایک دوسرا یہودی سیاح ربی پیٹاکیا صرف ایک یہودی اس کا ذکر کرتا ہے۔ بنجامن کسی یہودی کنشت کا ذکر نہیں کرتا۔ البتہ قبۃ الصخرہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ عیسائی اسے "ٹیمپلم ڈومنی" کہتے ہیں۔ اور قبہ کی مخالف سمت مغرب میں قدیم ہیکل کی دیواریں ہیں۔ اسے باب الرحمہ کہا جاتا ہے۔ اور یہودی اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں بنجامن کا یہ بیان محقق شہادت پر نہیں بلکہ شنید پر مبنی ہے کیونکہ باب الرحمہ مغربی سمت نہیں مشرقی سمت تھا۔ اس نے اپنے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ اس نے اس دیوار کی زیارت کی ہے۔ پھر بھی بنجامن اس لحاظ سے قابل اعتنا ہے کہ اس نے پہلی مرتبہ یہودیوں کے اس مرکز عقیدت کا حوالہ دیا جو بعد میں دیوار گریہ بن گئی۔ بلاشبہ مذہب پرست یہودی کلسیوس کے عہد سے ہیکل قدیم کی زیارت کے لیے گاہے بگاہے بیت المقدس میں آتے رہے لیکن یہ انفرادی یا اجتماعی طور پر یہود کا کوئی مذہبی فریضہ نہیں تھا۔ اور ان کا یہ تصور بھی [illegible] تاریخی شواہد پر مبنی نہیں کہ حرم قدس کی دیوار کا نچلا حصہ قدیم ہیکل کے باقیات سے ہے۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ انہوں نے کب سے حرم کی مغربی دیوار کے بیرونی حصہ کو رسمی طور سے عقیدت کا مرکز قرار دیا۔ قوی امکان یہ ہے کہ یہ تدریجی عمل کا نتیجہ ہے جسے مسلم حکام نے محسوس نہیں کیا۔ ۱۱۸۷ء کے بعد بیت المقدس میں یہودی زندگی کی بحالی صلاح الدین کی رحم دلی کی مرہون منت تھی۔ مشہور یہودی مورخ گریز کے مطابق یہودی صلاح الدین کی سلطنت کو امن کا مسکن سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعداد جو صلیبیوں کے عہد میں ایک رہ گئی تھی۔ بعد کے مسلم حکمرانوں کے دور میں بتدریج بڑھتی گئی۔ اور عیسائی یورپ کے یہودی امن کی تلاش میں فلسطین آتے رہے۔

صلاح الدین ایوبی کی رحم دلی

صلاح الدین کس قدر رحم دل تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے فتح القدس کے بعد ان عیسائیوں کو جنہوں نے مغربی مورخین کے بقول مسلمانوں کا اس قدر قتل عام کیا تھا کہ حرم قدس میں ان کے گھوڑے گھٹنوں تک خون میں نہا نہا گئے معمولی معاوضہ کے عوض بخش دیا بلکہ معمر مردوں اور عورتوں کو اس سے بھی مستثنیٰ رکھا اور بیواؤں اور یتیموں کو تحفے دیے ہزاروں افراد کو بلا معاوضہ رہا کر دیا۔ القدس میں صلاح الدین کا داخلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد سے بھی

زیادہ اہمیت کا باعث بنا، وہ سرورِ کائنات ﷺ کے سفرِ معراج کی سالگرہ کے دن یعنی ۲۷ رجب کو القدس میں داخل ہوا اور مسلمانوں نے اسے نیک فال سمجھا۔ لیکن اس قدر تاخیر ہو چکی تھی کہ وہ جمعہ کی نماز ادا نہ کر سکا۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس نے حکم دیا کہ عمارت کو پہلی حالت میں درست کیا جائے۔ صلیبی الداویہ نے اقصیٰ کے مغربی حصہ میں رہائشی مکان، گودام اور پاخانے وغیرہ تعمیر کر رکھے تھے۔ سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کو ان تمام نجاستوں سے پاک کیا اور سات روز تک تمام شرفاء، علماء اور حاجیوں نے فرشِ مبارک کو پانی سے سات مرتبہ دھویا۔ اس کی دیواروں سے میل وگندگی کو صاف کیا اور عمارت کو عرقِ گلاب میں نہلا دیا۔ آئندہ جمعہ کو صلاح الدین اپنی فاتح فوج اور علماء کی کثیر تعداد کے ساتھ، جو تمام علاقوں سے جمع ہوئے تھے۔ مسجد القدس میں سجدۂ شکر بجا لانے کے لیے حاضر ہوا۔ قاضی دمشق نے اس موقع پر ایک طویل خطبہ دیا، جس میں اس نے قرآن، اسلامی تاریخ اور روایات کی رو سے اس مسجد مقدس کی اہمیت بیان کی اور اظہار کیا:

”اے فرزندانِ توحید! کہیں اس فریب میں مبتلا نہ ہو جانا کہ تمہاری فتح تمہاری تلواروں کی بدولت ہے بلکہ فتح اللہ کا فضل ہے کہ فتح ہمیشہ اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کی نافرمانی کرنے لگو جس نے تمہیں فتح سے نوازا ہے۔ اس کی راہ میں جہاد کرو، اس کے احکام پر عمل پیرا رہو۔ وہ تمہیں مزید فتوحات دے گا۔ اس کے دشمن کا تدارک کرو اور اس سرزمین کو غلاظتوں سے پاک رکھو۔“

پھر مسجد قدس کی فضائیں اذان کی صدا سے گونج اٹھیں۔ قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کے دیواروں کے پتھر پتھر سے مسلمانوں کی پیشانیاں چومنے لگے۔ سلطان صلاح الدین نے مسجد بحالی اور تطہیر کی طرف توجہ دی۔ اور اس کی یاد میں کتبہ آج بھی مسجد کی درمیانی محراب کے اندر موجود ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ “مسجد اقصیٰ اور اس مقدس محراب کی بنا تقویٰ پر ہے ۵۸۳ھ میں جب اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو اپنے حقیر بندے اور نائب یوسف بن ایوب ابو مظفر سلطان صلاح الدنیا والدین کے ہاتھوں فتح کرایا تو اس نے مسجد اقصیٰ اور اس محراب کی بحالی کا حکم دیا۔ وہ اللہ سے دعا کرتا ہے کہ خدائے کریم اسے اپنے فضل و کرم کی شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی عفو و رحمت سے تائبین و مستغفرین میں داخل کرے۔“

صلاح الدین اس کی وہی پہلی سی عظمت اور شان و شوکت بحال کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس مسجد اور اس کے شہر کو اسلامی تعلیم و تمدن کا گہوارہ بنانے کا خواہاں تھا۔ چنانچہ اس نے مسجد اقصیٰ میں تعلیم و تدریس کی سابقہ روایت کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ شہر میں کئی نئے خیراتی اور تعلیمی ادارے قائم کیے اور اپنے نام پر اعلیٰ تدریس کے لیے ایک مدرسے اور صوفیوں کے لیے قیام گاہوں کی اساس رکھی۔ اس کے جانشینوں اور امیروں نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ مسجد حرم اور اس سے باہر اپنی نشانی کے لیے کئی یادگاریں چھوڑیں جس میں سے سلطان کے بھتیجے ملک المعظم عیسیٰ نے مسجد کے شمال میں ایک دالان بنایا جس کے سات دروازے تھے۔ بیٹے الافضل نے ۱۱۹۳ء میں حرم کے جنوب مغربی کونے میں مسجد المغاربہ کی بنا رکھی۔ اور باب المغاربہ سے باہر تمام زمین کا شمالی افریقہ کے علاوہ طلباء زائرین اور مسجد کے کام پر ذاتی وقف قائم کیا۔ اس حصہ حرم اور اراضی کا مسجد اور وقف کے لیے انتخاب اس لیے نہایت موزوں تھا کہ باب المغاربہ کے اندر اور باہر کی زمین کو سرور کائنات ﷺ کے سفر معراج سے خصوصی نسبت تھی۔ اس لیے اسے باب النبی ﷺ یا باب البراق بھی کہا گیا۔ اور سرور کائنات ﷺ جہاں براق النبی ﷺ سے اترے تھے اسے حرم میں ایک دروازے کے مغربی سمت ایک دالان کی صورت میں جسے مسجد البراق بھی کہا گیا محفوظ کر دیا گیا تھا۔

نسبت سے محبت

ایک اور قبہ جو عہد صلاح الدین میں تعمیر ہوا وہ حضور سرور کائنات ﷺ کے آسمان پر تشریف لے جانے سے نسبت رکھتا ہے۔ ۱۲۰۰ء میں بیت المقدس کے گورنر نے اس جگہ کے قبہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ جہاں سرور کائنات ﷺ نے معراج کی شب آسمان کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل نماز ادا کی تھی۔

گنج شہداء

صلاح الدین نے مسجد کی عظمت و شوکت اور شہر کے عزت و احترام کے لیے ایک اور اقدام بھی کیا۔ اہل صلیب نے اپنے وحشیانہ دور میں شہر کے قبرستان سے اکثر بزرگ اور نامور ہستیوں کی قبروں کو صاف کر دیا تھا۔ سلطان غازی نے باب الرحمہ کی دیواروں کے ساتھ اپنی مہم کے شہداء کو مدفون کرنے کا حکم دیا۔ اور اس علاقہ کو گنج شہیداں یا شہیدوں کے قبرستان کا نام دیا گیا۔ قبل

ازیں بعد بھی یہ جگہ معروف ہستیوں (مرد و خواتین) کا مدفن تھا۔ اصحاب رسول ﷺ عبیدہ اور شداد اسی جگہ مدفون ہوئے تھے۔ ابو فاطمہ بنت معاویہ کو بھی اسی مقام پر دفن کیا گیا تھا۔ اور بعض اہم شخصیتوں کو جو دوسرے شہروں میں جاں بحق ہوئیں، ان کی وصیت کے مطابق اسی قبرستان میں مٹی دی گئی۔ چنانچہ فاطمیوں سے قبل مصر کے دو حکمرانوں کو جن میں ایک نے قاہرہ اور دوسرے نے دمشق میں انتقال کیا تدفین کے لیے یہیں لایا گیا

ابن عساکرؒ

سلطان صلاح الدین نے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی اسلامی شان و شوکت کی بحالی کے لیے جو اقدامات کیے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاصر اور متاخر مورخین نے بیت المقدس، حرم شریف اور اس کے مقدس مقامات کے بارے میں متعدد کتب لکھیں اور اس سلسلے کا ابتدائی کام صلاح الدین کے معاصر ابن عساکر نے کیا جس کا بیشتر حصہ بیت المقدس میں لکھا گیا۔ مسجد اقصیٰ میں لیکچر کی صورت میں سامنے آیا۔ اس نے زیارت اقصیٰ کو نہایت اہمیت دی جو بالآخر باقاعدہ شکل اختیار کر گئی۔ ازاں بعد قبۃ الصخرہ، مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقدس مقامات کی زیارت مقررہ رسومات کے مطابق کرنے لگے۔

مصر کے مملوک سلطانوں اور عثمانی خلفاء کے دور میں بھی اس کی اہمیت میں کوئی فرق نہ آیا۔ مملوک سلطان محمد بن قلاوون نے اپنے عہد حکومت (۱۳۱۰ء تا ۱۳۳۰ء) میں محراب داؤد سے متصل حرم کی جنوبی دیوار کی مرمت کرائی اور مسجد اقصیٰ کے جنوبی گوشہ میں سنگ مرمر کی سلیں بچھائی گئیں اور بڑی محراب کے دائیں بائیں دو روشن دان بنائے گئے۔

۵۰۵ھ میں سلطان قایتبائی بھی مصر سے واپسی پر بیت المقدس آیا۔ اور مسجد اقصیٰ میں بیٹھ کر دستور قدیم کے مطابق اپنے حکام کے خلاف شکایات سنیں۔ اس عہد میں پہلی مرتبہ انکشاف ہوا کہ یہودیوں نے جنہیں سلطان صلاح الدین نے یورپی عیسائیوں کے ظلم و تشدد سے نجات دلائی اور پناہ دی تھی شہر میں ایک جگہ کو ریگ سا کنشت بنا لیا ہے۔ یہ مسئلہ ایک شافعی قاضی کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ عمارت چونکہ یہودی ملکیت ہے، اس لیے اسے تجارتی یا رہائشی اغراض کے لیے تو استعمال کر سکتے ہیں مگر اسے کنشت کے طور استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بعض افراد

نے اس فیصلہ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور یہ عمارت منہدم کر دی۔ یہودیوں نے سلطان سے اپیل کی جس نے نہ صرف منہدمہ عمارت دوبارہ تعمیر کرا دی بلکہ یہودیوں کو کنشت تعمیر کرنے کے لیے قانونی تحفظ دے دیا۔ یہ واقعہ ۱۴۷۴ء کا ہے۔ چنانچہ جب سلطان ۱۴۷۵ء میں مسجد اقصیٰ میں پہنچا تو ابھی یہ مسئلہ زندہ تھا۔ سلطان نے اقصیٰ مسجد کے قریب حرم شریف میں نئے پیمانے پر المدرسۃ الاشرفیہ قائم کرنے کا حکم دیا۔ جو مجیر الدین کے مطابق حرم مقدس کا تیسرا جوہر تھا۔ مملوک کے دور میں حرم شریف میں چار نئے مینار اور متعدد دالان تعمیر کیے گئے اور یہ وہی تھے جنہوں نے منگولوں کو شمالی فلسطین میں عبرتناک شکست دی اور سرزمین مقدس میں صلیبیوں کے آخری اڈے ختم کیے۔ انہی کے دور میں مجیر الدین نے کہ قاضی شہر تھا اپنی کتاب میں مسجد اقصیٰ کی جو کیفیت قلم بند کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۴۹۶ء سے اب تک مسجد کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اگرچہ ۹۳۸ تا ۹۴۳ء مسجد کی وسیع پیمانے پر مرمت ہوئی لیکن اس سے نقشہ میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑا۔ موجودہ مسجد میں شمال کی طرف سات اور مشرق کے رخ صرف ایک دروازہ ہے۔

مغربی جانب دو دروازے صحن میں کھلتے ہیں۔ ایک دراں عمارت کا راستہ ہے، جو صلیبی عہد میں "نائٹس ٹمپلر" کا اسلحہ خانہ تھی۔ جسے مجیر الدین مسجد نساء کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مجیر الدین لکھتے ہیں:

مسجد اقصیٰ شمالاً جنوباً صدر محراب سے صدر دروازے کی دہلیز تک ایک سو ذراع (۲۲۰ فٹ) بھی ہے۔ اس میں محراب کا اندرونی خم اور شمالی دروازہ کا سائبان شامل نہیں۔ اس کا عرض شرقی دروازے سے مغربی دروازہ تک ۷۶ ذراع (۱۷۰ فٹ) ہے۔ (ان خطوں کی موجودہ پیمائش بھی ۲۲۰×۱۷۰ فٹ ہے) شرقی دروازے سے میدان تک جاتے ہیں۔ صحن حرم کی طرف مسجد کے دس دروازے ہیں، دس دروازے شمال میں ہیں گویا ہر دالان کے سرے پر ایک در ہے۔ پھر شرقی، مغربی اور ایک تیسرا دروازہ ہے، جس سے جامع النساء والی عمارت میں جاتے ہیں۔ یہ وسیع ایوان مسجد اقصیٰ کا غربی حصہ ہے، اس میں شرقاً غرباً دوہرا دالان اور نہایت مضبوط دس ستون ہیں۔ یہ عمارت فاطمی خلفاء کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی

امام سیوطی کا بیان

علامہ جلال الدین سیوطی ۱۴۷۰ء میں بیت المقدس آئے تھے۔ انہوں نے محرابوں کے بارے میں جو کچھ لکھا، آج بھی محرابیں اسی کے مطابق ہیں وہ لکھتے ہیں

اکثر لوگوں کا اتفاق ہے کہ محراب زکریا مسجد کے شرقی دروازے سے ملے ہوئے دالان کی محراب ہے۔ اس محراب میں حضرت زکریا علیہ السلام ولادت مسیح سے قبل دن رات مصروف عبادت رہا کرتے تھے۔ آپ حضرت مریم علیہا السلام کے قریبی عزیز تھے۔ جب افترا پردازوں نے حضرت مریم پر بہتان باندھا تو آپ نے ان کے خلاف حضرت مریم علیہا السلام کی زبردست حمایت کی تھی۔ اور اریحا کے قدیم تاریخی شہر کے قریب دریائے اردن پر آپ کے صاحبزادے حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بپتسمہ دیا تھا۔

محراب معاویہ کے بارے میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں.

"یہ محراب خطیب کے مقام یا مقصورہ کے اندر آ گئی ہے۔ اس محراب اور صدر محراب کے درمیان خوبصورت منبر ہے۔ کہ جب یہود نے دیوار گریہ پر اپنا حق جتایا اور جسے مسترد کر دیا گیا لیکن خلافت عثمانی کے زوال کے بعد ان کی سازشیں تیز ہوتی گئیں اور آخر وہ دیوار گریہ پر اپنا حق جتانے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر وقت کی رفتار نے مسجد اقصیٰ کی عظمت و شوکت اور اس سے اہل اسلام کی عقیدت میں کوئی فرق نہیں ڈالا۔ ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی اپنے سفرنامہ زیارۃ شام والقدس میں لکھتے ہیں کہ

"مسجد اقصیٰ چاروں طرف پہاڑوں میں اس طرح محدود ہے۔ جس طرح صدف صادق کے دو حصوں میں چمکتا ہوا گوہر۔ مسجد اقصیٰ کا حرم محترم وسعت میں مسجد حرام سے سہ چند ہے۔ مسجد شہر کے شرقی کونے میں فصیل شہر سے متصل ہے۔ مسجد اقصیٰ کے دس دروازے ہیں۔ سات ایک قطار میں مغربی جانب اور تین شمالی جانب۔ مغربی دروازوں کے نام یہ ہیں۔ باب المغاربہ، باب السکینہ جس کو باب السلسلہ بھی کہتے ہیں۔ باب المتوضا، باب القطانین، باب الحدید، باب ابو عمری، باب العوانمہ۔ شمالی جانب، باب شرف الانبیاء (اسی سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حرم میں داخل ہوئے تھے)، باب حطہ (بنی اسرائیل وادی تیہ سے نجات پانے کے بعد اسی راستے سے آئے تھے) اور باب الاسباط جس کو باب الرحمۃ بھی کہتے ہیں، واقع ہیں۔ ان کے علاوہ شرقی جانب باہم ملے ہوئے

دو دروازے بند ہیں۔ انہیں باب التوبہ اور باب الرحمہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مسجد کے پیچھے مغربی جانب باب المغاربہ کے قریب دو بند دروازے ہیں۔ ان کے اندر قبلہ رو ایک بڑا حلقہ لگا ہوا ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ شب معراج رسول اللہ کا براق اسی سے باندھا گیا تھا۔ مسجد اقصیٰ کے چار مینارے ہیں۔ تین مغربی جانب اور ایک شمالی جانب باب الاسباط پر۔ بڑے دروازے سے محراب تک پچاس سو ۶ اور شرقی سے غربی تک ستر ۲ ہے۔ مسجد کے شرقی جانب وہ ہے جو چالیس ابدال سے منسوب ہے۔

انتباہ

ابدال کے وجود کا ابن تیمیہ اور اس کے مقلدین نجدی وہابی منکر ہیں ان کی تحقیق پڑھئے فقیر کے دو رسالے (۱) "ظہور الابدال (عربی)" (ملنے کا پتہ مکتبہ اویسیہ گلشن راوی لاہور)

(۲) "جامع الکمال فی وجود الابدال (اردو)" (ملنے کا پتہ مکتبہ غوثیہ سبزی منڈی کراچی)

فائدہ: شبلی نعمانی نے لکھا کہ:

مسجد کی عمارت جس کا طول ۲۰۰ گز اور عرض ۱۰۰ گز ہے بہت خوبصورت اور پر تکلف ہے۔ چھت ستونوں پر قائم ہے۔ اور ۲۰۰ صرف رخام کے ستون ہیں۔ جا بجا پچی کاری اور طلائی کام ہے۔ (سفرنامہ ۱۸۹۲ء) ۱۹۲۰ء میں برطانوی دور استبداد کا آغاز ہوا تو مسلم مقامات و اماکن مقدسہ کی نگرانی کے لیے ایک سپریم اسلامی کونسل قائم ہوئی۔ اس مجلس کے زیر اہتمام ۱۹۲۷ء میں بڑے پیمانے پر مرمت کا آغاز ہوا۔ اس وقت مسجد کی عمارت کا بیشتر حصہ مخدوش ہو چکا تھا۔ ماہر انجینئروں کی رپورٹ کی روشنی میں مرمت کا آغاز زمین دوز حجروں سے کیا گیا۔ مسجد اقصیٰ دراصل انہی حجروں کی بنیادوں پر قائم ہے حجروں کے کئی ستونوں اور استوانوں کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا گیا اس کے بعد مسجد اقصیٰ کے گنبد پر توجہ دی گئی۔ اس کے آٹھ ستونوں اور چار محرابوں کو از سر نو بنایا گیا کیونکہ پرانے ستون اور محرابیں خستہ ہو چکی تھیں نیز پرانی محرابوں کے نیچے نئی محرابیں تعمیر کر کے درمیانی خلا کو کنکریٹ سے بھر دیا گیا اس سے قدیم محرابیں گرنے سے بچ رہیں۔ ان محرابوں پر کنکریٹ کی نئی چھت ڈالی گئی مغربی دیوار کا ایک حصہ گرا کر اس کی جگہ سیمنٹ کی نئی دیوار تعمیر کی گئی محرابوں پر سبز اور سنہرا رنگ کیا گیا اور ان کے درمیان سٹیل کی مضبوط سلاخیں لگا دی گئیں

پھول دار شیشہ کی تیس نئی کھڑکیاں بھی بنائی گئیں۔ ان سے مسجد کی خوبصورتی میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس کام کی یادگار میں مسجد کی درمیانی محراب کے اوپر دو یہ کتبہ تحریر کیا گیا

"اس برکت والی مسجد الاقصیٰ کے گنبد کی مرمت اعلیٰ مجلس اسلامی نے ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں کرائی۔"

اس مرمت کو ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ بیت المقدس میں ایک شدید زلزلہ آیا، جس میں مسجد اقصیٰ کو شدید نقصان پہنچا۔ چنانچہ اس کے مجلس اس کی مرمت کا اہتمام کرتی۔ ۱۹۳۶ء میں ایک اور زلزلہ آیا۔ جس سے مسجد کے زمین بوس ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ مجلس اسلامی نے فوری اقدامات کئے اور ۱۹۳۸ء میں مصری عرب یادگاروں کے محکمے کے ڈائریکٹر محمود احمد پاشا کی نگرانی میں مرمت کے کام کا آغاز کر دیا۔ جو ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔ اس کام کے دوران مشرقی دالان شہید کر کے اس کی جگہ نیا دالان بنایا گیا۔ مسجد کی اندر کی چھت قدیم فاطمی طرز کے نقش و نگار سے آراستہ عمدہ قسم کی عمارتی لکڑی سے بنائی گئی۔ پرانے ستونوں کو ہٹا کر ان کی جگہ سنگ مرمر کے خوبصورت ستون تعمیر کئے گئے۔ ان کا پتھر اٹلی سے منگوایا گیا تھا۔ مرمت کا سارا کام فلسطینی مزدوروں اور کاریگروں نے مصری انجینئروں کے زیر نگرانی انجام دیا۔ مسجد کے درمیانی دالان کی اندرونی چھت کی آرائش و زیبائش کے لیے حکومت مصر نے دس ہزار مصری پونڈ کا عطیہ دیا تھا اور دوسرے ممالک اسلامیہ سے بھی عطیات موصول ہوئے۔ اس مرمت کی یادگار کے طور پر بھی مسجد کے صدر دروازے کی غربی جانب دیوار پر ایک کتبہ نصب کیا گیا۔ تحریر یہ ہے

"اعلیٰ مجلس اسلامی نے مصر کے ادارہ آثار عربیہ کی زیر نگرانی اس بابرکت مسجد اقصیٰ کے مشرقی دالان، درمیانی رواق اور شمالی رواق کے سامنے کے حصے کی مرمت کرائی۔ مرمت کا کام ۱۳۵۷ھ میں شروع اور ۱۳۶۲ھ میں ختم ہوا۔ وسطی رواق کی چوبی اندرونی چھت کی مرمت جلالۃ الملک فاروق اول کے عہد میں حکومت مصر کے ہاتھوں انجام پائی"

۱۹۲۸ء کا بیت المقدس

برطانوی انتدابی دور میں بھی مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے وقت ایک عجیب منظر ہوتا تھا۔ الحاج محمد الیاس برنی اپنے سفرنامہ مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں لکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کے وقت علاوہ شیخ

کی ایک جماعت دو سبز علم ہاتھوں میں لئے نعرہ تکبیر و درود پڑھتی ہوئی مسجد میں داخل ہوتی ہے نمازیوں میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی ہے۔ یہ دونوں علم جہاد میں سلطان صلاح الدین کے ساتھ رہتے تھے۔ علمبردار ان کو منبر کے دونوں طرف کھڑا کر دیتے ہیں۔ خطبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سلطان صلاح الدین کا ذکر خاص طور پر ہوتا ہے

۱۹۴۸ء میں جب برطانیہ رخصت ہوا تو یہودیوں کی گولہ باری سے مسجد کی مخصوص چوبی چھت کو شدید نقصان پہنچا۔ ۲۳ ستمبر کو متعدد کھڑکیاں اور دروازے ٹوٹ گئے اور نماز پڑھتے ہوئے کئی نمازی شہید ہو گئے۔ ۱۰ اکتوبر کو پھر گولہ باری ہوئی۔ اس سے شمال مغربی دیوار کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ اور موذنین میں سے کئی ایک کو شدید نقصان پہنچا۔ جنگ بندی کے بعد حکومت اردن نے مسجد کی تعمیر نو اور مرمت کا فیصلہ کیا تو کافی غور و فکر کے بعد ۱۹۵۲ء میں مرمت کا ایک واضح منصوبہ سامنے آیا۔ مصری انجینئروں کی جماعت نے مسجد کا معائنہ کرنے کے بعد پلان تیار کیا۔ اس کی تکمیل کے اخراجات کے لیے عالم اسلام سے رابطہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ ۱۹۵۹ء میں چیف انجینئر صالح شورابی نے خیال ظاہر کیا کہ مرمت کی تکمیل میں تین برس لگیں گے اور پانچ لاکھ مصری پونڈ صرف ہوں گے۔ اس میں سے تین لاکھ پونڈ کی رقم بحرین، سعودی عرب اور کویت نے دی۔ ۵۵ ہزار پونڈ کی رقم متحدہ عرب جمہوریہ نے فراہم کی۔ مرمت کے کام کا آغاز دسمبر ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ اس وقت مسجد کے گنبد کو ۲۸ ستونوں نے سہارا دے رکھا تھا۔ ان میں سے تین ستون کہنہ اور بوسیدہ ہو چکے تھے۔ انہیں بدلا گیا۔ مسجد کے گنبد پر سیسے کے خول کی جگہ المونیم اور پیتل کی آمیزش سے تیار کردہ خول چڑھانا طے ہوا۔ یہ کام ایک اطالوی کمپنی کے سپرد ہوا۔ نیا خول جس پر باریک و نفیس مینا کاری ہوئی ہے۔ دھوپ میں سونے کی طرح چمکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسجد کے بعض دروازے جو سلیمان اعظم نے لگائے تھے۔ تبدیل کر کے ان کی جگہ نئے عربی دروازے لگائے گئے۔ بیرونی دیواروں پر نئی ٹائلیں لگائی گئیں اور اس سلسلے میں یہ خاص اہتمام کیا گیا کہ ان کے رنگ، رقبے اور جائے وقوع میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ دونوں کا صحن اور میدان تقریباً پانچ فرلانگ لمبا اور تین فرلانگ چوڑا ہے جبکہ مسجد اقصیٰ کے کمرے کی مساحت ۱۲۰ قدم × ۱۰۰ قدم ہے۔ اس کے اندر سنگ مرمر کے

بے شمار طویل و عریض ستون ہیں اور ہر ستون ایک ہی پتھر سے بنایا گیا ہے محراب میں مختلف رنگوں میں سنگ مرمر کے باریک ستون ہیں محراب کی دائیں جانب زیتون کی لکڑی سے بنا ہوا ایک طویل منبر ہے۔ جس پر قدیم طرز کی نقاشی اور گل کاری کی گئی ہے۔ اس پہ لکھی ہوئی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منبر مجاہد اعظم نورالدین زنگی کے بیٹے نے اس وقت حلب سے بھجوایا تھا جب صلاح الدین نے فتح بیت المقدس کے بعد نورالدین زنگی کی آرزو پوری کرنے کے لیے اسے منگوا بھیجی۔ کیونکہ سلطان نورالدین نے اسے بطور خاص مسجد قدس ہی کے لیے بنوایا تھا۔ اس منبر پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ یہ منبر بندۂ ناچیز کی خواہش پر بنایا گیا۔ جو خدا کی رحمت کا محتاج اور اس کی نعمتوں کا سپاس گزار ہے۔ جو اللہ کی راہ میں مجاہد اور دین خداوندی کے دشمنوں کے بے پناہ رکاب ہے۔ جو مرکز اسلام و المسلمین، مظلوموں کا حامی ابو القاسم محمود بن زنگی ہے۔ بادشاہ عادل تو اللہ عزوجل ہے۔ منبر کے دوسری طرف صنعت سلیمان بن معالی عمل حمید بن ظفر بھی لکھا ہے۔ یہ منبر صدیاں گزر جانے کے باوجود اب تک نیا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن جون ١٩٦٧ء کو یہ مسجد یہودیوں کے تصرف میں چلی گئی اور آج تک اپنے صلاح الدین کی منتظر ہے۔

تاریخ قبۃ الصخرہ

فضائل

حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ "جو تجھے محبوب رکھتا ہے میں اسے محبوب رکھوں گا"۔

اس جگہ جو نماز ادا کی جائے۔ پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

(۲) کعبہ معظمہ کے بعد روئے زمین پر قبۃ الصخرہ اہل اسلام کے لیے مقدس مقام ہے

لغوی تحقیق

صخرا عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی چٹان کے ہیں۔ یہ چٹان زمین سے صرف دو گز اونچی ہے نہ تو مربع ہے نہ ہی مستطیل عام روایت کے مطابق اس چٹان کا طول ۵۸ فٹ اور عرض ۴۴ فٹ ہے بعض روایت میں اس کا عرض ۳۴ فٹ بتایا گیا ہے

اس کی قدامت کے ضمن میں کئی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ہبوطِ آدم سے بھی دو ہزار سال پہلے فرشتے اس کا طواف کر چکے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جس مقام پر رکی تھی وہ یہی چٹان تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت اسرافیل اسی چٹان پر کھڑے ہو کر صور پھونکیں گے۔ اکثر مفسرین اور محدثین کی رائے ہے کہ صخرہ جنت کی چٹانوں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بیت الکعت بھی کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس چٹان پر ختم المرسلین نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء کرام نے عبادت کی ہے اور اسی ہزار فرشتے ہر وقت اس کو حلقے میں لیے رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ سب انبیاء اسی پر بیٹھ کر خدا کے احکام لوگوں کو پہنچایا کرتے تھے۔ پھر یہ اڑ جانے لگی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری تک اس کو روک دیا اور شبِ معراج حضور ﷺ نے ہمیشہ کے لیے اسے قائم رکھا۔ بعض روایات کے مطابق یہ چٹان زمین کا سنگِ بنیاد ہے۔

امام جلال الدین سیوطی صخرہ کے بارے میں لکھتے ہیں

ابن المصور نے ہمیں بتایا کہ صخرہ بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بارہ ہزار ہاتھ بلند تھا (ہاتھ جنگل کے ایک ہاتھ، ایک بالشت اور ہاتھ کی چوڑائی کے برابر تھا) اس پر ایک معبد تھا۔ جو صندل کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ اس کی اونچائی بارہ میل تھی۔ اس پر سونے کی جالی بندھے ہوئے لعل اور موتیوں کی دو تسبیحوں کے درمیان تھی۔ جس کو علاقہ کی عورتوں نے رات میں بنا تھا۔ یہ جالی تین دن کام آتی تھی۔ جب سورج نکلتا تو عمواس (EMMAUS) کے لوگ اور شام کو بیت ارحن کے لوگ اس کے سایہ میں رہتے تھے۔ اس پر ایک بڑا لعل نصب تھا۔ جو رات میں سورج کی طرح چمکتا اور ۵۸۵ ق م بروایت دیگر ۵۸۶ ق م تک جب کہ بخت نصر نے تمام چیزوں کو برباد کر دیا۔ یہ سب کچھ برقرار تھا۔ بخت نصر نے جو کچھ ہاتھ لگا لوٹ لیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صخرہ بیت المقدس سر بفلک تھا جس کی بلندی بارہ میل تھی اور اس سے اوپر آسمان کے درمیان فاصلہ بارہ میل سے زیادہ نہ تھا۔ یونانی قبضہ کے دوران یونانیوں نے کہا کہ ہمیں اس جگہ پہلے سے بہتر اور شاندار عمارت تعمیر کرنی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے ایک عمارت تعمیر کی۔ اس کا عرض اتنا تھا، جتنا ارتفاع۔ اس کو سونے سے منڈھ دیا اور چاندی پھیر دی لیکن جو

بھی اس میں داخل ہو کر انہوں نے بت پرستی شروع کی تو عمارت ان پر گر گئی اور وہ سب دب کر ہلاک ہو گئے

شاہ یونان نے یہ حادثہ دیکھا تو اس نے مجلس مشاورت منعقد کی جس کے مشورے سے اس نے دوبارہ معبد تعمیر کرایا سو آدمی اس میں داخل ہوئے اور بت پرستی کرنے لگے ان کا بھی وہی حشر ہوا کہ عمارت کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے مگر بادشاہ ان میں شامل نہیں تھا۔ بادشاہ نے تیسری مرتبہ لوگوں کو اکٹھا کر کے استصواب کیا اسے کہا گیا کہ ہمارا خدا ہم سے خوش نہیں کیونکہ ہم نے بیش قیمت چڑھاوے نہیں چڑھائے۔ لہذا ہم کو معبد پھر بنانا چاہیے۔ چنانچہ معبد تیسری مرتبہ بنا۔ عمارت بن چکی تو بادشاہ نے عیسائیوں کو طلب کیا۔ انہوں نے اس کے چاروں طرف سونے چاندی کی صلیب نصب کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر عمل ہوا۔ لوگ اندر داخل ہوئے اور انہوں نے بت پرستی شروع کر دی۔ معاً تیسری عمارت بھی ان پر آ گری۔ اس پر بادشاہ نے لوگوں کو پھر مشورے کے لیے جمع کیا۔ ان میں سے ایک ضعیف آدمی نے کہا۔ اس جگہ کا تقدس دوسرے مقام پر جہاں آجکل کلیسائے نشور (CHURCH OF RESURRECTION) منتقل ہو گیا ہے۔ اس لیے تم وہاں معبد بناؤ اور اس نے لوگوں کو چٹان کاٹنے کا حکم دیا۔ وہ بوڑھا اس کے بعد وہاں سے غائب ہو گیا۔ اور لعنتی لوگوں نے اس چٹان کو کاٹا۔ باقی سب معبد منہدم کر دیے اور ہیکل کے سامنے سے کلیسائے نشور اور وادی ہنون (HINON) کا گرجا تعمیر کیا اس بوڑھے نے لوگوں سے یہ بھی کہا تھا کہ "اس جگہ کو یہاں بھی معبد تھا، غلاظت سے بھر دو۔"

چنانچہ انہوں نے کوڑے کرکٹ کا بہت اہتمام کیا۔ یہاں تک کہ بعض موسموں میں غلاظت اور گندگی قسطنطنیہ سے جہازوں میں بھر کر بھیجی جاتی اور ایک مقررہ وقت پر صخرہ میں پھینک دی جاتی تھی یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے سبب سے بیدار کیا اور راتوں رات ان کو یہاں کی سیر کرائی

علامہ سیوطی مزید لکھتے ہیں

ہم نے پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت صخرہ کو سفید مونگے کا بنا کر اور اسے وسیع کر کے زمین و آسمان پر پھیلا دے گا۔ پھر لوگ اس صخرہ پر سے جنت یا دوزخ میں جائیں گے جیسا کہ

حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہ زمین کسی اور طرح کی زمین میں بدل جائے گی آسمان سفید ہو جائیں گے مٹی چاندی بن جائے گی اور اس پہ کسی قسم کی آلودگی نہ رہے گی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ زمین کوئی اور زمین بن جائے گی اور یہ آسمان بدل جائے گا تو خلقت اس روز کہاں ہو گی۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ پل صراط پر (گویا قیامت کے روز صخرہ ہی پل صراط کا کام دے گا)

ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ الواح میں خدا بیت المقدس کے صخرہ سے کہتا ہے کہ تو میرا عرش ہے۔ تو میرے قریب ہے۔ میں نے آسمانوں کو تیری جڑ سے اٹھایا اور زمین کو تیرے نیچے بچھایا اور تمام دور افتادہ مشکل اور دشوار گزار پہاڑ تیرے نیچے ہیں۔ جو تیرے اندر مرا۔ وہ گویا آسمانی دنیا میں مرا۔ دن اور رات کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک میں تجھ پر آسمانی روشنی نہیں بھیجوں گا اور میں تجھے دھوؤں گا یہاں تک کہ تو دودھ کی طرح سفید ہو جائے۔ اور میں تجھ پر ملائکہ اور انبیاء کے گروہ بھیجوں گا۔ اپنی ارواح اور فرشتوں کو نازل کروں گا تا کہ تیرے ساتھ عبادت کریں۔ جو روشنی تجھ پر ڈالوں گا وہ بنی آدم میں سے کافروں اور ان کے نقش پا مٹا دے گی۔ جو کوئی دور سے اس معبد کو دیکھے گا اس پر برکتیں نازل ہوں گی۔

اسی مصنف سے روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ صخرہ بیت المقدس سے کہتا ہے، جو تجھے محبوب رکھتا ہے، میں اس کو محبوب رکھوں گا۔ جو تجھ سے محبت کرتا ہے میں اس سے محبت کروں گا۔ اور جو تجھ سے نفرت کرے میں اسے دھتکار دوں گا۔ جو کوئی تجھ میں دو رکعت نماز پڑھ لے۔ میں اس کے سب گناہ بخش کر ایسا بنا دوں گا گویا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ بشرطیکہ وہ دوبارہ گناہوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

ایک پرانی روایت ہے کہ مقاتل بن سلیمان اس مسجد میں نماز پڑھنے آئے اور دروازہ پر بیٹھ کر صخرہ کو دیکھنے لگے تو وہاں بہت بڑی جماعت جمع ہو گئی۔ اتنے میں علی بن ابا بدوی میر چپے فرش پر دور سے چلتے ہوئے آگے بڑھے اور انہوں نے حاضرین سے راستہ مانگا تو لوگ ادھر ادھر ہٹ گئے انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ اس پہ جا کے سے نہ چلیں اور پھر ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ یہاں مقاتل بن سلیمان ہے اور تم زور سے چل رہے ہو یہی مقام ہے جہاں جنت کی

ہوائیں بسی ہوئی ہیں۔ اور نہ صرف اس جگہ بلکہ احاطہ میں ایک بالشت جگہ ایسی نہیں جہاں کسی پیغمبر یا مقرب فرشتے نے نماز نہ پڑھی ہو

ام عبداللہ بنت خولہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ ساعت مقرر ہے جب کعبہ صخرہ کے پاس لے جایا جائے گا۔ اور اس پر حج کی تمام برکات لگی ہوں گی اور وہ اس کا حصہ بن جائیں گی

یہ بھی روایت ہے کہ صخرہ معلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ یہ اس کی حکمت و غضب ہے کہ کوئی شے اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتی۔ شب معراج کو اس کے مغربی گوشے پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ گوشہ آپ کی تعظیم سے کانپنے لگا۔ اور دوسرے گوشے پر فرشتوں کی انگلیوں کے نشان ہیں جنہوں نے اسے لرزنے سے باز رکھا تھا۔

قبۃ الصخرہ کی بنا اور تعمیر کے متعلق متضاد روایات بیان کی جاتی ہیں۔ یہودی اور عیسائی بھی اسے مقدس اور اپنا قبلہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن صحائف قدیم میں اس کا ذکر موجود نہیں البتہ تالمود وغیرہ میں تذکرہ آیا ہے۔ اور تاریخ میں فرانس کے ایک زائر جو بوردو کا رہنے والا اور ۳۳۳ء کے لگ بھگ یروشلم آیا تھا، کے بیان سے قبل اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ زائر لکھتا ہے کہ ہیکل کے احاطہ میں شہنشاہ ہیڈرین کے نصب کردہ گھوڑوں کے دو بتوں کے قریب جو سوراخ دار چٹان ہے، یہودیوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اس مقدس چٹان کو سال میں ایک بار تیل سے چپڑتے، گریہ زاری کرتے اور اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں۔ اس کے بعد وہ چلے جاتے ہیں۔ اور یہ قدیم ترین حوالہ ہے جس میں یہود کے رونے دھونے اور ماتم کا ذکر ہے لیکن اس سیاح کی کوئی تحریر آج نہیں ملتی اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس بیان کی حقیقت کیا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہی وہ چٹان ہے، جس پر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں یہودی اپنی قربانیاں رکھا کرتے تھے۔ اور جنہیں آسمان سے اتر کر آگ کا شعلہ جلا کر راکھ کر دیتا تھا۔ یہ ان کے نزدیک قربانی کے قبول ہو جانے کی نشانی تھی اور اس چٹان کے نیچے جو غار ہے اس کے بارے میں یہودی روایت ہے کہ اس میں قربانی کا خون اور آلائش جمع ہو جاتی جسے بعد میں صاف کر دیا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی تقدیس اور حرمت کا اعتراف سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے کیا

رسول اللہ ﷺ دین ابراہیمی کے احیاء کی خاطر تشریف لائے تھے چنانچہ خانہ کعبہ میں

مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا فرماتے۔ اس طرح بیت المقدس کا یہ صخرہ بھی سامنے آ جاتا
آپ ﷺ ہجرت کے بعد بھی تقریباً دو سال تک اسی صخرہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا فرماتے
رہے۔ ہجرت کے دوسرے سال کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے باہر مسجد بنی سلمہ میں
بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز ادا فرما رہے تھے اور ابھی آپ نے دو رکعت ادا کی تھیں کہ
وحی الٰہی نازل ہوئی۔

"اے محمد اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو اور جہاں کہیں بھی ہو اسی کی طرف منہ پھیر دو"

چنانچہ باقی نماز خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے ادا کی گئی۔ اسی بنا پر مسجد بنی سلمہ کا نام مسجد قبلتین (یعنی
دو قبلوں والی مسجد) ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کے اس واقعہ کو مومن و منافق میں ذریعہ امتیاز
قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

"بے وقوف لوگ یہ اعتراض کریں گے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اس سے ان کو کس نے پھیر دیا۔
کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کے ہیں تیرا جو قبلہ (کعبہ) تھا اسے ہم نے پھر قبلہ قرار دیا۔
تاکہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر (ﷺ) کا پیرو کون تھا اور روگردانی کرنے والا کون ہے۔ بلاشبہ یہ قبلہ بہت
گراں اور ناگوار ہے لیکن ان لوگوں کے لیے اس میں کوئی گرانی نہیں جن کو خدا نے ہدایت کی۔"

اور یہ اہل اسلام کی نظر میں اس کی حرمت کا ایک سبب ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ
ﷺ شب معراج یہیں سے براق پر سوار ہو کر خالق ارض و سما سے ملاقات کے لیے تشریف لے
گئے۔ اور اسی کے پہلو میں انبیاء کی امامت فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس آئے تو انہوں نے الصخرہ کو جس پر کوڑے کے ڈھیر تھے،
پاک وصاف کر دیا۔ اسی اثنا میں خدا کی قدرت سے موسلادھار بارش ہو گئی جس سے پوری چٹان
دھل کر نکھر گئی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں نماز ادا کی۔ اور پھر ان کے حکم سے
اس پر ایک سادہ سی مسجد یا عمارت بنا دی گئی۔ آجکل چٹان پر خوبصورت ہشت پہلو عمارت ہے
اسے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے تعمیر کرایا تھا۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ الصخرہ خانہ
کعبہ اور گنبد خضریٰ کے بعد مسلمانوں کا مقدس ترین مقام ہے۔ اور دوسرا سبب مقدسی نے اپنے چچا
کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے۔

شام وہ ملک ہے جس پہ مدتوں عیسائی قابض رہے اور اس (عبدالملک) نے وہ خوبصورت گرجا بھی دیکھے جو ابھی تک ان کے قبضے میں ہیں۔ اور ان کی خوش نمائی ایسی دلکش اور شان و شوکت ایسی مشہور ہے، جیسے (بیت المقدس) کمامہ (مزار مسیح کا گرجا) یا مدیا اور اڈیسہ کے کلیسا دلکش اور مشہور ہیں۔ لہٰذا اس نے مسلمانوں کے لیے ایسی بے مثل اور عجوبۂ روزگار مسجد بنانا چاہی کہ مسلمان پلٹ کر بھی ان گرجوں کی طرف نہ دیکھیں۔ اسی طرح خلیفہ عبدالملک کو کلیسا کے گنبد کی عظمت و شان دیکھ کر غیرت آئی کہ کہیں مسلمانوں کے دل اس سے مرعوب نہ ہوں۔ اسی لیے اس نے چٹان پر یہ گنبد تعمیر کرایا۔

مورخ سبط الجوزی اپنی کتاب مرآۃ الزمان میں بیان کرتا ہے کہ عبدالملک نے یہ تعمیر ۶۹ھ میں شروع کی۔ جو ۷۲ھ میں تکمیل کو پہنچی (۶۸۷ء تا ۶۹۰ء) قبۃ الصخرہ کی تعمیر کے وقت خود خلیفہ دمشق سے بیت المقدس آیا اور وہاں سے ہر ولایت اور شہر کے حاکم کو لکھا کر گنبد کی تعمیر و تزئین کے سلسلے میں رائے دیں۔ سب نے اتفاق کیا۔ اس پر خلیفہ نے اپنی سلطنت کے بہترین کاریگروں کو جمع کیا اور انہیں گنبد کی تعمیر شروع کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے صحن حرم میں اس کا نقشہ بنایا۔

خلیفہ کو اس گنبد کی تعمیر میں اس قدر اشتیاق تھا کہ پہلے اس نے اس نقشہ کے مطابق نمونے کا گنبد تعمیر کرایا۔ یہ گنبد اب بھی مشرق کی طرف چٹان کے قریب موجود ہے۔ جو قبۃ سلسلہ کہلاتا ہے۔ بعد ازاں اس گنبد میں قبۃ الصخرہ کی تعمیر کے لیے خزانے جمع کیے گئے۔ خلیفہ نے قبۃ الصخرہ کے لیے مصر کا سات برس کا خراج جمع کیا اور رقم اس کے لیے الگ کر دیا۔ بیسان کے مشہور عالم و فاضل رجاء ابن حیاۃ اور یزید بن اسلام کو مہتمم مقرر کر کے اختیار دیا کہ وہ اس گنبد کی تعمیر میں جتنا روپیہ چاہیں خرچ کریں۔ انہوں نے پورے اشتیاق سے تعمیر کرائی اور جب قبۃ الصخرہ مکمل ہوا اور مزید خرچ کرنے کا موقع نہ رہا تو انہوں نے مخصوص خزانہ میں سے بچی ہوئی رقم کے بارے میں خلیفہ کو لکھا

امیر المومنین نے بیت المقدس کی چٹان پر جس گنبد کی تعمیر کا حکم دیا تھا وہ مکمل ہو گیا ہے۔ اور اس سے بہتر اور خوبصورت بنانے کے بارے میں ایک لفظ کہنے کی گنجائش نہیں رہی۔ امیر المومنین نے اس مقصد کے لیے جو رقم مخصوص کی تھی اس میں سے ایک لاکھ دینار بچ گئے ہیں۔ امیر المومنین کو اختیار ہے کہ باقی رقم کو جہاں چاہیں خرچ میں لائیں۔

خلیفہ نے جواب میں لکھا

اس معظم ومحترم عمارت کی تعمیر میں جو کارہائے نمایاں تم نے کیا ہے۔ اس کے صلے میں یہ باقی رقم تم دونوں بطور انعام اپنے کام میں لے آؤ

لیکن انہوں نے پسند نہ کیا۔ بلکہ اپنی بیویوں کے زیور اور اندوختہ بھی خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ ان درہم و دینار سونے کو پگھلا کر قبۃ الصخرہ کی چھت اور دیواروں پر چڑھا دیا جائے۔ چنانچہ حکم کی تکمیل ہوئی اور قبہ اس قدر روشن ہو گیا کہ سونے کی جوت سے دیکھنے والوں کی نظر نہ ٹھہر سکتی تھی۔ سردی کے موسم میں گنبد کو بارش اور برف سے محفوظ رکھنے کے لیے جانوروں کی اون اور کھال سے دو غلاف تیار کرائے گئے تاکہ بوقت ضرورت گنبد پر چڑھا دیے جا سکیں۔ یزید اور یزید ابن اسلام نے چٹان کے گرد دیبا آبنوس کی ایک جالی بھی بنوائی اور باہر کے رخ ستونوں کے درمیان زری کے پردے ہوا کر لٹکا دیے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مینڈھے کے دونوں سینگ اور خسرو ایران کا تاج ایک زنجیر سے بندھوا کر قبۃ الصخرہ کے وسط میں لٹکا دیا۔ ایک بیش بہا موتی بھی اس زنجیر سے آویزاں تھا۔ (یہ نوادرات عہد عباسیہ میں کعبہ مکرمہ میں منتقل کر دیے گئے۔)

تاریخ بتاتی ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے اس حرم کی خدمت کے لیے تین سو خدام مقرر کیے۔ ان میں سے بعض تو دن رات زعفران کو نئے پیسے اور اس میں مشک و عنبر اور گلاب رنگل جوزی کا پانی ملا کر ایک خلوق تیار کرنے میں مصروف رہتے۔ یہ خادم حجرہ میں جانے سے قبل اچھی طرح نہا دھو لیتے۔ پھر یہ دیبائی ریب تن کر کے چٹان پر اس کی مالش کرتے ہوئے چاندی کے فانوسوں میں عود عنبر اور مشک سلگاتے۔ دروازوں کے پردے گرا دیتے اور جب پوری عمارت خوشبو میں رچ بس جاتی تو اس کی خوشبو حرم شریف سے باہر منڈی تک جاتی اور راہ گیروں کے دماغ خوشبو سے معطر ہو جاتے۔ روایت ہے کہ خوشبو سے عمارت کو خوب معطر کیا جاتا تو زائرین کو اندر جانے کی اجازت دی جاتی جو دو یا چار رکعت نفل پڑھتے اور جب زائرین لوٹ جاتے تو خدام فرش کو پانی سے دھو ڈالتے۔ ہر دروازے کی نگہبانی کے لیے دس دس حاجب مقرر تھے

ابوبکر بن الحارث سے جو عبدالملک کی مسجد صخرہ میں شمعیں روشن کرتے تھے، روایت ہے کہ

قبۃ الصخرہ میں خالص چنبیلی کا تیل جلایا جاتا تھا۔ اس کی خوشبو سے لوگوں میں اس قدر اشتیاق پیدا ہوتا کہ وہ یہ تیل اپنے کپڑوں پر مل لیا کرتے

عقبہ بیان کرتا ہے کہ اس زمانے (عہد ولید) میں مسجد اقصیٰ کے چوبی ستونوں کو چھوڑ کر صرف چھت میں چھ ہزار تختے لگے ہوئے تھے۔ اور دروازوں کی تعداد پچاس تھی۔ چھ سو ستون سنگ مرمر کے اور سات محرابیں تھیں۔ اور چودہ سو چار سو زنجیریں جھاڑوں کے ساتھ لٹکی رہتی تھیں۔ جن میں سے دو سو تیس مسجد اقصیٰ میں اور باقی ماندہ (یعنی ایک سو چونسٹھ) گنبد صخرہ میں تھیں۔ ان تمام زنجیروں کی کل لمبائی چار ہزار دو سو گز اور وزن ۴۳ ہزار رطل شامی (۲۸ ہزار پونڈ) تھا۔ پانچ ہزار فانوس تھے (یہ زنجیریں اور فانوس صلیبی لوٹ کی نذر ہو گئے) خلیفہ عبد الملک کے عہد میں کچھ یہودی اور عیسائی بھی بعض معمولی خدمات انجام دینے پر متعین تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہیں ہٹا کر ان کی جگہ شاہی خمس سے خریدے ہوئے خدام مقرر کئے۔ اور جب ان میں سے کوئی مرتا تو اس کا بیٹا یا پوتا اس کی جگہ لے لیتا۔

اسی عظمت و جبروت سے خیرہ ہو کر عیسائی مؤرخ فرگسن نے دعویٰ کیا کہ حضرت مسیح کے مقبرے پر قسطنطین نے جو کلیسا تعمیر کیا تھا۔ وہ موجودہ کلیسائے مزار شریف نہیں بلکہ یہی قبۃ الصخرہ تھا۔ مگر لی سٹرینج اور دوسرے یورپی مؤرخین نے اس کے اس دعویٰ کو باطل قرار دیا ہے۔ وہ اس امر میں متفق ہیں کہ قبۃ الصخرہ خلیفہ عبد الملک کی تعمیر ہے۔ البتہ لی سٹرینج نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ قبۃ الصخرہ عبد الملک نے اس لیے تعمیر کیا کہ وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو اس کے عہد میں مکہ و مدینہ پر قابض تھے کی رقابت میں حجر اسود کے بجائے صخرہ کو مسلمانوں کے لیے حج اور طواف کا مرکز بنانا چاہتا تھا لیکن اس کا یہ دعویٰ محض ایک مستشرق کی دماغی اختراع ہے۔ جو عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ مولانا شبلی نے اپنے رسالہ انتقاد میں اس نوع کی روایت کا مسکت رد کیا ہے۔

عبد الملک کے بعد عباسی خلیفہ المامون کی ہدایت پر اس کے بھائی ابو اسحاق نے جو بعد میں معتصم کے نام سے خلیفہ بنا، گنبد کی مرمت و تزئین کی۔ اس کا سبب ایک زلزلہ بنا جس سے صخرہ کی عمارت کو نقصان پہنچا تھا۔ یہ کام صالح بن یحییٰ کی زیر نگرانی ۲۱۶ھ (۸۳۱ء) میں ہوا اور لیفٹیننٹ ای کونڈر کے بیان کے مطابق اس مرتبہ قبۃ الصخرہ کا بیرونی دیوار سے احاطہ کیا گیا۔ اور

بعض برخود غلط یا خلیفہ کی رضا کے متلاشی معماروں نے خلیفہ عبدالملک کے نصب کردہ کتبہ میں تبدیلی کردی۔ خلیفہ عبدالملک کا کتبہ جنوب مشرقی محراب میں پیوست تھا اور اس کی عبارت یہ تھی۔

"اس گنبد کو اللہ کے بندے عبدالملک امیر المومنین نے سن بہتر ہجری میں تعمیر کرایا۔ اللہ قبول فرمائے"

لیکن یہ کاریگر کتبہ سے سن اور ملک مٹانا بھول گئے۔ اس لیے ان کی جعل سازی پکڑی گئی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آج جو ہشت پہلو عمارت موجود ہے یہ باعتبار کرسی اور نقشہ تعمیر کے مجموعی طور پر وہی ہے جسے خلیفہ عبدالملک نے ۶۹۱ء میں تعمیر کرایا تھا۔ قبۃ الصخرہ کی سب سے قدیم تفصیلی کیفیت وہ ہے جو ابن الفقیہ نے ۹۰۳ء میں لکھی کہ۔

احاطہ حرم کے وسط میں ایک چبوترہ تین سو ہاتھ لمبا اور ایک سو چالیس ہاتھ عریض ۹۰ ہاتھ اونچا بنا ہوا ہے۔ اس کی چھ سیڑھیاں چڑھ کر قبۃ الصخرہ میں پہنچتے ہیں جو چبوترہ کے وسط میں تعمیر کیا گیا ہے اس کا عرض و طول سو سو ہاتھ (یعنی ڈیڑھ ڈیڑھ سو فٹ) بلندی ۱۰۵ فٹ اور محیط ۳۰۵ فٹ ہے۔ اس کی چار مسقف ڈیوڑھیاں اور ہر ڈیوڑھی میں چار در ہیں۔ اوپر سنگ مرمر کا فرش بچھا ہوا ہے۔ خود چٹان ۵۵ فٹ لمبی اور ۴۰ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے نیچے ایک غار ہے جس میں سو آدمیوں کی گنجائش ہے۔ گنبد سفید سنگ مرمر اور نیچے کی چھت طلائے سرخ سے بنائی ہے۔ دیواروں میں اوپر کے رخ ۵۲ دریچے ہیں جو ۶ فٹ لمبے اور ۹ فٹ چوڑے ہیں۔ اور ان پر مختلف رنگ کے شیشے چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ گنبد جسے عبدالملک نے تعمیر کیا۔ بارہ پایوں اور تیس ستونوں پر قائم تھا۔ اس میں گنبد کے اوپر دوسرا گنبد بنا تھا۔ جس پر سیسے کی چادریں اور نیچے سنگ مرمر تھا۔ آج بھی ہشت پہلو عمارت کے ہر پہلو کا عرض ۶۶ فٹ ہے۔

ابتدائی زمانے میں بھی گنبد اتنا ہی اونچا تھا جتنا آج کل ہے۔ حالانکہ یہ زلزلوں کے بعد از سر نو بنایا گیا۔ البتہ گنبد کے ستونوں کی تعداد اور ترتیب میں ۹۰۳ء کے بعد سے وقتاً فوقتاً (خصوصاً زلزلوں کی وجہ سے) تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ ابن الفقیہ کے مطابق ستونوں کی تعداد ۳۰ تھی لیکن آج کل ۲۸ ہے۔ ان میں سے ۱۲ اندرونی دور کے ہیں (ہر ایک پائے کے درمیان تین تین) اور ۱۶ بیرونی دور میں (ہر پائے کے درمیان دو دو ستون) ہیں۔

ابن الفقیہ کے کچھ عرصہ بعد (۹۷۸ء) میں ابن حوقل اور اصطخری لکھتے ہیں۔

چٹان کے اوپر عالی شان گنبد ہے خود چٹان زمین سے کم قد اونچی ہے۔ اس کا طول و عرض مساوی ہے۔ اس کے نیچے یک دروازہ ہے جو ۵×۱۰ ہاتھ ہوگا۔ ایک راستہ اس طرح زینہ بہ زینہ جاتا ہے جیسے تہ خانے میں جاتے ہوں مگر چٹان کے نیچے کا کمرہ نہ مربع ہے نہ گول۔ بلندی میں قد آدم اونچا ہے۔

مقدسی ۹۸۵ء میں لکھتا ہے کہ:

چبوترے کے وسط میں قبۃ الصخرہ ایک ہشت پہلو عمارت پر قائم ہے۔ اس کے چار بڑے دروازے ہیں۔ جن سے صحن حرم میں آنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ جنوبی دروازے کا نام باب القبلہ، مشرقی کا باب اسرافیل، شمالی کا باب صور اور مغربی کا باب نساء ہے۔ ان سب پر سونے کا کام ہے۔ اور ہر یک کے پٹ نہایت خوبصورت اور منقش ہیں۔ یہ کواڑ خلیفہ المقتدر باللہ (عہد خلافت ۹۰۸ء تا ۹۳۲ء) کی والدہ کے حکم سے یہاں بھیجے گئے تھے۔ ہر دروازے کے اوپر سنگ مرمر کا چھجہ ہے۔ کمرے میں بھی دروازے ہیں مگر ان پر کوئی نقش و نگار نہیں۔

عمارت کے ستونوں کی تین ہم مرکز قطاریں ہیں۔ یہ ستون سنگ مرمر کو جلا دے کر بنائے گئے ہیں۔ ان کے اوپر لداؤ کی چھت ہے۔ انہی ستونی دالانوں کے اندرونی سمت قبۃ الصخرہ کا صدر ایوان ہے۔ جو ہشت پہلو نہیں مدور ہے۔ اور اس کے پورے دور میں گول محرابیں چلی گئی ہیں۔ فرش سے گنبد کے کلس تک بلندی سو ہاتھ ہے۔ یہ خوبصورت کلس ایک بالشت بلندی کے اوپر لگا ہوا دور سے دکھائی دیتا ہے۔ گنبد کے بیرونی سمت پر پیتل کے جلا کیے ہوئے پترے ہیں۔ اور اندر کی عمارت فرش، دیواریں اور لداؤ سب اندر باہر سے سنگ مرمر کے ہیں اور ان پر طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہیں۔ گنبد کی چھتری کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اندر کے حصے میں آرائشی گولے لگائے ہیں۔ اس کے بعد لوہے کے شہتیروں کی قینچیاں ہیں، جو سرے سے کھلی ہیں تاکہ تیز ہوا کے جھکڑ سے نہ ہلا دے۔ پھر تیسرا حصہ چوبی بنا ہے۔ جس کے اوپر کے رخ پیتل جڑا ہے۔ چھتری میں نیچے سے اوپر تک راستہ چھوڑ دیا ہے تاکہ مرمت و دیکھ بھال کے لیے کاریگر کلس تک جا سکے۔ طلوع آفتاب کے وقت جب سورج کی روشنی چھتری پر پڑتی اور

اس کی کرنیں چمکتی ہیں تو اس وقت یہ عمارت قابلِ دید اور ایسی شاندار ہوتی ہے کہ دنیائے اسلام میں اس کی نظیر میں نے نہیں دیکھی۔ نہ میں نے کسی سے سنا کہ عہدِ جاہلیت میں کہیں کوئی ایسی عمارت بنی ہو جو حسن و شان میں قبۃ الصخرہ کا مقابلہ کر سکے۔

مقدسی کی اس تحریر کے قریباً ۳۱ سال بعد یعنی ۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) میں زلزلے سے گنبد گر پڑا اور اس عمارت کو نقصان پہنچا۔ چنانچہ فاطمی خلیفہ الظاہر (واضح رہے کہ ۹۶۹ء سے یہ شہر فاطمی خلفاءِ مصر کے قبضے میں آ گیا تھا) کے حکم سے ۴۱۳ھ (۱۰۲۲ء) اور ۴۱۸ھ (۱۰۲۷ء) میں اس کی مرمت ہوئی۔ اس مرمت کی یاد میں جو کتبے لگائے گئے۔ ان میں سے ایک کی عبارت یہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم o بلاشبہ اللہ کی مسجدیں وہی لوگ آباد و درست کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس گنبد کی بنائی اور مرمت کا حکم امام ابوالحسن علی الظاہر لاعزاز دین اللہ امر اللہ امیر المومنین نے دیا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اور اس کے اجداد طاہرین پر رحمتیں نازل فرمائے۔ یہ خدمت اس کے ملازم امیر معین الامۃ حافظ دولت علی بن احمد اثابت اللہ نے ۴۱۳ھ میں انجام دی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے آقا امیر المومنین کے اقبال و استقامت کو دائم قائم رکھے اور مشرق و مغرب پر اس کی حکومت وسیع کرے۔ ہم سب کاموں کے آغاز و انجام میں اسی کی حمد کرتے ہیں۔

ناصر خسرو کی تحریر جو ۱۰۴۷ء میں بیت المقدس آیا۔ صلیبیوں کی آمد سے قبل زمانے کی آخری تحریر ہے۔ اور اس کی دی ہوئی پیمائش موجودہ قبۃ الصخرہ کے طول و عرض سے حیرت انگیز مطابقت رکھتی ہے۔ لیکن ستون اور پائے ناصر خسرو کے بیان سے مختلف ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق اندرونی دور میں چار پائے اور ہر پائے کے درمیان دو ستون اور بیرونی دور میں آٹھ پائے اور ہر پائے کے درمیان تین ستون تھے۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ اس کی دیواریں مربع پتھروں کی بنائی ہوئی اور چالیس فٹ بلند ہیں۔ قبۃ الصخرہ کا گنبد ایک مرتفع کے فاصلے سے پہاڑی کی چوٹی کی طرح اٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ گنبد کی بنیادوں سے کلس تک اس کی بلندی ۱۰۰ فٹ ہے۔ اور وہ چبوترہ جس پر یہ عمارت بنی ہے وہ صحنِ حرم شریف سے ۱۲ فٹ اونچا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ حرم شریف کے صحن سے گنبد کے کلس تک کل بلندی ۱۱۲ فٹ ہے۔ "چٹان زمین سے قدِ آدم بلند ہے۔ اس کے چاروں طرف سنگِ مرمر کا کٹہرا بنا ہوا ہے تا کہ کوئی اسے ہاتھ نہ لگا سکے۔ چٹان کا جھکاؤ قبلے کی سمت

(یعنی جنوب کو) ہے

قبۃ الصخرہ کے مکان میں ہر وقت زائرین اور عبادت گزاروں کا مجمع رہتا ہے۔ جو رت میں ریشم اور دوسری قسم کے نفیس قالینوں کا فرش ہے۔ گنبد کے وسط میں چٹان کے اوپر نقرئی زنجیر میں چاندی کا فانوس آویزاں ہے۔ اور دوسرے حصوں میں بھی کثرت سے چاندی کے فانوس لگے ہوئے اور ہر ایک پر اس کا وزن کندہ ہے۔ یہ سب فانوس فاطمی خلیفہ مصر کے عطیہ ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق یہاں کے مختلف نقرئی ظروف کا مجموعی وزن ایک ہزار من (موجودہ ڈیڑھ من) ہوگا۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ معراج کی شب حضور نبی کریم ﷺ نے پہلے قبۃ الصخرہ میں چٹان پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی اور جس وقت آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو چٹان تعظیم کے لیے بلند ہوئی لیکن حضور ﷺ نے دست مبارک سے روک دیا۔ اور وہ وہیں رک گئی جہاں تھی۔ چنانچہ آج تک کسی قدر زمین سے اوپر اٹھی ہوئی ہے۔ پھر آنحضور ﷺ اس گنبد میں تشریف لائے۔ جو اب تک آپ کے نام سے منسوب ہے۔ اور یہاں مرکب (براق) پر سوار ہوئے۔ اسی لیے یہ گنبد مبارک و محترم ہے۔ صاحب مثیر الغرام نے لکھا ہے کہ ۱۰۶۰ء میں قبۃ الصخرہ کا بڑا جھاڑ، جس میں پانچ سو فانوس تھے، نیچے گر پڑا۔ مسلمانوں نے اسے بدشگونی سمجھا اور کہنے لگے۔

"عالم اسلامی میں ضرور کوئی بڑا حادثہ پیش آنے والا ہے۔"

اور اس واقعہ کے ۳۹ سال بعد ۱۰۹۹ء میں واقعی وہ بڑا حادثہ پیش آیا۔ جس سے مسلمانوں کے سر ندامت سے جھک گئے۔ صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ اور قبۃ الصخرہ کو ہیکل مسیح سمجھ کر کارمین دیر کے حوالے کر دیا۔ چونکہ یہ لوگ اسے خانۂ خدا TEMPLE DOMINI سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے اس کی تصویر اپنے جنگی طغرے میں شامل کی اور یورپ کے مختلف گرجاؤں میں اس کے نقشے اور روکاری کی نقل کی گئی۔ کیپٹن کونڈر رائل انجینئر لکھتا ہے کہ صلیبیوں نے صخرہ مقدس کو موجودہ شکل میں تراشا اور سنگ مرمر کے چوکے بچھا کر اس پر قربان گاہ بنائی۔ یہ کام ۱۱۱۵ء سے ۱۱۳۱ء تک ہوتے رہے۔ اور چبوترے پر جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی قربان گاہیں بنائیں اور قبۃ الصخرہ کی بیرونی دیوار کے اندرونی حصہ پر تصویریں نقش کیں۔ علی ہروی نے جو صلیبیوں کے دور میں، صلاح الدین کے شہر کو دوبارہ تسخیر کرنے سے پندرہ سال قبل یعنی ۱۱۷۳ء میں یہاں آیا تھا لکھا

ہے کہ صلیبیوں نے چٹان کے گرد سنگ مرمر کے پتھر کی جگہ، جس کا ذکر ناصر خسرو نے کیا ہے، آہنی جنگلا دیا تھا اور اس کے اندر حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ کی تصاویر لگی ہوئی تھیں

۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اس نے حرم شریف کے احاطے کو پھر کامل طور پر اصلی حالت میں واگزاشت کیا اور فرنگیوں کے جوش تبرک گیری نے چٹان کی جو حالت زبوں کی تھی اس کی بھی اصلاح کی

ابن اثیر لکھتے ہیں فرنگیوں نے چٹان پر سنگ مرمر کی ایک تہہ چڑھادی تھی۔ صلاح الدین نے اسے حکماً اتروادیا۔ اس تہہ بندی کا سبب یہ تھا کہ ابتدا میں فرنگیوں کے مذہبی پیشوا چٹان کے ٹکڑے توڑ کر فرنگی زائرین کے ہاتھ بیچا کرتے تھے، جو ان ٹکڑوں کو نہایت بابرکت سمجھ کر ان کے ہم وزن سونا دے کر خوشی سے خرید لیتے تھے۔ بعض لاطینی بادشاہوں کو اندیشہ ہوا ہے کہ اس طرح کہیں ساری چٹان غائب نہ ہو جائے چنانچہ انہوں نے اسے محفوظ رکھنے کے لیے اسے سنگ بستہ کرنے کا حکم دیا۔ صلاح الدین نے تزئین نو میں بتوں کی تصویروں کو صاف کرادیا۔ اور قبۃ الصخرہ کی مرمت کر کے نقش ونگار میں سنہری رنگ بھر دیا۔ یہ کام رجب ۵۸۶ھ بمطابق ۱۱۹۰ء میں ہوا۔ جیسا کہ ایک کتبہ سے ظاہر ہے۔

ہمارے آقا سلطان الملک الناصر العادل صلاح الدین یوسف بن ایوب نے (خدا ان پر رحمت فرمائے) ۵۸۶ھ میں اس مقدس گنبد کی تجدید اور اس پر سونا چڑھانے کا حکم دیا۔

خاندان ایوبی کے اکثر حکمرانوں نے اس عمارت کی تجدید مرمت و تزئین و آرائش میں حصہ لیا ان میں الملک العادل سیف الدین، الملک المعظم تقی الدین الملک الافضل نورالدین الملک العزیز عثمان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر کے حکم سے آہنی جالی دار جنگلے کے علاوہ ایک منقش جنگلہ بھی چٹان کے گرد تعمیر ہوا۔ یہ تمام تاجدار اپنے ہاتھوں سے مسجد میں جھاڑو دیا کرتے، اس کے فرش کو عطر گلاب سے دھوتے اور پھر غربا و مساکین میں خیرات تقسیم کیا کرتے تھے

مملوک سلاطین مصر کا دور آیا تو انہوں نے اس کی خدمت گزاری کو فخر دارین جانا۔ ان کے دور میں قبہ کی بیرونی دیواروں کے بالائی حصے کی روغنی اینٹیں جو شکستہ و خستہ ہو گئی تھیں، تبدیل کی گئیں الملک الظاہر بیبرس کے دور میں بڑے پیمانے پر مرمت ہوئی سلطان محمد بن الملک

المنصور قلاوون نے گنبد صخرہ کی عمارت اور بالائی گنبد پر جلا کرنے اور اس کو جست کی چادروں سے ڈھانپنے کی سعادت ۱۹ ۱۳۱۸ء میں حاصل کی۔ اس کام کی نگرانی امیر صوابی نے کی تھی۔ اس سے قبل ۱۲۹۳ء میں الملک العادل زین الدین کے حکم سے ان شہرہ آفاق قدرتی مناظر کی رنگین و دلکش تصاویر از سر نو بنائی گئیں۔ جو اس عمارت کے لیے قابل فخر ہیں

ابن بطوطہ ۱۳۵۵ء میں بیت المقدس آیا تھا وہ تفصیلات نہیں بتاتا البتہ عمارت کی تحسین میں رطب اللسان ہے اور چٹان وقبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ گنبد میں لوہے کی ایک بڑی مہر لگی ہوئی ہے۔ لوگ اسے حمزہ کی ڈھال بتاتے ہیں۔ ۱۳۸۷ء میں الملک الظاہر برقوق نے محمد الصالحی بہادر کے زیر نگرانی وہ خوبصورت منبر نصب کرایا جو اس گنبد کے جنوبی دروازے سے نظر آتا ہے۔ یہ منبر تمام کا تمام سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اور دس مرمریں ستونوں پر قائم ہے۔

۱۴۳۲ء میں الملک الاشرف برس بائے نے اپنے نائب شہزادہ ارکاس جیلمانی کو حکم دیا کہ متعدد دیہات اور دوسری جائیداد خرید کر اس مقدس عمارت کی دیکھ بھال کے لیے وقف کر دی جائے۔ یہ سب سے پہلا وقف ہے، جو ایک سلطان کے حکم سے قبۃ الصخرہ کے اخراجات پورا کرنے کے لیے قائم ہوا۔ اس کی یادگار کے طور پر مشرقی دیوار پر ایک کتبہ کندہ کیا گیا، جو آج بھی شیشہ اور رنگین جالی کے نیچے محفوظ ہے۔

مجیر الدین بیان کرتا ہے کہ ۸۵۱ھ (۱۴۴۸ء) میں آگ لگنے یا برق گرنے سے قبۃ الصخرہ کی چھت جل کر تباہ ہو گئی۔ اور سلطان الملک الظاہر نے اسے دوبارہ اس طرح تعمیر کرایا۔ کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوشنما ہو گئی۔ اس مرمت پر ڈھائی ہزار دینار (موجودہ ڈیڑھ لاکھ روپے) خرچ ہوئے اور ۲۶ من جست کام میں آیا۔

[illegible]ء میں علامہ سیوطی اس چٹان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

یہاں جو نقوش پا ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ہیں (واضح رہے کہ چٹان کے ایک گوشے میں پاؤں کے نشان ہیں) جبکہ آنحضور ﷺ آسمان پر جاتے وقت براق پر سوار ہوئے صلیبی دور میں انہیں مسیح کے نقش پا بتایا جاتا تھا

کرامت حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو چٹان کو گویائی عطا ہوئی اور اس نے آپ کو مرحبا کہا۔ چٹان پر حضرت جبریل علیہ السلام کی انگلیوں کے بھی نشان ہیں۔ کیونکہ جب چٹان نے رسول اللہ ﷺ کی آسمان پر جاتے وقت معیت کرنا چاہی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے پیچھے ہٹا کر اپنی جگہ پر قائم کیا اور یہ نشان باقی رہ گئے۔ آجکل یہ قدم شریف چٹان سے الگ ایک پتھر پر اور اس کے مقابل میں دوسری یعنی جنوب مغرب کی طرف نظر آتے ہیں۔ چٹان کے جنوبی حصے کے کنارے پر کھڑی ہے۔ لوگ جنوبی حصہ میں واقع زینے سے اتر کر غار میں جاتے ہیں۔ زینے میں ایک جگہ چھوٹی سی الماری ہے جس کے قریب ٹھہر کر زائرین چٹان کی زبان کی زیارت کرتے ہیں۔ اس جگہ سنگ مرمر کا ایک ستون ہے۔ جس کا نچلا حصہ الماری کے جنوبی سرے پر ٹکا ہوا اور اوپر کا رخ چٹان کے مقابل نکلا ہوا ہے۔ جبریل کی انگلیاں چٹان کے مغربی جانب ہیں۔ قبۃ الصخرہ میں لوگ آج بھی یہ عجائبات دیکھتے ہیں۔ وہ انہی مقامات پر ہیں جہاں سیوطی نے انہیں دیکھا تھا۔ آخری بار مملوک سلطان الملک الاشرف قائتبائی نے ۱۴۶۸ء میں قبۃ الصخرہ کے تمام چوبی دروازوں پر نہایت خوبصورت کام کی تانبے کی چادریں چڑھوائیں۔ جس سے ان کی مضبوطی اور دلکشی میں گراں قدر اضافہ ہوا۔

ترکوں کا قبضہ

سولہویں صدی کے ربع اول میں بیت المقدس ترکان عثمانی کے قبضہ میں آگیا اور ۱۵۲۱ء میں سلطان سلیم اول کے نامور فرزند سلطان اعظم کے حکم سے حرم القدس کی تزئین و آرائش پر توجہ دی گئی تو مسجد کی بیرونی دیواروں میں نئی ٹائلیں لگانے اور گول گنبد کے زیریں حصے میں سنہری کھڑکیاں نصب کرنے کے ساتھ ساتھ قبۃ الصخرہ کے گول ستونوں پر سنگ مرمر لگا دیا گیا۔ اور قبہ کی تجدید و مرمت ہوئی۔ سلطان کے نام کا کتبہ ابھی تک گنبد صخرہ کے باب القبلہ کے اوپر لگا ہوا ہے خدا کا شکر ہے کہ سلطان اعظم اور خاقان اکرم و جلیل و عدیل ان کے ساتھ خلافت کے وارث ابو الفتوحات سلیمان خان بن سلطان صاحب ستائش سلیم خان مظفر و منصور صاحب افتخار ابن سلطان بایزید ابن سلطان مجاہد الامجد سلطان محمد بن عثمان کے سایہ دولت میں بیت المقدس کے اس عالی شان گنبد صخرہ کی مرمت عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی لحدوں پر رحمت کی بارش فرمائے۔ لیکن ماہر

انجینئروں نے ۹۵۹ھ میں اس عمارت کو پہلے سے بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ بحال کیا کتبہ لکھنے کی سعادت عبداللہ تبریزی کو حاصل ہوئی

۸۴۲ء میں سلطان محمود نے اس کی مرمریں ستونوں کو تبدیل کیا جنہیں موسم کے باعث سخت نقصان پہنچا تھا ۸۵۳ء میں سلطان عبدالمجید کے حکم سے ایک ایرانی انجینئر کے زیر نگرانی قبۃ الصخرہ کے متعدد حصوں کی مرمت ہوئی، اس کے بعد ۱۸۷۳ء میں سلطان عبدالعزیز کے عہد میں چوبی چھت کی مرمت کی گئی۔ جو مرور زمانہ سے بوسیدہ ہو گئی تھی گنبد کی چھت پر لگی ہوئی چادریں بھی تبدیل کی گئیں، اور جنوبی دروازے کے اندر بلور کا ایک نفیس اور بڑا جھاڑ آویزاں کیا گیا۔ جس سے عمارت کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی۔

۱۸۷۵ء میں سلطان عبدالحمید ثانی نے بیش قیمت ایرانی قالین منگوا کر فرش پر بچھوائے۔ یہ خوبصورت قالین جن کی مالیت لاکھوں روپے ہے۔ جنگ جون ۶۷ء تک اس گنبد کی زینت بنے رہے، اسی سے زمانے میں دو شاندار بلوریں جھاڑ بھی آویزاں کیے گئے۔ جو ۱۹۵۱ء تک عین چٹان کے اوپر لٹکا ہوا نظر آتا تھا بعد میں اسے مسجد اقصیٰ میں منتقل کر دیا گیا، اسی سلطان کے حکم سے گنبد کی بیرونی دیواروں پر نہایت عمدہ خط نسخ میں سورہ یٰسین لکھی گئی۔

فائدہ: شبلی نے لکھا صخرہ کا قبہ بلند چبوترہ پر ہے، اس ہشت پہلو کی بلندی کم و بیش سو فٹ ہے۔ دیواروں پر نہایت عمدہ لاجوردی و طلائی کام ہے۔ چمک اور روشنی سے آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ (سفرنامہ شبلی)

اور ۱۳۲۹ھ میں مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے "زیارت الشام والقدس" میں لکھا ہے کہ صخرہ شریف کا صحن شمالاً جنوباً ۳۲۵ ہاتھ، شرقاً غرباً ۲۸۹ ہاتھ ہے۔ صحن مسجد سے سات ہاتھ اونچا ہے۔ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ نو سیڑھیاں چڑھ کر صخرہ کے چبوترے میں داخل ہوتے ہیں۔ صحن میں چاروں طرف سات قبے ہیں۔ قریب و شمال کے قبہ، قبۃ الارواح، اس کے پہلو میں قبۃ الخضر، تیسرا قبۃ النبی، اس کے پہلو میں قبۃ المعراج، جس کے متعلق مشہور ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ نے اسی قبہ سے آسمان کی طرف صعود فرمایا۔ اس کے پہلو میں قبۃ الصلوٰۃ کہ یہاں حضور ﷺ نے تمام انبیاء و ملائکہ کی امامت فرمائی۔ قبۃ الصخرہ کے مشرقی جانب قبۃ السلسلہ اور آخر صحن میں جانب قبلہ قبہ مریم ہے۔

وسط صحن میں قبۃ الصخرہ ہے۔ جو ہشت پہلو سنگ مرمر کے سولہ ستونوں پر قائم ہے۔ ایک سو ہاتھ اونچا اور رنگ برنگ کے شیشوں سے آراستہ ہے۔ فرش کا دور (قطر) دو سو چالیس ہاتھ ہے۔ اوپر نیچے دو چھتیں ہیں۔ سقف زیریں لکڑی کی ہے۔ طلائی روغن سے نہایت خوشنما آراستہ ہے۔ بیرونی چھت میں رانگ، سیسہ اور دوسری دھاتیں لگی ہیں۔ چار سمت چار دروازے ہیں۔ شمالی دروازہ باب الجنۃ کہلاتا ہے۔ زائرین دروازے سے داخل ہوتے ہیں

اس کی ہموار سطح میں قبلہ رخ سیڑھیاں ہیں۔ ان سیڑھیوں کی داہنی جانب ایک مقام لسان الصخرہ ہے۔ لکھتے ہیں معراج کی شب اللہ تبارک و تعالیٰ نے صخرہ کو قوت گویائی دی۔ اور اس مقام سے رسول اللہ ﷺ کو سلام کی آواز آئی۔ اس کا نام لسان صخرہ پڑ گیا۔ یہ سیڑھیاں صخرہ کے نیچے غار میں جاتی ہیں۔ یہاں سیڑھیوں سے اتر کر داہنے ہاتھ محراب ہے۔ جو سیدنا سلیمان علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اس کے قریب ایک محراب رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے۔ اس سے متصل زمین سے ایک ہاتھ اونچی سیدنا خضر علیہ السلام کی محراب ہے۔ اس کے قریب مسند سیدنا جبرئیل علیہ السلام اور محراب سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہے۔ سیدنا ابراہیم کی محراب سے سیدنا داؤد کی محراب متصل ہے۔

۱۹۱۷ء میں ترکوں نے احترام شہر کی بنا پر بغیر لڑے شہر خالی کر دیا تو ۱۹۱۹ء میں یہ شہر برطانوی انتداب میں آ گیا۔ ۱۹۲۰ء میں مسلم مقامات و آثار کی حفاظت و نگہداشت کے لیے ایک اعلیٰ مجلس اسلامی (سپریم کونسل) قائم کی گئی۔ اس مجلس کو ان مقامات کے اوقاف سے حاصل ہونے والی پوری آمدنی کے صرف کا مجاز قرار دیا گیا۔ اس مجلس کے قیام کے بعد ایک جائزہ سے معلوم ہوا کہ نکاسی آب کے راستے مسدود ہو جانے کی وجہ سے بارش کا پانی قبۃ الصخرہ کی دیواروں میں رستا رہا ہے۔ جس سے دیواریں کمزور ہو گئی ہیں۔ چنانچہ کونسل نے پرانے بوسیدہ پتھروں کی جگہ نئے پتھر لگوائے کئی شکستہ نیوں کو بدلا۔ ان کے علاوہ ایسے اقدامات کیے کہ عمارت کے بیٹھنے کا خطرہ ٹل گیا۔

۱۹۲۷ء میں کونسل نے گنبد صخرہ کی مرمت وسیع پیمانے پر کروائی۔ الحاج مولانا امین الحسینی کے الفاظ میں اس کے لیے اکثر ممالک اسلام سے چندہ کیا گیا۔ گنبد کی درستی میں ترکی انجینئروں نے انجینئری کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ قدیم گنبد اپنی جگہ معلق رہا۔ اور اس کے نیچے کی دیواریں تعمیر

ہوئیں اور نقش ونگاری کی تجدید کی گئی۔

۱۹۶۹ء میں نازک ترین لمحات آئے۔ جب یہود نے بیت المقدس پر قبضہ کی کوشش کے دوران قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کو بھی اپنا نشانہ بنایا۔ جس سے مسجد اقصیٰ کے ساتھ ساتھ قبہ کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ اس کی تلافی شاہ اردن کے محدود وسائل سے ناممکن تھی۔ اس لیے عالم اسلام سے اپیل کی گئی جس پر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے مسلمانوں نے لبیک کہا۔ حکومت پاکستان نے بھی کئی کروڑ روپے کا عطیہ دیا۔ ۱۹۵۸ء میں سعودی عرب کے مشہور تاجر اور صاحب ثروت شیخ محمد بن سعدون مرحوم کو تعمیر ومرمت کا ٹھیکہ دیا گیا۔ اس فرم نے ماہرین تعمیرات انجینئروں اور مہندسوں کی نگرانی میں تعمیر ومرمت کا کام شروع کر دیا۔ جو اپریل ۱۹۶۴ء میں بخیر وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس پر تین لاکھ بیس ہزار پونڈ صرف ہوئے۔ حکومت اردن نے اسی خوشی میں ایک جشن منایا اور جس میں ممالک اسلامیہ کے نمائندے شریک ہوئے۔

مولانا شیر علی، جو اس تعمیر کے بعد القدس گئے تھے لکھتے ہیں۔

مسجد صخرا کی حسین وجمیل عمارت پر سنہری گنبد ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا نیلم سورج کی شعاعوں کے زاویے سے جھلمل کر رہا ہے۔ مسجد صخرہ مسجد اقصیٰ کے جانب شمال تقریباً ۱۵۰ قدم اور دس فٹ اونچی سطح پر واقع ہے۔ یہ مسجد مثمن (ہشت کونہ) شکل میں ایک گول بلند عمارت ہے۔ جس کی بلندی تقریباً اسی فٹ ہوگی۔ اس کا ہر کونہ بیس قدم ہے۔ گویا تمام عمارت کی گولائی (لپیٹ) ۱۶۰ گز ہے۔ صخرہ عربی زبان میں ایک بڑے پتھر کو کہتے ہیں۔ اس مسجد کے درمیان میں زرد رنگ کی ایک بہت بڑی چٹان ہے۔ اس لیے اس کو مسجد صخرہ کہتے ہیں۔ جانب قبلہ یعنی جنوب کی طرف اس چٹان کے نیچے اترنے کی سیڑھیاں ہیں۔ لوگ نیچے اتر کر نوافل پڑھتے اور تلاوت کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں رحمت کائنات ﷺ نے نوافل پڑھے ہیں۔ اس پتھر کے نیچے کشادہ جگہ (غار) ہے جس میں بیک وقت پچاس آدمی بخوبی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ پتھر آسمان وزمین میں معلق تھا۔ رفتہ رفتہ زمین کے قریب ہوتا گیا اور اب زمین پر ہے۔ عوام اس پتھر کو بوسہ دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ تخت رب العالمین ہے۔ اس پتھر کے درمیان ڈھائی فٹ چوڑا سوراخ ہے۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں تشریف لائے تو اس پتھر نے حضور ﷺ کو اهلاً وسهلاً اور مرحبا کے کلمات کہے اور ان پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ پھر حضور ﷺ اس سوراخ میں سے گزر کر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اس پتھر پر پانچ چھ انچ مربع کالے رنگ کا ایک نشان ہے لوگوں کا کہنا ہے کہ جب حضور ﷺ آسمانوں پر تشریف لے جا رہے تھے تو حضور ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی کہ تو میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ یہ نشان حضور ﷺ کے ہاتھ رکھنے کا ہے۔

اس صخرہ (چٹان) کے نیچے چاروں طرف لمبے لمبے شیشے لگائے گئے ہیں تا کہ لوگ اس پتھر سے تبرک کی نیت سے ٹکڑے جدا نہ کریں۔ یہ پتھر کسی جگہ آٹھ فٹ اور کسی جگہ چار فٹ اونچا ہے۔ اس میں دو محراب ہیں جن پر نشانات لگائے گئے ہیں کہ حضور نے یہاں نماز پڑھی تھی۔ صخرہ کے بالائی حصہ کی جانب جنوب و مغرب میں ایک چھوٹا سا مینارہ ہے، جس میں حضور ﷺ کا موئے مبارک ہے۔ اس مسجد میں جو شاندار قالین بچھے ہیں وہ حکومت پاکستان نے بھیجے ہیں۔ مسجد صخرہ کے چار بڑے دروازے ہیں۔ باب القبلہ، باب الجنۃ (شمالی دروازہ)، باب الشرقی، باب الغربی۔ مغربی دروازہ تو تمام دن کھلا رہتا ہے۔ باب القبلہ نمازوں کے وقت کھلتا ہے، باب الشرقی اور باب الجنۃ ہمیشہ کے لیے بند رہتے ہیں۔ باب الجنۃ کے متصل تین گز لمبی اور ایک گز اونچی دیوار میں سات محراب بنائے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہاں سات صحابہ نے نماز پڑھی ہے۔ باب الغربی کے قریب دیوار پر یہ عبارت درج ہے

مسجد صخرہ کی عمارت کی تجدید و مرمت اللہ تعالیٰ سے توفیق کے طلبگار و امیدوار بادشاہ حسین کے دور مملکت میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ تاریخ تکمیل ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۳ء ہے۔

اسرائیل کی شرارت کا آغاز

لیکن اس عظیم مرمت کو ابھی تین سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کے در و دیوار ایک بار پھر اسرائیلی توپوں کی گولہ باری سے لرز اٹھے۔ غیر ملکی اخبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عظیم اسلامی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ اب اس مقدس مقام پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بدترین دشمن یہود کا قبضہ ہے۔ اور لندن کی آخری اطلاع کے مطابق یہودیوں نے مسجد اقصیٰ

کے نیچے گہری کھدائی کے بعد گنبد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کی جگہ تیسرے ہیکل کی تعمیر کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہو

مشہور ماہر فن تعمیر جیمز فرگیسن لکھتا ہے کہ قبۃ الصخرہ کی مسجد غیر معمولی طور پر خوب صورت ہے۔ میں نے ہندوستان، یورپ اور دنیا کے دیگر مقامات میں بہت سے محلات اور شان دار عمارات دیکھی ہیں۔ لیکن جہاں تک میرے حافظہ کا تعلق ہے میں نے کوئی عمارت شان و شوکت میں قبۃ الصخرہ کے برابر نہیں پائی۔ ایسا عمدہ تناسب اور رنگوں کا ایسا حسین امتزاج کسی اور عمارت میں نہیں دیکھا۔ ایک یہودی مورخ پروفیسر بیر لوئیس اپنی تالیف یروشلم کے اماکن مقدسہ میں رقمطراز ہے کہ

"اس میں کوئی شک نہیں کہ گنبد صخرہ دنیا کی حسین ترین عمارت ہے۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ تاریخ میں جن یادگار عمارتوں کا ذکر ہے۔ ان میں یہ عمارت سب سے زیادہ خوبصورت اور شان دار ہے۔"

بزمی انصاری اس گنبد کی شان و شوکت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

گنبد صخرہ قدیم اسلامی فن تعمیر کی بے نظیر مثال ہے۔ اس کی کرسی ۱۲ فٹ بلند ہے، جونہی کوئی زائر حرم شریف کے کسی دروازے سے احاطہ میں داخل ہوتا ہے اس کی نظریں باریک لیکن بے حد مضبوط محرابوں پر پڑتی ہیں۔ جن تک سیڑھیوں کے ذریعے پہنچا جاتا ہے۔ ان محرابوں کو اہل قدس موازین کہتے ہیں۔ اور یہ گنبد صخرہ کے چاروں سمتوں میں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے بعد سنگی چبوترے کا فرش ہے۔ جس کے درمیان میں گنبد صخرہ کی ہشت پہلو عمارت ہے۔ اس کا ہر ضلع ۲۲ ہاتھ ۲۰.۵ میٹر ہے۔ بلندی چھتیس فٹ ہے۔ دیواروں کی اونچائی ۹.۵۰ میٹر ہے۔ جن کے اوپر ۲۰.۶۰ میٹر بلند منڈیر بنی ہوئی ہے۔ اس منڈیر کے اوپر ایک نہایت شان دار گنبد ہے۔ جس پر ہلال نصب ہے۔ گنبد کی عمارت کے زیریں حصہ میں دھاری دار سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ اور بالائی حصہ کاشی کاری کی گئی ہے۔ جا بجا نہایت دیدہ زیب اور جاذب نظر رنگوں میں قدرتی مناظر بنے ہوئے ہیں۔ اور قدیم کوفی خط میں قرآن پاک کی آیات کندہ ہیں۔ جو نیلے اور سفید رنگوں سے مزین ہیں۔ گنبد کا اندرونی حصہ ستونوں پر ایستادہ ہے جو بے حد خوبصورت ہیں گنبد صخرا کا

صحن سنگ رخام سے اور فرش سنگ مرمر سے بنا ہے جس پہ ہر وقت قالین بچھے رہتے ہیں۔ جنوبی دروازہ کے آگے، جو اقصیٰ کی سمت کھلتا ہے، سنگ مرمر کی ایک غلام گردش بنی ہوئی ہے جو آٹھ ستونوں پہ قائم ہے۔

صخرہ کا خوب صورت گنبد سنگ مرمر کے بارہ ستونوں اور سنگ خارا کے چار چوکور استوانوں پر قائم ہے۔ پورے گنبد میں رنگین شیشوں سے مزین سولہ دریچے ہیں جن میں سے چھن چھن کر ہلکی سکون آور روشنی گنبد میں آتی رہتی ہے۔ ان میں بیشتر دریچے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ہیں۔ نیچے کی عمارت ۵۶ دریچوں سے مزین ہے اور ہر ضلع میں سات سات دریچے ہیں۔ ان میں چالیس جو گنبد کے بالکل نیچے ہیں، روشنی کے لیے ہیں۔ اور باقی سولہ صرف زینت کے لیے، کیونکہ ان میں سے روشنی اندر نہیں آ سکتی۔ پوری عمارت کی چھت جس پہ گنبد واقع ہے سنگ مرمر کے آٹھ اور رنگین پتھر کے سولہ ستونوں پہ ایستادہ ہے۔

صخرہ کا قطر ۲۰.۴۴ میٹر ہے اور یہ ۳۱ میٹر بلند ہے۔ بیت المقدس میں اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں۔ یہ شہر کے ہر حصہ اور بیرون شہر سے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ قدس کا مسافر جدھر سے بھی آتا، اس کی نظر سب سے پہلے اسی گنبد پہ پڑتی ہے۔ فی الحقیقت یہ گنبد دوہرا ہے۔ بیرونی اور اندرونی دونوں گنبد لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ باہر کے گنبد پہ جست کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ گویا اس طرح اس عمارت کو ایئر کنڈیشنڈ کیا گیا ہے۔ اس ترکیب سے سخت گرمی کے ایام میں بھی عمارت کا اندرونی حصہ جسے بطور مسجد استعمال کیا جاتا ہے۔ ٹھنڈا اور موسمی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ پوری عمارت گوناگوں قدرتی مناظر اور بیل بوٹوں سے آراستہ ہے۔ ان کا رنگ شوخ اور چمکدار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاریگر ابھی ابھی پاڑ سے اترے ہیں۔ اندرونی دیواروں پہ جابجا آیات قرآنی کندہ ہیں جو پھول پتی اور گل بوٹوں سے گھری ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں نیلی زمین پہ سفید ستارے بنے ہوئے ہیں جو شام کے دھندلکے میں عجیب بہار دیتے ہیں اور یہودی پروفیسر ہیری موسر کے الفاظ میں جتنی پبلک عمارات میں نے دیکھی ہیں ان سب میں گنبد صخرہ والا حصہ عبادت اور ریاضت کے لیے بہترین جگہ ہے۔ حدیث شریف ہے کہ اس مقام پہ جو نماز ادا کی جائے اس کا ثواب ۲۵ ہزار نمازوں کے برابر ہے

قبۃ الصخرہ

چبوترہ اور سیڑھیاں

احاطۂ حرم شریف کے اس چبوترہ کا طول و عرض جس پر قبۃ الصخرہ واقع ہے۔ ابن الفقیہ کے دور (۹۰۳ء) میں ۳۵۰ فٹ × ۳۰۰ فٹ ۔ ناصر خسرو کی زیارت القدس کے وقت (۱۰۴۷ء) ۶۶۰ × ۴۰۰ فٹ تھا۔ آج کل یہ چبوترہ ۵۴۰ × ۴۶۵ فٹ ہے اور ابن الفقیہ اس کی بلندی ۴ فٹ اور ناصر خسرو ۱۲ فٹ بتاتا ہے۔ لیکن آجکل یہ چبوترہ حرم شریف کی سطح سے صرف دس فٹ اونچا ہے۔ اور موجودہ پوزیشن پندرھویں صدی عیسوی میں مجیر الدین کے بیان کے عین مطابق ہیں۔

ابن الفقیہ تحریر کرتا ہے کہ چبوترے پر چڑھنے کے لیے چھ زینے ہیں لیکن اس کے اسی (۸۰) برس بعد مقدسی لکھتا ہے کہ چبوترے کے ہر چہار پہلو پر ایک ایک زینہ تھا۔ جبکہ ۱۰۴۷ء میں خسرو پھر ۶ زینے بتاتا ہے۔ ناصر خسرو ان کی تفصیلات یوں کرتے ہوئے لکھتا ہے

قبلے (یعنی جنوب) کی طرف اوپر جانے کے دو زینے ہیں ان کی درمیانی منڈیر کے بیچ میں جنوب رو کھڑے ہو کر دیکھیں "ایک زینہ دائیں اور ایک بائیں ہوگا۔ دائیں زینہ کو مقام النبی ﷺ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ شب معراج اسی طرف سے چبوترے پر تشریف لے گئے تھے۔ بائیں زینہ مقام غوری کہلاتا ہے۔ مقام النبی ﷺ ۴۰ ہاتھ عریض ہے اور اس طرح بنا ہے کہ گھڑ سوار گھوڑے سمیت چبوترے پر چڑھ سکتا ہے۔ زینے کے اوپر سنگ مرمر کے چار پائے سنگ مرمر سے زمرد کی طرح سبز رنگ کے جڑے ہوئے ہیں۔ پایوں کی بلندی ۱۰ ہاتھ ہے۔ پایوں اور کی قوس پر سونے اور چینی کی ایسی مینا کاری ہے کہ اس سے بہتر قیاس میں نہیں آتی۔ چبوترے کے گرد کی منڈیر ہر سے سنگ مرمر سے بنی ہے اور اس میں چتیاں اس طرح پڑی ہیں کہ جیسے سبزہ زار میں پھول کھلے ہوں

مقام غوری کے زینے میں تین سیڑھیاں بنی ہیں۔ ایک سامنے اور دو بازوں میں اور تینوں سیڑھیوں کے سرے پر کنگورہ اور محرابیں بنی ہیں۔ ہر زینہ پتھروں کو چوکور تراش کر بڑی ہنر مندی سے بنایا ہے۔ یہ زینہ ترک سالار امیر لیث الدولہ نوشتگین غوری نے بنایا تھا۔ جو غلام سے ترقی کر کے خلیفہ معز الظاہر کے عہد میں شام کا والی بنا۔ اس کا دور ۱۰۲۸ء سے ۱۰۴۲ء تک رہا۔ چبوترے کے مغربی

پہلو پر دو، مشرقی پر ایک، اور شمال کی جانب (مقام شامی) ایک زینہ ہے مقام شامی دوسروں سے بلند اور چوڑا ہے

ناصر خسرو مزید بتاتا ہے کہ ان پر کم و بیش ایک لاکھ دینار (پچیس ہزار پونڈ) خرچ ہوئے ہوں گے ۱۹۲۰ء میں ایک فرنگی بیری لکھتا ہے کہ آجکل چبوترے پر چڑھنے کے لیے آٹھ چوڑی سیڑھیاں ہیں دو دو شمالی اور جنوبی، تین مغربی اور ایک مشرقی سمت ہر سیڑھی پر محرابیں ہیں، جنہیں مقامی لوگ موازین کہتے ہیں۔ کیونکہ روایت ہے کہ روزِ محشر ان لوگوں کی روحوں کا وزن کرنے کے لیے جو وادی کیدرون پر قائم پل صراط سے کامیابی سے گزریں گے۔ ترازو ان پر نصب کئے جائیں گے۔ بیری مزید لکھتا ہے۔ اس چبوترے کے شمال اور جنوب میں چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں۔ جن میں مسجد کے متولی اور خدام رہتے ہیں۔

مغارۃ الارواح

قبۃ الصخرہ کے نیچے چٹان کی جنوبی سمت گیارہ سیڑھیاں ہمیں ایک غار میں لے جاتی ہیں۔ جسے مغارۃ الارواح اور اسے کو باب المغارہ کہتے ہیں۔ تہ خانے کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ دیواروں پر سفیدی کی گئی ہے۔ ابن حوقل اور اصطخری لکھتے ہیں کہ چٹان کے نیچے کا یہ کمرہ مربع ہے نہ گول اور بلندی میں قد آدم اونچا ہے۔ علی ہروی بھی اس تہ خانہ کو مغارۃ الارواح سے موسوم کرتا ہے کیونکہ "لوگ کہتے ہیں کہ تمام اہل ایمان کی روحیں حکم الٰہی سے اس مقام پر جمع ہوں گی۔"

علی ہروی لکھتا ہے کہ ۱۲ سیڑھیاں اترنی پڑتی ہیں۔ اور لوگوں کا بیان ہے کہ زکریا علیہ السلام کی قبر بھی اس غار کے اندر ہے۔ غار کی بلندی قد آدم طول شمالاً جنوباً ۱۳ قدم ہے، محیط میں ۱۵ درشت ہے۔

کہتے ہیں کہ دور قدیم میں یہ غار ایک حلقہ تھا۔ اور چٹان کے نیچے ایک کنواں تھا جسے بئر الارواح کہتے تھے لیکن بعد میں بئر الارواح پر دیوار بنا دی گئی اور یوں چٹان کو سب مال گیا۔

روایت ہے کہ تمام انبیاء سابقین نے اس غار میں نماز ادا کی ہے۔ اس غار میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، خضر علیہ السلام (جسے فرنگی سینٹ جارج کہتے ہیں) کی جائے عبادت کو محرابوں سے متعین کر دیا گیا ہے۔ مقام خضر شمالی اور مقام داؤد جنوبی کونے میں ہے۔ ایک مقام کے بارے میں جسے مقام النبی ﷺ کہا جاتا ہے، روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ نوافل

ادا کیے اور چونکہ حضور ﷺ بلند قامت تھے۔ اس لیے چٹان ان کی قامت کے برابر جگہ بنانے کے لیے اوپر اٹھ گئی۔ اس غار میں رسول اللہ ﷺ کے آثار مبارک بھی موجود ہیں، جن میں موئے مبارک اور نقش پا شامل ہیں۔ اور یہ جنوب مغربی گوشے کی ایک مرمریں الماری میں محفوظ ہیں۔ اس الماری کے بالمقابل ایک صندوق میں سرورِ کائنات ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم محفوظ ہیں۔

ایڈورڈ اسپنس لکھتا ہے کہ غار کا ایک راستہ وادی کیدرون میں کھلتا تھا جسے سنگ مرمر کی سلوں سے بند کر دیا گیا اور اب اس کی سخت حفاظت کی جاتی ہے۔ وہ مزید کہتا ہے اس غار میں بیک وقت پچاس ساٹھ آدمی سما سکتے ہیں اور سال میں ایک ہزار سے زائد سیاح اس کی زیارت کرتے ہیں۔

قبۃ السلسلہ

مقدسی لکھتا ہے کہ (حرم شریف کا) صحن ہر جگہ پختہ ہے۔ اس کے وسط میں مدینہ شریف کی مسجد کی طرح ایک چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کے چاروں طرف چوڑی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ اس چبوترے پر چار گنبد بنے ہیں۔ ان میں قبۃ السلسلہ، قبۃ المعراج اور قبۃ النبی ﷺ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ یہ دیواروں کے بغیر سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں۔ اور اوپر سیسے کی چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ علی ہروی کا بیان ہے کہ

"گنبد (قبۃ الصخرہ) کا شرقی دروازہ قبۃ السلسلہ کی طرف کھلتا ہے۔ اس کے اوپر ایک محراب بنی ہوئی ہے۔ اور محراب پر خلیفہ قائم بامر اللہ کا نام اور سورۃ اخلاص کندہ ہے۔ یہی مقام ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد بیٹھ کر داوری فرماتے تھے۔"

ابن الفقیہ کی روایت ہے کہ

قبۃ الصخرہ کے مشرق کی جانب قبۃ السلسلہ بیس ستونوں پر قائم ہے۔ اور چھت پر سیسے کی چادریں چڑھی ہیں۔ اس کے روبرو (مشرق ہی کی طرف) حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے اور اس کے شمالی رخ پر قبۃ النبی ﷺ اور مقام جبرئیل علیہ السلام ہیں اور چٹان کے برابر قبۃ المعراج واقع ہے

مختصر یہ کہ قبۃ الصخرہ سے چند قدم مشرق میں ایک چھوٹا سا گنبد صرف ستونوں پر قائم ہے اور قبلہ رو محراب کی دیوار کے سوا جسے دو ستونوں کے درمیان کی جگہ کو بند کر کے بنایا گیا ہے اس کی کوئی دیوار نہیں ہے۔ ابن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ گنبد ہے جس میں بنی اسرائیل کے عہد میں ایک زنجیر لٹکی رہتی تھی جو ان کے مابین کذب و صدق کا فیصلہ کرتی تھی

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت داؤد کو لوہے کا ایک ڈنڈا دیا تھا کہ عدالت گاہ کے ایک طرف سے دوسری طرف لگا کر اس پر گھنٹہ لٹکا دیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ اس کو باری باری ہاتھ لگاتے۔ جو سچا ہوتا اس کے ہاتھ لگانے سے گھنٹہ بجنے لگتا لیکن اکثر جغرافیہ نویسوں نے زنجیر ہی لکھا ہے اور یاقوت اس گنبد کے بیان میں رقم کرتا ہے کہ یہی جگہ تھی جس میں زنجیر لٹکی تھی جو صرف سچ بولنے والے کے ہاتھ آتی تھی اور جھوٹی گواہی دینے والا اس وقت تک اسے چھو نہیں سکتا تھا جب تک کہ فریب سے باز نہ آئے اور تائب ہونا پسند کرے۔

روایت کچھ ہی کیوں نہ ہوں یہ بات طے شدہ اور تاریخی طور پر ثابت ہے کہ خلیفہ عبد الملک نے جب قبۃ الصخرہ تعمیر کروایا تو اس نے پہلے نمونے کے طور پر ایک قبہ بنوایا تھا۔ اور اسی کو قبۃ السلسلہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دوہرا بنیاد اور مستحکم نہ تھا اس لیے زلزلوں سے متاثر ہو کر تعمیر ہوتا رہا۔ صلیبی جنگوں سے قبل ایرانی سیاح ناصر خسرو اس عمارت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

یہ گنبد سنگ مرمر کے آٹھ ستونوں اور چھ سنگی پایوں پر قائم ہے۔ سمت قبلہ کے سوا جہاں پتھر چن کر خوبصورت دیوار بنا دی گئی ہے ہر طرف سے ستون کھلے ہوئے ہیں۔

ادریسی ۵۸ء میں مسیحی بیانات کی بنا پر اسے کلیسائے خزینۃ القدس قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کا طول و عرض نہایت متناسب اور قابل داد ہے۔ اس کے مغربی دروازے کے بالمقابل ایک قربان گاہ بنی ہوئی ہے جس پر بنی اسرائیل نذر و نیاز لا کر رکھا کرتے تھے

سیتے وژوم کا مصنف ۱۲۳۶ء میں لکھتا ہے کہ میرے زمانے میں یہ عمارت کلیسائے سینٹ جیمس فورڈ کہلاتی تھی کیونکہ وہ وہی جگہ تھی جہاں یہودیوں نے ہیکل کے اوپر سے پھینک دیا تھا اسی مقام پر شہید ہوئے۔ صلاح الدین نے بیت المقدس پر قبضہ کے بعد اسے دوبارہ مسلمانوں کی خطبہ گاہ بنا دیا جیسا کہ وہ پہلے کام دیتا تھا مجیر الدین کا بیان ہے کہ

قبۃ السلسلہ کو مصر کے سلطان بیبرس نے از سر نو بنوایا اور اس کا عہد حکومت ۱۲۶۰ء تا ۱۲۷۷ء ہے ۔ اور یہ قبہ محراب کے دو ستون چھوڑ کر سترہ ستونوں پہ قائم تھا آج کل محراب کے ستون سمیت اس گنبد کے سترہ ستون ہیں

مجیر الدین یہ بھی لکھتا ہے کہ خلیفہ عبد الملک نے اپنے معماروں کو تفصیل سے بتایا کہ وہ کیسا اور کس طرح کا قبہ (صخرہ) تعمیر کرانا چاہتا ہے ۔ اور جب خلیفہ خود بیت المقدس آیا تو ان کاریگروں نے وہ چھوٹا گنبد بنایا جو قبۃ الصخرہ کے مشرق میں اب بھی موجود اور قبۃ السلسلہ کہلاتا ہے ۔ ایک جگہ اس نے بتایا ہے کہ عبد الملک نے مصر کا ہفت سالہ خراج جو گنبد کی تعمیر کے لیے جمع کرایا تھا ۔ اس گنبد میں رکھوا دیا ۔ جو قبہ صخرہ کے مشرق میں بنا ہوا تھا مجیر الدین کے دور میں محراب کے دو ستون چھوڑ کر وہ سترہ ستونوں پر قائم تھا ۔ تیمین ڈی سٹرینج لکھتا ہے کہ ۱۲۹۶ء کے بعد اس میں ترمیم ہوئی ۔ اور آج کل محراب کے ستونوں سمیت اس گنبد کے کل سترہ ستون ہیں ۔

چھوٹے گنبد

اور مقدسی کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ قبۃ الصخرہ اور قبۃ السلسلہ کے علاوہ اس چبوترے پر چھوٹے دو گنبد اور بھی بنے ہوئے ہیں ۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کے سفر معراج کی یادگار ہیں ۔ چونکہ یہ عمارتیں زیادہ مستحکم نہ تھیں اس لیے زلزلوں سے پیہم نقصان اٹھاتی رہیں ۔ اسی لیے مختلف زمانوں میں ان کے ناموں میں گڑبڑ ہوئی ۔

نویں صدی عیسوی میں ابن الفقیہ کی روایت کے مطابق چبوترے کے شمالی حصہ میں قبۃ النبی (قبہ) مقام جبریل اور قبۃ المعراج تھے ۔ اور ابن عبد ربہ انہیں یوں بیان کرتا ہے

) وہ گنبد جہاں سے حضور اقدس ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے ۔

۲) اس مقام کے اوپر کا گنبد جہاں حضور ﷺ نے انبیاء سابقین کے ہمراہ نماز ادا فرمائی اور

۳) ... مسجد جبریل علیہ السلام

مقدسی ۹۸۵ء میں قبۃ المعراج اور قبۃ النبی ﷺ کا اور ناصر خسرو ۱۰۴۷ء میں قبۃ النبی اور قبۃ الجبریل کا ذکر کرتا ہے صخرہ کے شمال مغرب میں جو دو گنبد واقع تھے ان میں سے بعید تر ابن الفقیہ کے زمانے میں قبۃ النبی کہلاتا تھا ۔ اور ابن عبد ربہ کا بیان ہے کہ شب معراج انبیاء سابقین

کے ساتھ حضور ﷺ نے جہاں نماز ادا فرمائی تھی آج کل اس جگہ جو گنبد موجود ہے اسے قبۃ المعراج کہا جاتا ہے

اس قبۃ المعراج اور قبۃ الصخرہ کے درمیان آج کل قبۃ الجبریل علیہ السلام ہے جسے ابن الفقیہ قبۃ المعراج اور ابن عبدربہ وہ گنبد جہاں سے حضور ﷺ آسمان پر تشریف لے گئے، بتاتا ہے مقدسی اسے قبۃ المعراج و ناصر قبہ جبریل لکھتا ہے۔ لیکن ابن عبدربہ اور ابن الفقیہ مقام جبریل کے نام سے جس قبہ کا ذکر کرتے ہیں اس کا آج کل کوئی وجود نہیں۔ ان دونوں گنبدوں کا ذکر کرتے ہوئے ناصر خسرو صلیبی جنگوں سے قبل ۱۰۴۷ء میں لکھتا ہے

پھر چبوترے پر ہی ایک اور گنبد ہے، جو چار کھمبوں پر قائم ہے۔ اس میں قبلے کی طرف نہایت خوبصورت محراب بنائی گئی اسے قبہ جبریل علیہ السلام کہتے ہیں۔ اس میں قالین بچھے ہوئے تھے۔ کیونکہ فرش سنگ رخام کا بنا ہے اور اسے رگڑ کر چکنا کر دیا ہے۔ روایت ہے کہ شب معراج مرکب براق کو اسی مقام پر باندھا گیا تھا آخر میں ایک اور گنبد قبہ جبریل سے کوئی بیس ہاتھ کے فاصلے پر واقع ہے اسے قبۃ الرسول ﷺ کہتے ہیں اسے بھی چار پہل پایوں پر بنایا گیا ہے۔

محاربین زیر نے اپنے قیام کے دوران اس کی بھی مرمت و درستی کی اور صلاح الدین نے قبضے کے بعد نہ صرف انہیں بحال کیا بلکہ قبۃ المعراج کو از سر نو تعمیر کرایا۔ لیکن یہ تھوڑے ہی دنوں بعد گر کر کھنڈر ہو گیا۔ اور موجودہ قبۃ المعراج والیٔ بیت المقدس عزالدین عثمان بن علی الزنجلی نے ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ء) میں دوبارہ تعمیر کیا۔ وہ جگہ جہاں نبی کریم ﷺ نے ملائکہ و انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ روایت کے مطابق قبۃ المعراج کے باہر ہے۔ آج کل یہاں ایک خوبصورت محراب قائم ہے۔ جہاں ادائیگی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آگے قدم بڑھایا۔ اور آپ کے لیے سونے چاندی کا زینہ نصب کر دیا گیا جس کے ذریعے آپ آسمان پر چڑھے۔ یہ روایت سیوطی کی ہے۔ وہ قبۃ السلسلہ کو قبۃ الرسول قرار دیتا ہے۔ اور باب شرف الانبیاء کے قریب احاطۂ حرم میں جو گنبد واقع ہے اور گنبد سلیمان کہلاتا ہے، اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہاں سلیمان سے مراد حضرت سلیمان نہیں بلکہ خلیفہ عبدالملک کا بیٹا سلیمان ہے جس نے یہ گنبد بنوایا تھا
۹۲۰ء میں ہروی لکھتا ہے کہ چبوترے کے باہر شمال مغربی کونے میں سیڑھیوں کے اوپر قبۃ الخضر اور

اس سے آگے قبۃ الارواح، اس کے جنوب میں قبۃ الرسول اور قبۃ الجبرئیل ہیں۔ قبۃ الصخریٰ کے جنوب میں کوئی گنبد نہیں

حرم شریف میں دیگر زیارتیں

مہد مسیح علیہ السلام

احاطہ حرم کے جنوب مشرقی گوشے میں قدیم آثار پر ایک چھوٹی سی زمین دوز مسجد (۴۰ گز x ۲۵ گز) مہد مسیح کے نام سے مشہور ہے۔ ابن عبد ربہ نے محراب مریم بنت عمران اور مقدسی نے "محراب مریم و زکریا" کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ محراب مریم میں فرشتے حضرت مریم کے واسطے گرمیوں میں سردی کے اور سردی میں گرمیوں کے پھل مہیا کرتے تھے۔ محراب زکریا اس کے پاس تھوڑی ہے جہاں فرشتوں نے انہیں ولادت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی جبکہ وہاں نماز میں کھڑے تھے۔ مہد مسیح میں زمانہ قدیم سے حضرت مسیح علیہ السلام کا پنگوڑا رکھا ہے۔ یہ پنگوڑا پتھر کا اور اتنا وسیع ہے کہ ایک آدمی اس میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ پنگوڑا زمین میں گڑا ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اسی میں لٹائے گئے۔ اور انہوں نے شیر خوارگی میں لوگوں سے گفتگو فرمائی اس پنگوڑا کو مسجد کی محراب بنا دیا گیا ہے۔ محراب مریم اور محراب زکریا اس کے مشرقی پہلو میں ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی جگہ پیدا ہوئے تھے۔ ایک ستون پر انگلیوں کے نشان ہیں۔ جس کے بارے میں لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے دردِ زہ کی شدت میں اس پتھر کو زور سے پکڑ لیا تھا اور یہ انہی کی انگلیوں کے نشان ہیں۔ ناصر خسرو کے الفاظ میں اس میں چاندی اور پیتل کے بہت سے فانوس لٹکے ہوئے ہیں۔ جنہیں ہر رات روشن کیا جاتا ہے۔

صلیبیوں نے اپنے دور میں حرم شریف کے ان زمین دوز مقامات سے اصطبل کا کام لیا۔ اسی لیے لاطینی وقائع نویس اور عیسائی بھی اس کا ذکر اصطبل سلیمان کے طور پر کرتے ہیں۔ آج کل "اصطبل سلیمان" مہد عیسیٰ کے مغرب میں ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک دروازہ کھلتا ہے۔ صلیبیوں کے قبضہ سے قبل حرم شریف کے شمالی پہلو میں واقع محراب داؤد ختم ہو گئی۔ البتہ اس کے قریب کرسی سلیمان، جو قد آدم بلند چٹان ہے باقی رہی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیکل کی تعمیر کے زمانے میں اسی پر نشست فرماتے تھے۔ سیوطی لکھتا ہے کہ ایک روایت کے

مطابق ہیکل کی تکمیل کے بعد حضرت سلیمان نے اس مقام پہ تین ہزار بچھیاں اور سات ہزار بھیڑیں قربان کیں۔

سیوطی محراب داؤد کے بارے میں لکھتا ہے کہ محراب داؤد قلعہ بیت المقدس کے اندر ہے مگر جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو محراب کلاں (مسجد اقصے کے منبر کے برابر) میں نماز ادا کرتے۔ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی میں یہاں نماز ادا کی، اس روز سے یہ محراب عمر رضی اللہ عنہ مشہور ہو گئی۔

منبر داؤد (جسے مجیرالدین قبہ سلیمان کہتا ہے) حرم شریف کی جنوبی دیوار میں وابستہ محراب ہے۔ اور باب العتم کے سامنے اور اس دروازے کے قریب ہی جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ناصر خسرو نے حرم شریف کے شمالی حصہ میں منبر داؤد کے علاوہ دو اور گنبدوں (۱) قبہ یعقوب علیہ السلام اور (۲) محراب زکریا کا ذکر کیا ہے۔ اور لی سٹرینج کہتا ہے کہ قبہ یعقوب سے غالباً وہ گنبد مراد ہے جو آج کل قبہ سلیمان کہلاتا ہے۔ اور محراب زکریا کا کوئی اثر آثار باقی نہیں۔

مجیرالدین لکھتا ہے کہ باب سلسلہ کے مقابل قبہ موسیٰ بنا ہوا ہے۔ لیکن اس کو حضرت موسیٰ سے کوئی نسبت نہیں۔ ۶۴۹ھ (۱۲۵۱ء) میں از سر نو تعمیر ہوا اور اس سے پہلے قبۃ الشجرہ کہلاتا تھا۔ قبۃ الطومار جنوب مشرقی کونے پر چبوترے کے کنارے بنا ہوا تھا۔ مجیرالدین کے الفاظ میں حرم شریف کے چاروں مینار اسی مقام پر قائم ہیں۔ جہاں عبد الملک کے زمانے میں تھے۔ پہلا حرم شریف کے جنوب مغربی گوشے میں، دوسرا باب السلسلہ کے شمال میں، تیسرا شمال مغربی زاویہ میں باب الغوانمہ (۶۹۸ھ) میں از سر نو تعمیر ہوا اور چوتھا باب الاسباط اور باب الحطہ کے درمیان، جو ۷۶۹ھ میں سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا۔

صلیبی جنگوں سے قبل کے مصنفوں نے بعض ایسے مقامات کا تذکرہ بھی کیا ہے جو آج موجود نہیں ہیں۔ اور اس کی وجہ غالباً وہ تبدیلیاں ہیں جو صلیبیوں نے کیں۔ ناصر خسرو نے حرم شریف کے شمال مغربی گوشے میں ایک محراب زکریا کا ذکر کیا ہے جس کا آج نشان نہیں ملتا۔ اسی طرح ابن الفقیہ کا کعب ابراہیم اور ابن عبد ربہ کا بیت ابراہیم معدوم ہے۔ مقدسی، مقام الخضر، اسار، مقام کعبہ اور محراب یعقوب کا ذکر کرتا ہے۔ ناصر خسرو گنبد یعقوب کی کیفیت لکھتا ہے جو

شمالی حصہ میں تھا۔ لیکن ان سب کے آثار نہیں ملے

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا مصلیٰ یا کرسی

باب حطہ میں داخل ہو کر داہنی طرف مسجد کے شمالی دروازہ شرف الانبیاء پر نگاہ پڑتی ہے باب حطہ اور اس باب کے درمیان چار ستونوں پر یہ قبہ قائم ہے۔ جس میں قبلہ رخ محراب بنی ہوئی ہے اسے سیدنا سلیمان علیہ السلام کا مصلیٰ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد کی تعمیر کے وقت یہیں بیٹھ کر فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔

روضہ سیدنا سلیمان علیہ السلام

یہ روضہ حرم شریف میں مسجد صخرہ کے جانب مشرق تین سو قدم کے فاصلے پر بیرونی دیوار کے متصل ایک مقفل کمرے میں واقع ہے۔ کمرے کے دونوں جانب جالی دار کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں۔ جس سے قبر دیکھی جا سکتی ہے۔ قبر کی لمبائی سات گز ہوگی۔ قبر شمالاً جنوباً ہے اور کمرے کے متصل محبس سلیمان علیہ السلام (جیل خانہ) ہے۔ جہاں شریر جنات کو قید و بند رکھا جاتا تھا۔ اصطبل یہاں سے ذرا فاصلے پر ہے۔

دیوار براق

وہ جگہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے معراج کی رات براق یہاں باندھا تھا۔ اس کے علاوہ حرم میں عورتوں کے لیے ایک چھوٹی سی مسجد بنی ہے۔ جس میں ظہر، عصر اور مغرب کی نماز ایک اندھا امام عورتوں کو پڑھاتا ہے۔

مزار مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر کا مزار مسجد صخرہ کے بالمقابل جانب مغرب ایک بند کمرے میں ہے۔ کتبہ پر عربی عبارت لکھی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے

" اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی جان و مال کے صدقے جنت دے گا یہ مجاہد عظیم مولانا محمد علی ہندی کی قبر ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں جگہ دے "

پندرہ شعبان کو لندن میں وفات پائی اور جمعہ کے دن پانچ رمضان ۱۳۴۹ھ کو قدس میں دفن کیے گئے

دیوارِ گریہ

حرم شریف کی مغربی دیوار میں پچاس فٹ کے ایک ٹکڑے کے بارے میں یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کے باقیات میں سے ہے۔ چنانچہ اس مقام پر آتے اور گریہ وبکا کرتے ہیں اور اسی نسبت سے اس کا نام دیوارِ گریہ پڑ گیا ہے۔ اس مقام کو مسلمان البراق کہتے ہیں کیونکہ شب معراج سرورِ کائنات ﷺ اسی جگہ براق سے اترے اور براق کو باندھا اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس جگہ کی نشاندہی کرنے کے لیے یہاں ایک کونڈا لگا ہوا ہے۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں داخل ہوئے دیوارِ گریہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے معبد کو تباہ ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں اور ہیرود نے اس کی جگہ جو عمارت تعمیر کرائی تھی۔ اسے بھی ۷۰ء میں طیطس رومی مکمل طور پر تباہ کر چکا تھا۔ اور اس کے جو آثار باقی رہ گئے تھے اسے ملکہ ہیلنا نے مٹا دیا۔ خلیفہ عبدالملک نے قبۃ الصخرہ اور خلیفہ ولید نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کرائی۔ حرم شریف کی موجودہ چاردیواری تو کافی عثمانی کے دور میں تعمیر ہوئی۔ جو بعض قدیم آثار پر اٹھائی گئی تھی۔ سر رونالڈ سٹورز اپنی کتاب "مشرق قریب میں طوفانی مرکز" میں لکھتا ہے کہ فتح بیت المقدس کے بعد جب سلطان سلیم اول مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لیے آیا تو اس نے مسجد کے نواح ہی میں قیام کیا۔ ایک صبح اس نے اس مقام پر جہاں آج کل دیوارِ گریہ ہے ایک عیسائی خاتون کو غلاظت پھینکتے دیکھا اور اس کی طبیعت پر مسجد کے قریب یہ ڈھیر گراں گزرا۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ عیسائی اکثر کوڑا کرکٹ اسی مقام پر ڈالتے ہیں۔ اس پر سلطان سلیم نے مسجد کے قریب کوڑا کرکٹ پھینکنے کی ممانعت کر دی اور سلیمان اعظم کے دور میں شہر کی فصیل کے ساتھ حرم شریف کی چاردیواری بھی ۱۵۴۲ء میں مکمل ہوئی۔

مزید برآں تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ شاہ ہیڈرین نے ۱۳۵ء میں یہودیوں کو بیت المقدس سے نکالا تو صدیوں ان کا شہر میں داخلہ بند رہا البتہ ایک یہودی مصنف کے مطابق ۳۱۰ء میں وہ عیسائی حکمرانوں سے یہ اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ نواحی پہاڑیوں سے بیت المقدس کو دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فاتح بن کر آئے اور عیسائیوں سے جو معاہدہ طے ہوا اس میں عیسائیوں نے خاص طور پر مسلمانوں کو پابند کیا تھا کہ یہودی ان کے ساتھ شہر میں

آباد نہیں ہو سکیں گے گو بعد کے حالات میں اس معاہدہ پر بہت کم پابندی ہو سکی مگر اس کے باوجود شہر بیت المقدس میں یہودی کبھی آباد نہیں ہوئے۔ البتہ جب تحریک صیہون شروع ہوئی تو انہیں ہیکل کا خیال آیا اور صیہونی رہنماؤں نے انہیں دیوارِ گریہ کی زیارت کے لیے اکسایا۔ اور یہ انیسویں صدی کی بات ہے جب یہودی ربیوں نے ترکوں سے درخواست کی کہ ان کا مذہب انہیں حرم کے باہر گریہ وزاری کا حکم دیتا ہے۔ فراخ دل ترکوں نے ان کے مذہبی احساسات کا احترام کرتے ہوئے انہیں مغربی دیوار کے باہر اس کی اجازت دے دی لیکن حکم ہوا کہ وہ دیوار سے تیس فٹ پیچھے رہیں۔ یہ اجازت حاصل کرنے کے لیے بھی یہودیوں نے انتہائی مکر و فریب سے کام لیا اور طویل جدوجہد کی۔ یہ اجازت انہیں کب ملی؟ تاریخ اس بارے میں قطعاً خاموش ہے البتہ اتنا قطعی ہے کہ انیسویں صدی تک مقدس مقامات کے خادموں اور سربراہوں کے سوا کسی غیر مسلم کو شہر کی فصیل کے اندر قیام کی اجازت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ کوئی سفارتی نمائندہ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ البتہ سال کے ایک مقررہ وقت میں سیاحوں اور زائرین کو اندر جانے کی اجازت دے دی جاتی۔ مگر انیسویں صدی کے اوائل میں اولاً اسپین اور بعد ازاں وسطی اور مشرقی یورپ کے یہودی مہاجرین کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ جو انتہائی بے بسی اور افسوس کی حالت میں یہاں پہنچے اور اپنے یہودی رشتہ داروں کی خیرات پر گزارہ کرتے لیکن ۱۸۳۱ء میں جب فلسطین اور شام پر حاکمِ مصر قابض ہو گیا۔ تو قدیم بیت المقدس کی ہیئت میں تبدیلی کی رفتار کسی قدر تیز ہو گئی۔ ملک میں ابتری پھیل گئی۔ اور فلسطین کے دروازے یہودی تاجروں، مشنریوں اور سیاحوں پر وا ہو گئے۔ مصری انتظامیہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے خاصی فراخ دلی کا مظاہرہ کیا، اور بیت المقدس میں پہلی بار برطانوی قونصلیٹ قائم ہوا۔ جس کا ایک حق "یہودیوں کی نگرانی و حفاظت" تھا۔ برطانیہ نے یہودیوں کو عیسائی بنانے کے لیے ایک مخصوص بشپ کا تقرر کیا اور مصری انتظامیہ پر زبردست دباؤ ڈال کر شہر میں نئے پروٹسٹنٹ چرچ کی تعمیر کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ عہد اسلامی میں غیر مسلموں کا پہلا نیا معبد تھا۔ جو شہر کے اندر تعمیر ہوا۔ مصر کے دورِ اقتدار میں بیت المقدس میں یہودیوں کے دو گروہ تھے۔ جو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ سفاردوم، جن کی اکثریت اسپین سے آنے والوں پر مشتمل تھی۔ جو عثمانی مملکت کی رعایا تھے جنہوں نے انتہائی محتاط انداز اور عیاری سے

متصدّ عمارتوں کو چار کنیسوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ لیکن ان کی چھت ایک ہی تھی۔ ترک حکام نے ان کی زندگی کے لیے ایک ربی کو تسلیم کر لیا تھا جسے بعد ازاں چیف ربی بنا دیا گیا اور دوسرا گروہ اشکنازیوں کا تھا جو حال ہی میں پروشیا، آسٹریا، پولینڈ اور روس سے آئے تھے اور جن کی حفاظت و نگرانی برطانوی قونصلیت کے ذمہ تھی۔ انہوں نے چونکہ غیر ملکی شہریت برقرار رکھی۔ اس لئے وہ عثمانی قوانین سے مستثنیٰ تھے انہوں نے غیر ملکی تحفظ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شہر میں نئے کنیسے کی تعمیر اور مقدس مسلم جائیداد پر قبضہ کرنے اور خرید زمین اجازت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ عثمانی قوانین کے تحت کسی غیر ملکی کو فلسطین میں جائیداد خریدنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اور مصری انتظامیہ نے عثمانیوں سے بغاوت کے باوجود ان قوانین کو تنسیخ نہ کیا تھا۔ اس لیے علی پاشا کو انہیں اجازت دینے سے انکار میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ البتہ جیسا کہ مسجد اقصیٰ کے ضمن میں آ چکا ہے۔ انہوں نے برطانوی قونصلیت کی وساطت سے مصری کمانڈر ابراہیم پاشا کو دیوار گریہ کو پختہ کرنے کی اجازت پر رضامند کر لیا تھا لیکن شہری مشاورتی کونسل اور شیخ المغاربہ کی مخالفت نے ان کا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ باب المغاربہ کے باہر کی زمین کو جس میں مقام گریہ کی جگہ بھی شامل تھی۔ سلطان صلاح الدین کے بیٹے الافضل نے مسلم اوقاف قرار دے دیا تھا۔ جو بالآخر شمالی افریقہ کے زائرین علماء اور صوفیاء کے لیے وقف ہو گیا تھا۔ ۱۳۰۳ء میں اس جگہ زائرین کے لیے ایک زاویہ تعمیر ہوا۔ بعد ازاں ۱۳۲۰ء میں شعیب ابومدین مغربی نے اس وقف میں شمالی مغربی افریقہ کے زائرین اور طلباء کے زاویہ اور رہائشی مکانات تعمیر کئے۔ افریقی مسلمانوں کی مسجد اقصیٰ سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ سلطان مراکش علی بن عثمان المرینی نے ۱۳۵۲ء میں اپنا کتابت کردہ قرآن مجید مسجد اقصیٰ کے لیے بھجوایا۔ اور ۱۳۲۰ء میں ابومدین کی نگرانی میں باب المغاربہ کے باہر کی تمام زمین از سر نو ایک مسلم وقف کی حیثیت سے رجسٹر کرائی گئی۔ اس طرح ۱۸۳۹ء میں جب انہیں یہودی عیاری کا سامنا کرنا پڑا۔ شمالی افریقہ کے مسلمان اس زمین پر تبرا استحقاق رکھتے تھے۔ زاویہ ابومدین کے شیخ نے افریقی مسلمانوں کی طرف سے لکھا کہ ان کے مقبوضات دیوار حرم سے متصل ہیں اور یہی وہی دیوار حرم ہے جہاں سرور کائنات ﷺ معراج کی رات براق سے اترے اور جہاں براق

کو باندھا گیا۔ اس نے اس پر افسوس ظاہر کیا کہ یہود کو بلا جواز ان کے علاقے میں دخل کا حق دیا گیا لیکن یہ اجازت اس سے مشروط تھی کہ وہ وہاں شور نہیں کریں گے۔ اس میں شک نہیں کہ پچھلے چند سالوں سے ان کی تعداد میں قدرے اضافہ ہو گیا ہے۔ اور وہ اپنی آواز کو ایسے بلند کرتے ہیں جیسے کنیسہ میں ہوں لیکن اس کے باوجود انہیں مقام براق پر قبضہ کرنے یا اس تک پختہ سڑک بنانے کی اجازت نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے کسی اجتماعی مقصد کی ابتدا ہے۔ مشاورتی کونسل نے اس بیان میں یہ اضافہ کیا کہ مقام براق زاویہ کے ساتھ ساتھ ایک تنگ گلی ہے۔ یہ گلی اور نواحی مکانات ابو مدین کے وقف میں شامل ہیں۔ یہ معاملہ ابراہیم محمد علی پاشا کے سامنے پیش ہوا اس نے ۲۶ مئی ۱۸۴۰ء مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ کو گورنر بیت المقدس کو لکھا کہ

مشاورتی کونسل کی رپورٹ سے واضح ہے کہ یہود جس جگہ کو پختہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ حرم شریف سے متصل اور وہ جگہ ہے۔ یہاں سرور کائنات ﷺ کے براق کو باندھا گیا۔ اس کے علاوہ وہ ابو مدین کا وقف ہے۔ نیز اس سے قبل یہود نے کبھی اس جگہ کی مرمت نہیں کی۔ مزید برآں شرع اسلامی کے تحت بھی ان کی درخواست قابل قبول نہیں۔ اس جگہ شور مچانے یا اپنی آوازیں بلند کرنے پر بھی سرزنش کی جائے اور واضح کر دیا جائے کہ انہیں صرف اس جگہ کی زیارت کی اجازت ہے۔

یہ دیوار گریہ پر یہودی حاضری کا پہلا مستند تذکرہ ہے کہ انہیں کسی مسلم مقدس مقام کی عقیدت کے طور سے زیارت کی اجازت دی گئی۔ جہاں تک انیسویں صدی کے باقی سالوں کا تعلق ہے اس میں تارکین وطن یہود نے دو مرتبہ شاہی حکم سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے برطانوی قونصلیٹ کی مدد سے ایک تباہ شدہ عمارت کی جگہ معبد تعمیر کرنے کی اجازت حاصل کر لی کہ یہاں کبھی معبد تھا، حالانکہ کسی قدیم مسیحی، یہودی یا اسلامی مصنف نے اس مقام پر کسی "معبد" کی موجودگی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے جو دستاویزات پیش کیں وہ جعلی تھیں اور ان کی صداقت بجائے خود مشکوک تھی لیکن برطانوی سفیر نے اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کر کے یہود کو "قدیم معبد" کی تعمیر نو کی اجازت دلوا دی اور یوں شہر قدس میں یہود کے دو معبد بن گئے

اس وقت یہودی تعداد کتنی تھی۔ اس کے بارے میں تاریخ کا ریکارڈ خاموش ہے کیونکہ خود یہود نے ممتاز یہودی مصنف سر موسس مونٹ فیوری کے مطابق (۱۸۳۹ء) مردم شماری سے گریز کیا

البتہ برطانوی قونصل نے ۱۸۷۲ء میں ان کا اندازہ دس ہزار لگایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت
تک یہودی فلسطین میں تمام تر اجنبی بے کسی کے عالم میں تھی۔ صرف معمر یہودی اپنی زندگی کے آخری
دن سرزمین موعود میں گزارنے کے لیے آتے تھے۔ لیکن ۱۸۸۱ء میں جب روس سے یہودیوں کا
انخلاء شروع ہوا۔ یہودی آمد نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ آخر اپنی تمام فراخ دلی اور انسانیت کے
باوجود عثمانی خلافت کو ۱۸۸۸ء میں ایک حکم جاری کرنا پڑا۔ جس کے تحت یورپی یہودیوں کی فلسطین
میں آبادکاری اور زمین حاصل کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ لیکن ناقص انتظام کی وجہ سے بیرونی
یہودی تمام تر فلسطین بیت المقدس میں جائیداد کی خریداری اور آبادکاری بدستور جاری رہی۔ حتیٰ کہ
دس سال کے مختصر عرصہ میں یہود نے بیت المقدس میں سخت معاشی بحران پیدا کر دیا۔ جس سے
مسلمان بری طرح متاثر ہوئے۔ مسلمانوں نے ۱۸۹۱ء میں وزیراعظم سے زبردست احتجاج کیا۔
اس کے باوجود آئندہ بیس سال میں کوئی موثر کارروائی نہ ہوئی اور اس کا ثبوت ایوان نمائندگان کی کار
روائی سے ملتا ہے۔ جہاں ۱۹۱۱ء میں صیہونیت کے طوفان پر شدید بحث ہوئی۔

۱۹۱۱ء بیت المقدس کی تاریخ میں اس لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا ہے کہ یہود نے دیوار گریہ
کی زیارت کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو جانے والے راستہ پر قبضہ جمانے کا ایک نیا
طریقہ اختیار کیا۔ اور وہ مقام گریہ پر کرسیاں ساتھ لے جانے لگے۔ اس پر ابومدین وقف کے
نگران نے احتجاج کیا لیکن ترک حکام کی ممانعت کے باوجود یہودی روش میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔
آخر حکومت کو ۱۸۴۰ء کی طرح کا ایک نیا حکم نامہ جاری کرنا پڑا۔ ۱۲ نومبر ۱۹۱۱ء کو انتظامی کونسل نے
بیت المقدس کے گورنر کو حسب ذیل مسودہ برائے حکم پیش کیا

شعیب ابومدین (خدا اس کی یاد ہمیشہ باقی رکھے) کے وقف کے نگران نے شکایت کی ہے
کہ یہود، جو حرم الشریف کی دیوار براق کے مغربی حصہ کی زیارت کے عادی ہیں بشرطیکہ وہ زیارت
کے دوران کھڑے رہیں۔ انہوں نے اب اس روایت کے برعکس زیارت کے دوران بیٹھنے کے
لیے کرسیاں لانا شروع کر دی ہیں۔ چونکہ یہ جگہ اس وقف کی ملکیت اور بند گلی ہے۔ اس لیے نگران
نے درخواست کی ہے کہ یہود کو اس سے روکا جائے کہیں وہ مستقبل میں اس پر ملکیت کا دعویٰ نہ جتا
دیں۔ نگران کی اس درخواست پر قابل احترام مفتی اعظم، مذہبی اوقاف کے محکمہ اور موجودہ عدالتوں

نے غور کیا ہے۔ اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ جگہ ان رہائشی مکانات سے متعلق ہے جو مسجد اقصیٰ سے متصل مغربی جانب ہیں۔ یہ ایک بند کوچہ ہے جو کہ ابو مدین وقف کی ملکیت ہے۔ اور اسلامی قوانین کے تحت اس جگہ یہودیوں کا کرسیاں رکھنا، پردے لگانا یا کوئی ایسی شے، یا کوئی ایسی چیز رکھنا، جو بالآخر اقصیٰ کی مبارک مسجد کی دیوار پر ملکیت کا باعث بنے، غیر قانونی ہے۔ اس لیے یہود کو ان اختراعات سے روکنے کے لیے مناسب اقدام کیے جائیں۔

انتظامی کونسل نے تفصیلی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ کسی ایسی شے کو اس جگہ رکھنے کی اجازت نہ دی جائے، جو اس جگہ یا مسجد اقصیٰ کی دیوار پر ملکیت کا حق جتانے کا باعث بنے۔ لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ اس قسم کی اختراع کا کوئی موقع نہ دیا جائے۔ بلکہ قدیم روایت ہی کو برقرار رکھا جائے۔
پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں جو فلسطین پر مسلمانوں کے صدیوں پرانے دور حکومت کے خاتمہ اور برطانوی قبضہ کا باعث بنی۔ یہ پوزیشن تھی لیکن ۱۹۱۴ء میں صورت حال بالکل بدل گئی، عرب ترکوں سے باغی ہو گئے۔ اور برطانیہ نے انہیں "آزادی" کا کچھ ایسا فریب دیا کہ بیت المقدس میں ترک کمانڈر جمال پاشا کی ہر کوشش بے کار ثابت ہوئی، جو اس نے شہر مقدس کو عیسائی قبضہ سے بچانے کے لیے تمام مسلمانوں سے مشترکہ دفاع کے لیے کی۔ جنرل ایلن بی شہر میں داخل ہو گیا اور اس نے اعلان کیا کہ:

تینوں مذاہب کی ہر مقدس عمارت، یادگار اور عبادت کی روایتی جگہ کو خواہ وہ کسی صورت میں بھی ہو، اس مذہب کے پیروکاروں کے موجودہ عقائد کے مطابق برقرار رکھا جائے گا۔ لیکن نصف فلسطین پر ابھی ترک قابض تھے۔ اور برطانیہ کی قطعی فتح میں ایک سال باقی تھا کہ صیہونیوں نے اس اعلان کی خلاف ورزی شروع کر دی اور ۲۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو برطانوی فوج کی دو یہودی بٹالینوں کا جو پہلا دستہ شہر میں داخل ہوا اس نے دیوار گریہ پر نہ صرف اجتماعی طور پر آہ و بکا کی بلکہ شور و ہنگامہ مچایا۔ اور دس دن بعد ویز مین کے صیہونی کمیشن نے اس حرکت کو دہرایا۔ صیہونی کمیشن کی آمد نے مسلمانوں اور عربوں میں سخت خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا ایک طرف مصر کے حاکم نے برطانوی حکام کو مسلمانوں کے خوف سے آگاہ کیا تو دوسری طرف لبنان کے مسیحی عرب مصنف ڈاکٹر فارس نمیر نے کمیشن کے برطانوی رابطہ افسر کو عیسائیوں کے خوف و ہراس سے باخبر کیا مگر انہیں یہود

دشمن پراپیگنڈہ کا اثر قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا۔ آخر ۳۰ مئی ۱۹۱۸ء کو خود ویزمین نے لارڈ بالفور کے نام اپنے خط میں اس کا انکشاف کر دیا۔ اس نے لکھا

دیوار گریہ فوراً حوالے کر دی جائے۔ فلسطین میں یوں تو ہمارے کئی مقدس مقامات ہیں لیکن دیوار گریہ ہمارے قدیم ہیکل کا حصہ ہے۔ جس سے ہمارا کچھ تعلق اب تک باقی ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام مقامات عیسائیوں اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے گرد بھی انتہائی غیر صحت مندانہ ماحول ہے۔ جو یہود کے لیے ذلت و ندامت کا باعث ہے۔ ہمارے مقدس ترین شہر میں ہماری مقدس ترین یادگار ایک مشکوک مغربی مذہبی فرقہ کے تصرف میں ہے۔ ہم اسے اس کے معاوضہ میں گرانقدر رقم دینے کے لیے تیار ہیں۔ کیونکہ ہم اس جگہ کو صاف ستھری باوقار اور قابل احترام بنانا چاہتے ہیں۔

اس پر بیت المقدس کے فوجی گورنر رونالڈ اسٹورس نے انتہائی محتاط انداز سے مغربی دیوار سے متصل مکانات کی خریداری کے لیے مفتی اعظم کامل حسینی سے رابطہ پیدا کیا۔ لیکن ان کا جواب صرف ایک ہی تھا۔ کہ کسی مسلم اوقاف کی کوئی جگہ کسی بھی قیمت پر فروخت نہیں کی جا سکتی۔ خواہ خریدار مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ سٹورس نے ترغیب و تحریص کے تمام ہتھکنڈے آزمائے مگر لا حاصل۔ یہود نے براہ راست تحریک کی اور ایک مراکشی یہودی کو گراں قدر رقم کی پیش کش کے ساتھ ابو مدین وقف کے شیخ کے پاس بھیجا۔ لیکن اس پر مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ مظاہروں کے علاوہ مسلمانوں نے رونالڈ سٹورس کو دو تحریری احتجاج پیش کیے۔ ایک احتجاج پر عارف پاشا مرجانی اور شہر کے چودہ ممتاز خاندانوں کی اہم شخصیتوں نے دستخط کیے تھے۔ اس میں ایلن بی کے اعلان کا حوالہ دیتے ہوئے اس تحریک کو نامناسب قرار دیا گیا تھا۔ دوسرا احتجاج شہر کی تین تعلیمی سوسائٹیوں کی طرف سے تھا جنہیں فوجی حکام نے تسلیم کر رکھا تھا۔ اس میں ایلن بی کے اعلان کا حوالہ دینے کے علاوہ انتباہ کیا گیا تھا کہ

مسلمان اس قدر مقدس مقام کو کسی بھی قیمت پر فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے

اس پر یہ مسئلہ ایلن بی کے سیاسی مشیر نے اس انتباہ کے ساتھ بالفور کو واپس بھجوا دیا کہ اس پر عمل کا نتیجہ خطرناک ہو گا لیکن یہود اپنے منصوبہ کو مکمل کرنا چاہتے تھے۔ اعلان بالفور کی پہلی سالگرہ

پر انہوں نے بیت المقدس میں مظاہرہ کیا اور دیوارِ گریہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ اس کے علاوہ فلسطین میں دو یہودی بٹالینوں کا رویہ دیوار گریہ کی زیارت کے وقت اس قدر قابل اعتراض ہوتا تھا کہ فوجی حکام کو ان کے شہر میں داخلہ پر پابندی لگانا پڑی تھی لیکن ایک افسر نے اپنے جوانوں سمیت اس حکم کی خلاف ورزی کی اور انہیں مارچ کراتے ہوئے دیوار گریہ تک لے گیا۔ اس پر ان سب کا کورٹ مارشل ہوا۔ ۵۸ افراد کو قید کی سزا دی گئی اور صیہونی دستوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔

اپریل ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں اور یہودیوں میں پہلا تصادم ہوا۔ جب یہود نے بزور مسجد اقصیٰ کے اس حصہ پر قبضہ کی کوشش کی۔ چند دن بعد مفتی اعظم پر فائرنگ کی گئی۔ برطانوی فوجی منتظم کو یقین تھا کہ مجرم کالعدم صیہونی دستے کے رکن ہیں۔ اس لیے اس نے صیہونی ایجنسی سے مجرموں کی گرفتاری کے لیے تعاون مانگا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اپریل کے اواخر میں جب فلسطین کا انتداب برطانیہ کے حوالے ہوا۔ اور برطانیہ نے ایک صیہونی سر ہربرٹ سیموئل کو اپنا پہلا ہائی کمشنر مقرر کیا تو عربوں میں اضطراب اور یہود میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ فوجی گورنر نے وزارت خارجہ کو اس غیر معمولی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ لیکن برطانوی حکومت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ۶ مئی کو اسے وائز مین کے نائب کی طرف سے خط موصول ہوا کہ

دیوار گریہ دنیا بھر کے یہودی کی ملکیت ہے۔

۳ مئی کو چیف ربی نے اسے لکھا

"دیوار گریہ دیکھ بھال اور انتظام کے لیے یہودی نمائندوں کے حوالے کر دی جائے۔"

یہ برطانوی انتداب کا ابتدائی ناخوشگوار آغاز تھا کہ جب ایک معمولی اقلیت جو آبادی کا بمشکل آٹھ فیصد تھی، برطانوی سنگینوں کے سہارے عرب اکثریت پر تسلط حاصل کرنے کی خواہاں تھی اور بعد کے سالوں میں انہوں نے "البراق" پر اپنا حق جتانے کیلئے کرسیاں، بنچ اور پردے لانے کی رفتار تیز کر دی۔ ابو مدین وقف کے سرپرست نے ہر بار مفتی بیت المقدس سے شکایت کی جنہوں نے اسے برطانوی حکومت تک پہنچایا جس نے ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۸ء میں دو اہم موقعوں پر اس قسم کی اشیاء لانے کی ممانعت کے لیے احکامات جاری کیے۔ اور آخر ۱۹۲۸ء میں پولیس کو حکم دیا کہ اگر یہود خلاف ورزی سے باز نہ آئیں تو ان اشیاء کو جبراً ہٹا دیا جائے۔ اس پر یہودیوں اور

صیہونیوں نے ہنگامہ مچا دیا اور اس حکم کو مذہبی معاملات میں مداخلت قرار دیا۔ اس طرح صیہونی سیاست بروئے کار آنے لگی۔ اس سے قبل یہ رسم کتنی مذہبی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں جو یہودی انسائیکلوپیڈیا شائع ہوا۔ اس میں دیوار کا عبرانی یا کسی اور نام سے قطعی کوئی تذکرہ نہیں البتہ ۱۹۳۹ء میں جو انسائیکلوپیڈیا شائع ہوا۔ اس میں دیوار گریہ کے نام سے ذکر ہے اور عبرانی نام متن میں دیا گیا ہے۔

دیوار گریہ کے نواح کی زمین پر یہودیوں کے تصرف کی خواہش نے مسلمانوں میں جو خوف پیدا کر دیا تھا۔ اس کے پیش نظر مفتی اعظم نے حکومت فلسطین کو یہودیوں کے پروپیگنڈہ کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہودیوں کا یہ پروپیگنڈہ محض برطانیہ اور دوسری حکومتوں کے علاوہ مجلس اقوام کو متاثر کرنے کے لیے ہے تاکہ وہ مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار جسے البراق کہا جاتا ہے پر قبضہ کر سکیں یا اپنا حق جتا سکیں۔

نومبر ۱۹۲۸ء میں برطانوی حکومت نے ایک قرطاس ابیض میں دیوار گریہ سے متصل کوچہ سے کرسیوں اور بنچوں کو ہٹانے کے سلسلہ میں مقامی حکومت کے حکم کو صحیح قرار دیا لیکن یہودیوں کا پراپیگنڈہ شدت اختیار کرتا رہا۔ آخر ۱۹۲۹ء کے شروع میں حکومت فلسطین نے دونوں فریقوں سے اپنے موقف کی تائید میں شواہد پیش کرنے کے لیے کہا۔ سپریم مسلم کونسل نے فوراً جواب بھجوا دیا اور اپنے موقف کی تائید میں ۱۸۴۰ء اور ۱۹۱۱ء کی دستاویز بھی پیش کیں جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے لیکن چیف ربی بار بار کی یاددہانی کے باوجود جواب بھجوانے میں ناکام رہا۔ ۱۹۲۹ء کی گرمیوں میں پراپیگنڈا کی بنا پر عربوں اور یہودیوں کے جذبات انتہائی شدت اختیار کر چکے تھے۔ اور اگست میں یہودیوں کی فلسطینی کونسل نے [illegible]

دیوار گریہ کے مسئلہ پر یہودیوں کے جذبات قابو سے باہر ہو رہے ہیں

انہی دنوں سولہویں صیہونی کانفرنس زیورچ میں ہوئی۔ اس نے ایک قرارداد پاس کی جس میں کوتل معاروی (دیوار گریہ) پر عبادت کو صدیوں پرانی روایت۔ اس پر قبضہ کو یہودیوں کا ناقابل انتقال حق قرار دیتے ہوئے دنیا بھر کے یہودیوں پر زور دیا کہ وہ اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھیں، جب تک دیوار گریہ پر ہمارا حق تسلیم نہ کر لیا جائے۔ یہود کے ہفت روزہ "فلسطین بلیٹن" اور

عبرانی اخبار ''دوہیوم'' میں اس کی تائید میں اشتعال انگیز مضامین لکھے گئے دو دن بعد ہیکل کی تباہی کے دن کی یاد میں "تل ابیب" میں بیٹار اور دوسری نیم عسکری تنظیموں کے چھ ہزار جوانوں نے مظاہرہ کیا اور ایک قرارداد میں دیوار گریہ پر قبضہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے تین دن بعد کئی سو جوان "تل ابیب" سے بیت المقدس پہنچے اور ایک جلوس کی شکل میں عرب بازاروں سے گزرتے ہوئے دیوار گریہ تک گئے یہاں انہوں نے دیوار گریہ پر صیہونی پرچم لہرا کر صیہونی قومی ترانہ گایا اور "دیوار ہماری ہے" کے نعرے لگائے۔

اس پر مسلمانوں میں اشتعال کا پھیلنا لازمی امر تھا۔ لیکن مفتی اعظم نے عوام کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ البتہ دوسرے روز کہ جمعہ اور یوم میلاد النبی ﷺ تھا، نماز جمعہ کے بعد مسجد اقصیٰ کے شیوخ کی قیادت میں ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ ۲۳ اگست کو شہر اور فلسطین میں وسیع پیمانہ پر ہنگامے ہوئے۔ بعد ازاں ان ہنگاموں کی تحقیقات کے لیے شا کمیشن بیت المقدس آیا تو اس نے دیوار گریہ کو بھی دیکھا اور لکھا کہ یہودی جس جگہ پر کھڑے ہو کر دیوار گریہ کے سامنے عبادت کرتے تھے وہ ۱۱ فٹ چوڑی ہے۔ اور اس کا رقبہ ۱۲۰ مربع گز تھا۔ یہ جگہ تین طرف سے رہائشی مکانوں سے گھری ہوئی تھی۔ اور یہودی اس تک شمال کی تنگ گلی سے آتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں ہنگاموں سے قبل، دیوار گریہ اور حرم کے باب المغاربہ کے درمیان ابو مدین زاویہ بحال کر دیا گیا اور دیوار گریہ اور حرم کے دروازے تک پہنچنے کے لیے نیا راستہ بنا دیا گیا۔ اگرچہ شا کمیشن کی سفارشات سیاسی مصلحتوں اور مفادات پر مبنی تھیں۔ اس کے باوجود یہود مطمئن نہ تھے۔ جس پر برطانیہ نے مجلس اقوام کی منظوری سے ایک بین الاقوامی کمیشن قائم کیا۔ جس کے سربراہ سویڈن کے سابق وزیر خارجہ ایلیل لوف گرین تھے۔ کمیشن نے عربوں اور یہودیوں کے موقف کی سماعت کے بعد دسمبر ۱۹۳۰ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہود نے رسمی طور پر کمیشن سے کہا کہ وہ مغاربہ محلہ کے مکانات کو خالی کرانے اور متاثرین کو دوسری جگہ آباد کرنے کی سفارش کرے۔ انہوں نے اس کے لیے کوئی دلیل پیش کیے بغیر وقف کی زمین کی اس پیشکش کو دہرایا کہ وہ اس اراضی کو خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ کمیشن نے ایسی کوئی سفارش نہ کی بلکہ دیوار کے مسئلے کے بارے میں ہزاروں شہادتوں کے

سننے اور سینکڑوں دستاویزات کو دیکھنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس پر یہود کا کوئی حق نہیں مغربی دیوار قطعاً ایک مسلم وقف کی ملکیت اور مسلمانوں کے ایک مقدس مقام الحرم الشریف کا حصہ ہے، دیوار کے سامنے کی گراؤنڈ اور مغاربہ کی عمارات سب مسلم وقف کا حصہ ہیں اور قانونی طور پر وقفی اوقاف ہیں۔ کمیشن نے یہ بھی لکھا کہ ۶۳۶ء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عیسائی راہب صفرونیوس کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا۔ اس میں عیسائیوں نے یہ پابندی بھی لگائی تھی کہ مسلمان یہودیوں کو شہر میں داخل ہونے اور رہنے کی اجازت نہیں دیں گے ترکان عثمان کے آخری حکمرانوں نے بطور استحقاق نہیں بلکہ استحسان یہود کو مسجد اقصیٰ کی مغربی دیوار کی زیارت کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے لیے انہیں باقاعدہ ترک حکام سے اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی اور ان پر یہ شرط عائد کی جاتی تھی کہ وہ وہاں عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہی شور مچائیں گے۔ بعد کے دور میں اگرچہ انہیں دیوار گریہ پر عبادت کے لیے گراؤنڈ تک پہنچنے کا حق دے دیا گیا۔ لیکن یہ بھی مخصوص مواقع پر اور مشروط تھا۔ اس طرح کمیشن نے اس جگہ کو قانونی طور پر مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کرتے ہوئے یہودیوں کو یہاں تک محض روایت نبھانے کے لیے پہنچنے کی اجازت دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ برطانیہ اور مجلس اقوام نے اسے تسلیم کر کے ایک عالمی دستاویز کی حیثیت دے دی اور ۱۹۳۱ء میں انتظامی کونسل کے حکم سے فلسطین میں اسے قانون کی شکل دے دی گئی۔

اس کے بعد بھی یہود اور صیہونی کی سازشوں میں کوئی کمی نہ آئی۔ بلکہ جرمنی سے یہود کے اخراج کے بعد ان میں شدت آ گئی۔ ہر سال ہزاروں یہودی فلسطین پہنچنے لگے۔ آخر عرب اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن عربوں سے انصاف کی ہر کوشش کو صیہونیت برطانیہ کے بااثر سیاست دانوں جن میں ونسٹن چرچل بھی شامل تھا اور امریکہ کے بااثر گروہ کی متحدہ قوت نے ناکام بنا دیا۔ بعد ازاں یہود نے برطانیہ کے بجائے امریکہ کو اپنا سرپرست بنایا اور یوں تقسیم فلسطین کی سازش سامنے آئی اس کے تحت بیت المقدس، بیت لحم اور نواحی علاقوں کو بین الاقوامی علاقہ دینے کا منصوبہ طے پایا لیکن اس سے یہود اور عربوں میں جنگ چھڑ گئی اور ۱۹۱۷ء میں ترکوں نے جس مقدس شہر کو جرمنی کے ولیم ثانی کے فریب میں آ کر مقدس مقامات کے احترام میں لڑے بغیر خالی کر دیا تھا وہاں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ اس دوران میں یہاں عرب لیگ نے شہر مقدس کے تقدس کو برقرار

رکھنے کی ہر تجویز کو قبول کر لیا۔ وہاں یہود نے ریڈ کراس کی اس تجویز کو بھی قابل اعتنا نہ سمجھا کہ شہر قدس کو ہسپتال قرار دے دیا جائے۔ اور ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو شہر پر تین طرف سے حملہ کر دیا۔ آخر شرق اردن کے شاہ عبداللہ آگے بڑھے اور اس آگ میں کود گئے۔ بیت المقدس کے احترام کے مدعی یہودیوں نے مشین گنوں اور توپوں سے حرم پر بار بار حملے کیے۔ صرف ایک حملہ میں حرم پر ۶۰ گولے گرے جس سے چار نمازی ہلاک اور پانچ زخمی ہوئے جن میں ایک شیخ حرم بھی شامل تھے۔ یہود نے مسجد اقصیٰ و قبۃ الصخرہ کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ عیسائیوں کے معبد بھی ان سے محفوظ نہ رہے۔ جنگ بند ہوئی۔ قدیم شہر اردن کے قبضہ میں رہا۔ لیکن اسرائیل نے کبھی یروشلم پر قبضہ کی خواہش کو مخفی نہیں رکھا بلکہ وہ ہمیشہ اس کی تاک میں رہا۔ آخر اسے موقع مل گیا۔

۵ جون ۱۹۶۷ء کو یہودی صہیونی دوست ونسٹن چرچل کے لڑکے رینڈولف چرچل کو پتہ چلا کہ ۸ بجے صبح جنرل مارکس کے حکم سے بیت المقدس پر یہودیوں نے حملہ کر دیا اور نو بج کر دس منٹ پر یروشلم کے اسرائیلی سیکٹر کے کمانڈر جنرل مارکس نے ٹیلیفون پر بتایا کہ وہ بیت المقدس کے میئر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار ہے۔ چرچل کی کہانی اسرائیل کے فوجی ذرائع پر مبنی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اردنی شہر قدس کی مقدس زیارات کے دفاع کے لیے شیروں کی طرح لڑے، آخر انہیں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کے سامنے مقدس مقامات کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے پسپا ہونا پڑا۔" اور ۷ جون کو جب اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان دیوار گریہ کے سامنے پہنچا تو اس نے وہی قدیم نعرہ لگایا "دیوار ہماری ہے۔" پھر چند یوم بعد دیوار پر عبرانی زبان کی ایک تختی لگا دی گئی۔ بیت، کنشت، (معبد) اور آج ابومدین اوقاف کی تمام عمارتیں ہموار کی جا چکی ہیں اور ان کے باسی جبراً شہر سے نکال دیے گئے ہیں۔

متفرقات اور زیارات

حوض اور تالاب

احاطہ حرم کے نیچے چٹانوں میں مختلف مقامات پر بہت سے حوض بنے ہوئے ہیں جو پانی جمع رکھنے کے کام آتے تھے۔ عہد سلیمان علیہ السلام میں حبرون کے قریب وادی ارطاس سے چشموں کا پانی ایک بند کے ذریعہ ان حوضوں میں پہنچایا جاتا تھا۔ ناصر خسرو لکھتا ہے کہ حرم شریف

کی سطح کے نیچے چٹانوں میں حوضوں کی اتنی تعداد ہے کہ خواہ کتنی ہی بارش ہو سب پانی کا بہہ کر بیکار ہو جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ سب کا سب حوضوں میں آ کر جمع ہو جاتا ہے۔ اور پانی کو حوضوں تک لے جانے کیلئے سیسے کی نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ احاطہ حرم کے نیچے کے حوضوں کی مرمت کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ وہ سب پکی چٹانوں میں تراشے ہوئے ہیں۔ ان کی چھتوں یا ڈھکنوں کی صورت لمبائی کے تنوری طرح ہے۔

بڑا حوض

بیت المقدس کا سب سے بڑا حوض جس کا ایک حصہ خود مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودا گیا ہے، بیر ورقہ کہلاتا ہے۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق جب ہم محراب کی جانب منہ کر کے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں تو بیر ورقہ کا منہ دروازے کی بائیں ہاتھ پڑتا ہے۔ امام سیوطی نے اسکی وجہ تسمیہ میں ایک عجیب روایت لکھی ہے۔

معجزہ علم غیب اور عجیب واقعہ

حضور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق میری امت میں سے ایک شخص اپنے دونوں پاؤں پر جنت میں داخل ہوگا۔ اور وہ واپس آئے گا۔ اور وہ زندہ یعنی دنیا کا رہنے والا ہوگا۔

فائدہ: یہ معجزہ یوں ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک کاروان بیت المقدس گیا کہ حرم شریف کی زیارت سے مشرف ہو۔ اس میں بنی تمیم کا ایک شخص شریک ابن حباشہ کنویں سے پانی پینے گیا اور اتفاق سے ڈول نیچے گر گیا۔ وہ اسے نکالنے کے لیے خود نیچے اترا۔ اندر اسے ایک باغ کا دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں داخل ہو گیا۔ باغ کی سیر کے دوران اس نے کسی درخت کا پتہ توڑ لیا اور اسے کان کے پیچھے رکھ کر کنویں سے نکل گیا۔ پھر یہ شخص حاکم شہر کے پاس گیا اور جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ حاکم شہر نے بہت سے آدمی اس کے ساتھ کیے۔ لیکن جب وہ کنویں میں اترے تو کچھ نظر نہ آیا۔ حاکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ کر بھیجا اور وہ حدیث یاد دلائی کہ

"میری امت میں سے ایک شخص جنت میں داخل ہوگا"

جواب میں امیر المومنین نے تحریر فرمایا کہ اس پتے کو دیکھا جائے اگر وہ سرسبز رہے اور اس

مرجھانے لگا تو بے شک وہ جنت کا پتہ ہے۔ جنت کے پتے کبھی نہیں مرجھاتے اور مذکورہ حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا گیا ہے کہ اس پتے میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوگی۔ اور جب دیکھا گیا تو اسے سرسبز پایا۔

پانی

مقدسی لکھتا ہے کہ بیت المقدس میں پانی بافراط ہے۔ چنانچہ یہ ضرب المثل عام ہوگئی ہے کہ بیت المقدس میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اذان کی آواز اور پانی نہ ہو۔ شہر میں شاید ہی کوئی مکان ہو جس میں ایک یا زیادہ حوض نہ ہوں۔ شہر میں تین بڑے حوض ہیں، برکہ بنی اسرائیل، برکہ سلیمان علیہ السلام اور برکہ عیاض ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے حرم میں بھی بہت وسیع و عریض حوض ہیں مزید برآں بیت المقدس سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک وادی میں پانی کا بند باندھا گیا ہے۔ جہاں دو تالاب بنے ہیں۔ جن میں موسم سرما کی بارشوں کا پانی پہاڑوں سے بہہ کر جمع ہو جاتا ہے۔ ان سے شہر میں پانی لانے کے لیے نہریں بنی ہیں جو موسم بہار میں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ برکہ بنی اسرائیل حرم شریف کے شمال شرقی گوشے کے باہر آج بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ بخت نصر نے اسے بنی اسرائیل کے بچوں کے سروں سے بھر دیا تھا۔ اسی روز سے یہ برکہ بنی اسرائیل کہلاتا ہے۔ برکہ سلیمان جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کھدوایا تھا، آجکل معدوم ہے۔ البتہ برکہ عیاض جسے صحابی رسول حضرت عیاض رضی اللہ عنہ بن غنم نے کھدوایا تھا۔ برکہ حمام البطرق کے نام سے یافہ گیٹ کے قریب موجود ہے۔

اسلامی مساوات کی برکت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت وسیع ہوئی تو اطاکیہ فتح کرنے کے بعد آپ نے اپنے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ کو بیت المقدس کو فتح کرنے کا حکم دیا اور طویل محاصرہ اور شدید جنگ کے بعد عیسائی صلح پر آمادہ ہو گئے۔ شہر کے لاٹ پادری نے شہر پناہ سے نکل کر کہا، ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس شہر کو نبی آخرالزمان کا ایک صحابی فتح کریگا۔ عمر اس کا نام اور لقب فاروق ہوگا۔ حضرت ابوعبیدہ نے لڑائی ملتوی کر دی اور ساری بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی۔

حضرت عمر حضرت علی کو اپنا نائب مقرر کر کے بیت المقدس کو تشریف لے گئے۔ آپ کے

ساتھ ایک غلام بھی تھا اور سواری کے لیے ایک اونٹ جس پر ایک دن خود سوار ہوتے اور دوسرے دن غلام اور خود نکیل تھام کر آگے آگے چلتے جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اسلامی فوج کے نعرہ ہائے تکبیر سے شہر کے در و دیوار گونج اٹھے عیسائیوں کا جرنیل ارطبون پہلے ہی کھسک گیا جب لاٹ پادری نے آپ کا نظارہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عدل و انصاف دیکھا کہ غلام اونٹ پر سوار ہے اور آپ نکیل تھامے ہوئے ہیں۔ تو اعلان کر دیا کہ یہی وہ شخص ہے جو بیت المقدس فتح کرے گا اور حاکم شہر کو مشورہ دیا کہ چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی جائیں۔ چنانچہ چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی گئیں اور ایک عہد نامہ کی رو سے عیسائیوں کو امان دی گئی ان کے گرجے محفوظ کر دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ نے شہر کے متبرک مقامات دیکھے۔ سو ہر نکلے تو مسیحی پادریوں نے قیمتی گھوڑا اور ایک لباس پیش کیا۔ مگر آپ نے کہا خدا نے ہمیں یہ عزت اسلام کی بدولت عطا کی ہے۔ مجھے شان و شوکت کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آپ نے مقام صخرہ (حضرت سلیمان علیہ السلام کی جائے عبادت) پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اس طرح آپ کی بدولت یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ نماز کا وقت آیا تو پادریوں نے وہیں پڑھنے کو کہا مگر آپ نے ایسا نہ کیا تا کہ مسلمان گرجوں کو مساجد نہ بنا لیں اور کنیسہ گرجے میں نماز پڑھنے کا جواز نہ ہو جائے۔ مگر پھر چار سو سال کے بعد مسلمانوں کے اختلافات اور عیسائیوں کے اتحاد سے یہ شہر عیسائیوں کے قبضہ میں آگیا۔ مگر صلیبی جنگوں میں حضرت صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے عیسائیوں کے حکمران رچرڈ کو متعدد بار پے در پے شکست دے کر ایسی کاری ضرب لگائی کہ عیسائی عرصہ تک پھر سر نہ اٹھا سکے۔ حضرت صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد عیسائیوں نے دوبارہ فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ مگر ترکی کے شاہ سلیم نے بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ کر کے عیسائیوں اور یہودیوں کو شکست فاش دی اور گرجے سے صلیب اتار کر ہلالی پرچم لہرایا۔

لیکن افسوس کہ اب پھر بیت المقدس یہودیوں کے قبضہ میں چلا گیا اللہ تعالیٰ کوئی مرد ولی بھیجے جو مسلمانوں کو بیت المقدس واپس دلوا دے۔ (آمین)

جبل حلوان

کوہ حلوان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک صحابی کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فوج کے

ہاتھ پر ایک شاندار معجزہ کا ظہور ہوا جسے نظم میں قلمبند کیا گیا ہے

فوائد ﴾

(۱) رسول اللہ ﷺ کا کتنا چرچا کہ بندگان خدا زیارت کے اشتیاق میں کیا کیا جتن کرتے

(۲) رسل کرام علی نبینا وعلیہم السلام بھی ہمارے نبی پاک ﷺ کی کرامت بیان کرتے

(۳) اللہ والوں کی زندگی کا کیا کہنا اور موت بھی کہ جب چاہو راضی ہوا تو موت کو قبول کریں۔

(۴) مزارات صحابہ نے کس کا عاشق رسول کا اور مزارات ہوتے بھی ہیں تو عاشقان رسول کے۔

وادی جہنم ﴾

بیت المقدس کے مغرب اور جنوب کی گھاٹی کو یہودی جے ہن ہون (وادی جہنم) کہتے تھے۔ مگر مسلمانوں نے شہر کی مشرقی وادی گھاٹی کو وادی جہنم کہا۔ یہ وادی حصار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور قدیم زمانہ میں اس مشرقی وادی کو کیڈرون جیہوشیفاٹ کہتے تھے۔

جوئیل نبی کے صحیفے کے باب سوم آیت ۲ میں اسکا ذکر موجود ہے۔ جس کی بنا پر یہود نے اسے میدان حشر قرار دیا اور بعض مسلمان اسے حشر و نشر یا صراط کی جگہ قرار دینے لگے۔ وادی جہنم کے متصل میدان کو "ساہرہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس جانب کے دروازے کو بھی باب اساہرہ کہتے ہیں۔ وادی میں کھجوروں کے باغ، گرجا، راہبوں کے حجرے اور بے شمار مقابر ہیں۔ قریب ہی وہ گرجا ہے جس میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا والدہ عیسیٰ علیہ السلام کا مزار ہے۔ وادی کی ڈھلوانوں پر بہت سی قبور ہیں جن میں صحابہ کرام مدفون ہیں۔ وادی کے اس حصہ کو "مقبرۃ الساہرہ" کہتے ہیں۔ ساہرہ کے متعلق تفصیل آ رہی ہے۔

وادی ساہرہ ﴾

ناصر خسرو لکھتا ہے کہ جامع مسجد سے آگے بڑا مسطح میدان ہے، جسے ساہرہ کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ یہی میدان قیامت ہے اور یہی حشر خلائق ہوگا۔ اس جنگل کے کنارے بڑا مقبرہ اور بکثرت مقدس مقامات ہیں جہاں لوگ دعا کرتے ہیں

"اے خدا ہماری مرادوں کو پورا کر، ہمارے گناہوں اور برائیوں کو معاف فرما اور اے سب سے بڑے رحیم اپنی رحمت سے ہم پر رحم فرما"

مسجد اور دشت ساہرہ کے درمیان نشیب میں ایک وادی ہے ۔ اس وادی کو جو بطور خندق کے ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادئ جہنم کا نام دیا تھا ۔ اور آج بھی یہ اسی نام سے معروف ہے یہ گھاٹی بیت المقدس کے پرانے شہر سے شرق میں ہے ۔ لی سٹرینج کا بیان ہے کہ یہود نے بیت المقدس کے جنوب وجنوب مغرب میں واقع ایک گھاٹی کو جسے "بن ہنوم" یعنی جہنم کے نام سے منسوب کیا تھا ۔ اور مسلمانوں نے جس گھاٹی کو وادئ جہنم کہا ہے ۔ وہ یہودیوں میں وادی کیدرون یا جیہو شیفٹ کہلاتی تھی ۔ اور اس کی روایت وہ جوئیل نبی کے صحیفہ سے پتے اور اسے میدان محشر قرار دیتے تھے ۔ مقدسی کے بیان کے مطابق وادی جہنم احاطہ حرم کے جنوب مشرقی گوشے سے شہر کے شرق میں انتہائے شمال تک پھیلی ہوئی ہے ۔ اس میں باغ، نخلستان، حجرے، مقابر وغیرہ بہت سے مقدس مقامات آتے ہیں اور کنیسہ مزار مریم بھی اسی میں ہے ۔ اور اوپر کے رخ وادی کی ڈھلوان پر اصحاب رسول ﷺ شداد بن اوس بن ثابت اور عبادہ ابن الصامت (رضی اللہ عنہم) کے مدفن بھی ہیں ۔ یہ میدان وادئ ساہرہ اور مسجد اقصی کے درمیان واقع ہے ۔ اسی وادی میں وہ عمارت ہے جسے ناصر خسرو نے "فرعون کا گھر" قرار دیا ہے ۔ جو اپنی ساخت کے لحاظ سے متحیر کن ہے ۔

میدان ساہرہ کے بارے میں یاقوت نے لکھا ہے کہ وہی میدان حشر ہوگا ۔ کوہ زیتون وادی جہنم کے شرقی پہلو سے مسجد اقصی پر چھایا ہوا ہے ۔ اور پہاڑی کے پہلو پر بلند جگہ پر وہ قبرستان واقع ہے جہاں ہر ملک کے مسلمان اپنے مردے دفن کرتے ہیں ۔ اسے مقام الساہرہ بھی کہا جاتا ہے ۔

یہاں مشہور چھتیس مساجد ہیں ، جن میں سب سے اہم اور قابل دید جامع عمر رضی اللہ عنہ ہے ۔ مشہور ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر کو امان دے دی تو راہب اعظم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کنیسہ کو دیکھنے کی دعوت دی ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے ۔ جب وہاں سے نکلنے لگے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا ۔ پادری نے وہیں نماز پڑھنے کی درخواست کی مگر آپ نے فرمایا نہیں ۔ پھر آپ نے سیڑھیوں پر نماز ادا کی ۔ نماز ادا کر چکے تو آپ کو خیال آیا مبادا مسلمان اس کو روایت بنا لیں تو عیسائیوں کی عبادت گاہیں محفوظ نہیں رہیں گی ، آپ نے فوراً ایک کاغذ منگوایا اور اس پر تحریر دے دی کہ کوئی مسلمان میری وابستگی نماز کو مثال بنا کر اس گرجا پر تصرف نہ کرے ۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس رواداری اور انصاف کے اعتراف میں گرجا

کے سامنے بیس قدم کے فاصلے پر ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت چاہی جسے مسلمانوں نے قبول کر لیا چنانچہ آج یہی مسجد "جامع عمرؓ" کے نام سے مشہور ہے

مسجد فاروقی ﴾

یہ مسجد جبل زیتون پر کنیسہ صعود کے قریب واقع ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس تشریف لائے تو انہوں نے لشکر کے ساتھ اسی جگہ قیام کیا اور یہاں آج کل مسجد فاروقی ہے۔ مسلمانوں نے ان کی امامت میں نماز ادا کی۔ بعد میں مسلمانوں نے اس جگہ ایک مستقل مسجد تعمیر کر دی جو مسجد فاروقی کہلائی۔

فائدہ: عیسائیوں کی ایک اہم یادگار کا ذکر موزوں ہے جو حسب ذیل ہے۔

القیامہ یا کمامہ ﴾

یہ وہی قیامت کا مقام ہے جس کو "کفر دل" سے نجات دینے کے لیے سارا یورپ امڈ آیا اور صلیبی حشر برپا ہوا۔ کنیسہ کمامہ ایک نہایت وسیع گرجا ہے، جسے نصاریٰ بہت محترم سمجھتے ہیں۔ عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ یہیں مصلوب اور مدفون ہوئے۔ اور یہیں دوبارہ زندہ ہوئے۔ اس گرجے میں انہوں نے ایک صلیب بنا رکھی ہے۔ جو سرتاسر سنگ مرمر کے ایک مستطیل چبوترہ پر کھڑی ہے۔ نصاریٰ و یہود کی دیگر یادگاریں ہم نے عمداً ترک کر دی ہیں کیونکہ اس کا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں صرف اسی یادگار کا ذکر اس لئے کیا کہ اسے اسلام و عیسائیت کے "ویل آف گیوڈ" کے نام سے پکارنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس چشمہ میں حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل فرمایا تھا۔ اس میں پانی ۸۰ درجے گہری ایک چٹان سے آتا ہے۔ اور ہر سال موسم سرما میں کناروں سے ابل پڑتا ہے۔ چشمہ ایوب سے دو فرلانگ آگے عین صلوان آتا ہے۔ مقدسی لکھتا ہے کہ عرفات کی رات زمزم کا پانی اندر ہی اندر عین صلوان آتا ہے اس شام یہاں میلہ لگتا ہے۔ ناصر خسرو لکھتا ہے۔ یہ چشمہ ایک چٹان سے پھوٹتا ہے اس کے پانی میں کوئی اس سے پاؤں تک نہا لے تو اسے ہر قسم کے درد سے نجات مل جاتی ہے۔ اور بقول علی ہروی یہ قبۃ الصخری کے نیچے سے بہتا اور وادی جہنم میں بالائے سطح نمودار ہوتا ہے۔ اسکا پانی موسم سرما میں بہت گرم اور موسم گرما میں بہت سرد ہوتا ہے۔ یہودی روایات کے مطابق اسے حضرت سلیمان علیہ السلام

کے پوتے ملک جزقیل نے کھدوایا تھا۔ ناصر خسرو کا بیان ہے کہ عین سلوان چشمہ نہیں، حوض ہے اور ایک سو قدم دور عین ام الدرج سے ایک نہر کے ذریعہ پانی یہاں لایا گیا ہے۔ یہ نہر زیر زمین ہے اس سرنگ کے راستے انسان اندر ہی اندر اس کے منبع تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے نواحی باغات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مساکین شہر کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ یہودیوں نے ترکی عہد حکومت میں اس چشمہ کے ارد گرد زمین پر قبضہ کرنا چاہا تھا لیکن سلطان ترکی نے ان کی کوششوں کو ناکام بنا کر یہاں ایک مسجد تعمیر کرادی، جو اب بھی قائم ہے۔

غار قارون

مقدسی نے بیت المقدس کے عجائبات میں ایک بڑے غار کا ذکر کیا ہے۔ جسے قرآن شریف کی سورۃ قصص کے حوالے سے قارون سے منسوب کیا گیا۔ مقدسی کا بیان ہے کہ یہ شہر سے باہر ہے۔ یہاں سے ایک دروازہ اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقتولین مدفون ہیں، لیکن اس بارے میں کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بظاہر یہ ایک پتھر کی کان ہے۔ جس میں اندر جانے کے راستے بنے ہوئے ہیں اور اس میں آدمی مشعل کی مدد سے آگے جاتا ہے۔ جامع عمر کے عین مقابل ہے۔

فائدہ: مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کے علاوہ شہر میں ایک مسئلہ سے تعلق ہے وہ ہے موت عیسیٰ علیہ السلام۔ عیسائی عقیدہ مذکور ہو چکا۔ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ قرب قیامت میں زمین پر تشریف لا کر امتی کی حیثیت سے بقایا زندگی بسر فرما کر طبعی موت سے وصال فرمائینگے اور روضہ رسول ﷺ میں مدفون ہونگے۔

دوسرے آثار

ارض مقدس کے کئی پہاڑ اور چشموں کا تذکرہ بائبل میں کیا جاتا ہے جو کسی نہ کسی اعتبار سے خاص اہمیت اور یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کوشش تو یہی کی گئی ہے کہ مقامات کے حقیقی نام استعمال کیے جائیں۔ لیکن اگر کہیں صراحت رہ گئی ہو تو قابل درگزر ہوگی۔ عبرانی زبان میں "طور" عام طور پر پہاڑ کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں یہ لفظ خاص پہاڑوں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ مثلاً طور سینا، طور زیتون وغیرہ

الطور

الطور ایک خاص پہاڑ کا نام ہے۔ اسے مجبو یا جرزیم بھی کہتے ہیں۔ یہ طبریہ کے شمال میں نابلس کے اوپر واقع ہے۔ سامری لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ یہودی بھی اس کا احترام کرتے ہیں کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہیں قربانی کا حکم ہوا تھا

طور زیتا

بیت المقدس کے مشرق میں یہ پہاڑی واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں ستر ہزار انبیاء کے مدفن ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی پہاڑ پر وعظ کیا تھا۔ کوہ تابور کو بھی جو طبریہ میں واقع ہے۔ طور زیتا کہتے ہیں۔ جبل زیتون اور بیت المقدس کے درمیان صرف ایک وادی ہے جسے "وادیٔ جہنم" کہتے تھے۔ اس جبل زیتون سے ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ (خلیفہ ثانی) شہر میں داخل ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی آمد پر نہایت مسرت کے ساتھ نعرہ تکبیر بلند کیا تھا۔ اس یادگار میں اس پہاڑی کو "جبل بکر" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

طور ہارون

"ہارون" وہ بلند پہاڑ ہے جو بیت المقدس کے جنوبی علاقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ ہارون علیہ السلام کا مقبرہ اسی پہاڑ کی چوٹی پر ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات بھی اسی پہاڑ پر پائی تھی۔ جبکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ پہاڑ پر گئے ہوئے تھے۔

طور سینا

بیت المقدس سے (۳۰۰) میل کے فاصلے پر مصر و شام کے درمیان واقع ہے۔ جو بحیرہ قلزم سے بہت قریب ہے۔ طور سینا جبل طور پر دو حصوں میں منقسم ہے شمالی حصہ چونے کے پتھر کی قسم سے ہے اور اسے "بادیہ التیہ بنی اسرائیل" کہتے تھے طور سینا کے قریب ہی "جبل موسیٰ علیہ السلام" ہے جہاں آپ نے جلوۂ خداوندی دیکھا تھا جزیرہ نمائے سینا میں بنی اسرائیل برسوں تک من و سلویٰ کھاتے رہے۔ طور سینا کے قریب "الامن" "یا ایلیم" نامی ایک گاؤں ہے جہاں اس دشت نوردی کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں نے پڑاؤ کیا تھا

طور سینا پر بارہ چشمے ہیں۔ اور اس پر ایک گرجا بھی ہے۔ یہاں زیتون کے درخت بکثرت ہیں

غالباً قرآن پاک کی سورۂ نور کی پینتیسویں آیت میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہی کا بیان ہے کہ طور سینا کی چوٹی پر ایک مسجد ہے جس میں ایک کنواں ہے۔ جس سے راہ چلتے مسافر سیراب ہوتے ہیں۔ یہی مقام ہے جہاں جلوہ خداوندی دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے تھے (کما قال تعالیٰ فانظر الی الجبل الآیۃ)

جبل الجلیل

شام کے ساحل پر حمص کی طرف پھیلا ہوا پہاڑ جبل الجلیل کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا سلسلہ دمشق تک پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کے نزدیک "سحر" نامی ایک گاؤں تھا جس میں حضرت نوح علیہ السلام رہتے تھے۔ طوفان نوح علیہ السلام یہاں سے شروع ہوا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اس پہاڑ پر بھی اپنی سیاحت کے دوران میں تشریف رہے۔ اور انہوں نے لوگوں کو خوشخبری دی کہ یہ علاقہ کبھی قحط کی مصیبت میں گرفتار نہ ہوگا۔

ارض مقدس کے یہ چند مشہور و تاریخی پہاڑ ہیں۔ مثلاً جبل عامر، جبل عوف، جبل صدیقہ، جبل النصیریہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کی تاریخ جدا ہے اور بے شمار واقعات اور حوادث روزگار ان سے وابستہ ہیں۔ صرف چشم بینا کی اور عبرت گیر دل و دماغ کی ضرورت ہے۔

اردن

بیت المقدس سے پچیس میل دور دریائے اردن بہتا ہے۔ اسی دریا سے حضرت مسیح علیہ السلام نے اصطباغ (بپتسمہ) لیا تھا۔ لاکھوں کی تعداد میں عیسائی ہر سال یہاں زیارت کو آتے ہیں اور پانی بطور تبرک لے جاتے ہیں۔ یہی دریا ہے جس کی نسبت سے شرقی اردن کی حکومت قائم ہے۔

بیت اللحم

بیت المقدس کے جنوب میں ساڑھے پانچ میل کے فاصلہ پر بیت اللحم کی بستی ہے جو سطح سمندر سے ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں زیتون کے درخت اور باغات بکثرت ہیں۔ کہتے ہیں ان درختوں کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ لوگ ان درختوں کے بیجوں کو بطور تبرک لے جاتے ہیں اور پادری بیچی چاندی بناتے ہیں۔ بڑے دن کو ہزاروں

لوگ کثیر تعداد میں زیارت کو جاتے ہیں ۔ اور رسوم حج ادا کرتے ہیں

کھجور ہے

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت گاہ میں اس کھجور کے درخت کا ایک حصہ تا حال موجود ہے جسکا پھل بی بی مریم نے کھایا جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے ۔(وهزي اليك بجذع النخلة الآية) یہ بھی بی بی مریم کی کرامت اور عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے ورنہ کھجور کے درخت اس علاقہ میں پیدا نہیں ہوتے ۔

فائدہ: فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے تو یہاں کے لوگ مسلمان ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں نماز ادا کی وہاں مسجد بنادی گئی ۔

مزار داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام پیغمبر کا مزار مبارک یہاں ہے ۔

مقبرہ راخیل والدہ یوسف علیہ السلام

بیت المقدس سے بیت اللحم کو جاتے ہوئے راستہ میں مقبرہ راخیل (RACHEL) واقع ہے ۔ راخیل حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے ۔ قریب ہی "بیت جد" نامی عیسائی بستی ہے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے اپنا بچپن انہی پہاڑوں اور میدانوں میں گزارا تھا ۔

بیت اللحم کی آبادی میں اکثریت عیسائیوں کی ہے یہاں کا لباس اور وضع قطع ابھی تک قدیم تہذیب کا زندہ نشان ہے ۔ یہاں عیسائیوں کا سب سے مقدس گرجا ہے ۔ جسے BASILICA) (OF THE NATIVITY کہتے ہیں ۔ اس کی تعمیر ۳۳۰ء میں ملکہ ہلینہ نے کرائی ۔ یہ دنیا کے قدیم ترین گرجوں میں سے ہے ۔ اس گرجا میں ابھی تک اس کھجور کا ٹکڑا محفوظ بتلاتے ہیں جس کا پھل حضرت مریم صدیقہ نے کھایا تھا یہاں بہت سے لاطینی اور امریکی گرجے بھی ہیں اور ایک قدیم گرجا فرشتوں کا گرجا بھی ہے جس میں بندے وں کو گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں یہ گرجا ان فرشتوں کے نام پر بنایا گیا ہے جنہوں نے گڈریوں کو ولادت مسیح کا مژدہ سنایا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب یہاں تشریف لائے تو تعمیر مسجد کی خواہش ظاہر کی لوگوں نے ایک گھر پیش کیا جو قبلہ

رخ بنا ہوا تھا اسے مسجد کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا اور گرجے کو بدستور رہنے دیا گیا۔ یہ مسجد عمر رضی اللہ عنہ آج تک موجود ہے۔

جبل الخلیل (HEBRON)

سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر الخلیل بیت اللحم کے جنوب میں واقع ہے۔ الخلیل کے اور بھی بہت سے نام ہیں۔ مثلاً خلیل الرحمن، مسجد ابراہیم، حبرون اور حبرا۔ یہ بستی پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں ہے اور بیت المقدس سے صرف بیس میل دور ہے۔ مکفیلا کے غار یہیں ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی بستی میں بسر کیا ہے۔ اپنی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر ایک خاص غار خاندانی قبرستان کے لیے خریدا۔ اس میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق ان کی زوجہ جناب ربقہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا انتقال مصر میں ہوا تھا۔ اور آپ وہیں دفن ہوئے تھے۔ مگر ۴ سو سال بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نعش مبارک کا تابوت اپنے ہمراہ ارض مقدس لے آئے اور یہاں دفن کیا۔ قبرستان کے احاطہ کو "حرم حبرون" کہتے ہیں۔

حرم حبرون پر ایک شاندار اور خوشنما مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ یہ بستی خالص مسلمانوں کی ہے۔ موجودہ انقلاب سے پیشتر پوری کی پوری آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ اور منصب ابراہیمی صحیح معنوں میں ابراہیمی خاک کی محافظ اور وارث تھی۔ مسجد کے قریب قدیم ایام میں ایک مسافر خانہ بھی تھا۔ جہاں آنے جانے والوں کے قیام و طعام کے انتظامات تھے۔ مسافر خانہ کا خرچ حضور نبی پاک ﷺ کے صحابی جناب تمیم الداری اور دوسرے بزرگوں کے اوقاف سے پورا ہوتا تھا۔

بیر شیبہ

جو سڑک بیت المقدس سے بیت اللحم اور الخلیل کو جاتی ہے وہی بیر شیبہ کو بھی جاتی ہے۔ قدیم ایام میں یہ ایک ممتاز یہودی مقام تھا مگر اب یہاں بدو آباد ہیں۔ اور یہ جگہ اردگرد کی بدو آبادیوں کا مرکز ہے۔

عین کرم (AIN KAREM)

یہ قصبہ بیت المقدس سے پانچ میل کے فاصلہ پر پہاڑ کے درمیان ہے یہاں زیتون اور انجیر کے درخت بکثرت ہیں یہ ایک قدیم عرب بستی ہے جو تقریباً چار ہزار سال قبل سے موجود ہے ستون کے ٹکڑے جو یہاں ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی دور سے قبل بھی یہاں آبادی موجود تھی یہی وہ مقام ہے جہاں سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عیسائیوں کے سخت معرکے ہوئے۔

لدہ (LYDDA)

قدیم ایام میں ارض مقدس کا پایہ تخت تھا۔ شہر کے علاوہ پورے ضلع کو بھی لدہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ حضرت مسیح نے اپنی زندگی کا ایک حصہ یہاں بسر کیا۔ چنانچہ ایک مزار بی بی مریم کا یہاں بتایا جاتا ہے۔ عیسائی اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ عام روایت مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو یہیں قتل کریں گے۔

جافہ (یافہ)

یہ شہر ایک قدیم تاریخ رکھتا ہے۔ اور ارض مقدس کی بہترین یادگاروں میں سے ہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں حضرت مسیح اپنی تبلیغ و تلقین میں کامیاب ہوئے۔

نابلس (SHECHEM)

دو پہاڑیوں کے درمیان یہ شہر واقع ہے۔ ان پہاڑیوں کو عیبال اور گریزیم کہتے ہیں۔ یہاں سے دریائے اردن پار کرکے یوشع علیہ السلام نے اسرائیلیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کا پیغام دیا تھا۔

نابلس میں دنیا کی مشہور قدیم نسل سامری آباد ہے۔ اس قوم نے ڈھائی ہزار سال سے اپنی نسل کا کسی دوسری نسل سے امتزاج نہیں ہونے دیا۔ احبار ان پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صرف پانچ ابتدائی نوشتوں کو مانتے ہیں سال میں ایک مقررہ شام کو گھر بار چھوڑ کر شہر کے باہر جا رہتے ہیں نابلس ان کے نزدیک بیت المقدس سے بھی زیادہ مقدس شہر ہے گریزیم پہاڑ ان کا قبلہ ہے

موجودہ جنگ سے قبل مسلمان عرب بھی بکثرت تھے بہت سی مساجد اور مزارات شہر میں موجود ہیں عیسائیوں کا کہنا ہے کہ قدیم ایام میں ان مساجد کو قدیم باشندے گرجوں کے طور

پر استعمال کرتے تھے۔ اس کی جنوب مغرب والی مسجد کے متعلق عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ جب برادران یوسف علیہ السلام اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کا خون میں لتھڑا ہوا قمیص لائے تو حضرت یعقوب علیہ السلام یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ شہر زیتون کے تیل اور صابن سازی کی صنعت کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔

''چاہ یعقوب'' وہ کنواں ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے باہر خیمہ لگاتے وقت کھودا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق کتاب مقدس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک عورت سے جب وہ یہاں پانی بھرنے آئی رشد و ہدایت کی گفتگو کی۔ یہاں بطور یادگار ایک گرجا بن گیا ہے۔

ناصرہ (NAZARETH)

گلیلی کی وادیوں میں یہ قصبہ آباد ہے۔ حضرت مسیح کی زندگی کا بیشتر حصہ اس شہر میں گزرا۔ اس مناسبت سے آپ کو مسیح ناصری اور آپ کے ماننے والوں کو نصرانی کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے کی تہذیب کے نشانات یہاں ابھی تک موجود ہیں۔ مکانات کی تعمیر اور صنعت و حرفت میں ابھی تک وہی اصول کارفرما ہے۔

وادئ موسیٰ (PETRA)

یہ وادی بیت المقدس کے جنوب میں ہے۔ یہاں زیتون کے درخت بکثرت ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی گمشدہ قوم کو دشت تیہ سے نکال کر یہیں لائے تھے۔ وہ پتھر جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے اس وادی میں موجود ہے۔ اس کی تصدیق اکثر سیاحوں نے کی ہے۔

حیفہ

راس الکرمل (MT CARMEL) کے نیچے یہ قدیم آبادی ہے جو اب بالکل جدید طرز کی ایک بستی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یہ فلسطین کی اول درجے کی بندرگاہ ہے۔

راس الکرمل کی اترائی پر بہائیوں کا پرشین گارڈن ہے۔ ان کے مذہبی رہنما باب اور مرزا عباس عبدالباب کے مقبرے بھی یہیں ہیں۔ یہاں بائبل کے ذکر کردہ بیشمار تاریخی مقامات ہیں۔

کفرکنہ (CANA OF GALILEE)

عکہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ اس کے جنوب کی پہاڑی میں حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے بیٹے کی قبور ہیں۔ ان کا ذکر یوحنا باب نمبر ۱ آیت ۱۱ میں آیا ہے وہاں اسے کنئے جلیل کہا گیا ہے۔

بلاد لوط

یہ شہر جو حضرت لوط علیہ السلام کا وطن اور صاحب بصیرت انسانوں کے لیے مرقع عبرت تھا بحیرہ لوط کے قریب تھا۔ توریت مقدس اور قرآن حکیم میں ان اجڑی ہوئی بستیوں کا ذکر موجود ہے۔ اب یہ علاقہ شرق اردن کی حدود میں ہے۔ ان پانچ قصبوں کا مرکزی شہر سدوم کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں کا پانی سخت گرم اور آب و ہوا سخت تکلیف دہ تھی۔ لوگ اسے ستر اسفل کہتے تھے۔

کنعان یا شیلون (SHILON)

توریت کی کتاب احکام میں اس کا ذکر ہے۔ مسجد السکینہ یہاں تھی۔ اور یوسف علیہ السلام کو انکے بھائی اس کنوئیں میں ڈالنے کے لیے لے گئے تھے۔ قیام مصر کے دوران آپ کا بیشتر عمر کا حصہ یہاں بسر ہوا۔

لجون (LEGIO OR MEGIDDO)

فلسطین کا ایک بہت پرانا سرحدی شہر ہے۔ اس کے باہر ایک گنبد ہے۔ جسے مسجد ابراہیم کہتے ہیں۔ یہاں ایک کنواں ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لاٹھی مار کر بطور معجزہ زمین سے پانی نکالا تھا۔ اس نام سے ایک شہر طبریہ سے ۲۰ میل دور ہے۔ ایک یا کے قریب ہے اور قیصر اصوبہ گر ین میں ہے۔

مدین

طور سینا سے مشرق کو آباد ہے اس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ صفورہ (ZIPORAH) بنت شعیب علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہاں وہ کنواں ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کے ریوڑ کو پانی پلایا کرتے تھے

بعلبک نوح

بعلبک کے نزدیک کی آبادی جس میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی صاحبزادی کی قبر

یہیں اس آبادی کے نزدیک چشمہ کی صورت میں زمین سے پانی ابلتا ہے۔ اسے "تنور طوفان" کہتے ہیں

بقاع کلب (COELO SYRIM PLAIN)

بعلبک، حمص اور دمشق کے درمیان ایک وسیع میدان میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قبر ہے قریب ہی نوح اور شعیب علیہم السلام کے مزارات بیان کیے جاتے ہیں

دیرما خور

اردن ندی کے کنارے وہ مقام جہاں یحیٰی نبی علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا تھا۔ یہاں ایک گرجا تعمیر ہے۔

جریکو

اردن ندی سے چار میل دور ایک صحرائی گوشہ ہے۔ جریکو سے ایک میل دور قدیم کنعانی بستی کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ ابھی تک اس شہر کی ٹوٹی دیواریں آثار قدیمہ کے محققوں کے لیے سرمایہ عبرت ہیں۔

جرش

شرق اردن کا دوسرا قصبہ۔ اس کے درمیان سے ندی گزرتی ہے۔ شہر میں قوم عاد کے مکانوں کے کھنڈرات بکثرت ہیں۔ شرجیل رضی اللہ عنہ نے دور فاروقی میں اسے فتح کیا تھا۔

اعجلین

ناموت کے جنوب میں ایک مختصر سا قصبہ۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا مزار بھی یہیں ہے۔ آپ کو تورات میں ادریا سدراس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ انہیں یہود کے بعض لوگوں نے خدا کا بیٹا تصور کیا۔

ملاحہ

طبریہ کے نزدیک ایک چھوٹا سا گاؤں جس میں یہودا ابن یعقوب کا مزار ہے

سبسطیہ (SEBASTIA, SAMARIA)

نابلس کے قریب ہے بیت المقدس سے زیادہ دور نہیں یہاں حضرت زکریا علیہ السلام

اور ان کے بیٹے یحییٰ ؑ کے مزارات ہیں۔

بیت احزان ﴾

دمشق اور ساحل کے درمیان وہ قصبہ جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے گم ہونے پر یعقوب علیہ السلام مدتوں اس میں مقیم رہے ۵۷۵ھ میں سلطان صلاح الدین نے اسے فتح کیا

عسقلان ﴾

عبرانی میں اس کا تلفظ اسکیلون ہے ساحل سمندر پر واقع ہے۔ اور دوہری فصیل کے اندر آباد ہے۔ عسقلان کے قریب ہی وادی نمل ہے جس کا تذکرہ قرآن پاک کی سورۂ نمل میں آیا ہے۔ شہر کے ایک طرف چاہ ابراہیم ہے۔ عبدالملک نے سنگ مرمر کی مسجد تعمیر کرائی، جسے لوگ عروس الشام کے نام سے پکارتے ہیں۔ قدیم آثار شہر میں بکثرت ہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک پہلے اس شہر میں لایا گیا۔

بیت لہیا ﴾

دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر بت تراش رہتا تھا۔ وہ گھر جس میں وہ بت بنایا اور جمع کرتا تھا اب ایک عالیشان مسجد کی صورت میں موجود ہے۔ غالباً اسی مناسبت سے ہی شہر کا نام رکھا گیا ہے اور اس کا صحیح تلفظ "بیت الالٰہ" ہوگا جو بگڑ کر بیت لہیا ہو گیا۔ اسی نام سے ایک بستی غزہ کے قریب ہے۔

بالس (BARBALISSUS) ﴾

فرات سے کچھ میل دور مغربی سمت میں شام کا سب سے پہلا شہر ہے۔ یہ شہر حضرت نوح علیہ السلام کے پانچویں پشت کے مورث "بالس" کے نام پر موسوم ہے۔ شہر سے ۵ میل دور قلعہ جعبر (یا قلعہ دوسر) ہے۔ جس کے پاس میدان صفین میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان معرکہ صفین ہوا تھا

دیر بصریٰ (نجران) ﴾

شام میں حوران کا صدر مقام جہاں شام کے سفر میں حضور اکرم ﷺ کی ملاقات بحیرہ راہب سے ہوئی تھی۔ اور اس نے آپ کو نبی آخر الزمان بتلایا تھا

جب یوسف علیہ السلام

طبریہ سے دمشق کو جاتے ہوئے دریائے اردن کے کنارے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے برادران یوسف نے انہیں اس کنوئیں میں ڈالا تھا۔ ابن بطوطہ نے خود اس کی زیارت کی ہے

جبلہ

ساحل شام (سوریا) ایک خوشنما قصبہ ۱۷ھ میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا مشہور بزرگ حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ کا مزار یہاں ہے۔

ربوہ

دمشق کے قریب سیاہ پہاڑی پر ایک گاؤں ہے۔ جامع مسجد کے حجرے میں حضرت مریم کی والدہ مدفون ہیں۔

قاسیون (M.T.CASIUS)

دمشق شہر کا شمالی پہاڑ ایک محلہ کی صورت میں آباد ہے۔ اس کے دامن میں "مغارۃ الدم" ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا۔

تدمر یا تدمور (PALMYRA)

صحرائے شام کا ایک پرانا شہر جس میں بے شمار قدیم آثار ہیں۔ اس کی اکثر عمارات حضرت سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کے زمانے کی بیان کی جاتی ہیں۔ حمص کے قریب یہ شہر ہے۔

قنسرین (CHALSIC)

اس شہر کے نام پر ہی صوبہ موسوم ہے۔ اس کے قلعہ کو یزید نے امام حسین کی شہادت کے وقت منہدم کرا دیا تھا۔ یہاں حضرت صالح علیہ السلام کا مزار ہے۔ شہر ویران ہو چکا ہے۔ اس کے کھنڈرات اور شکستہ سرائیں ناظرین کے لئے مرقع عبرت بنی ہوئی ہیں

رام اللہ

مورخین کا کہنا ہے کہ یہ شہر سلیمان بن عبدالملک نے بسایا اور جامع دمشق کے مقابل کی خوبصورت جامع مسجد تعمیر کی ابن بطوطہ نے جامع ابیض کا نام دیا ہے اور کہتا ہے کہ اس مسجد میں قبلہ رو وہ مقام ہے جہاں تین سو پیغمبر مدفون ہیں۔ اس کے قریب ہی حضرت صالح علیہ السلام کا

مزار ہے

حبرون

بیت المقدس سے چھ فرسنگ جنوب کی طرف واقع ہے عرب اسے مشہد خلیل کہتے ہیں، اس شہر کی جامع مسجد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ اسلام کی قبریں ہیں یہ قبریں ایک قطار میں بنی ہوئی ہیں اور ہر صاحب کی قبر کے ساتھ ان کی بیوی کی قبر ہے۔ ہر قبر کا درمیانی فاصلہ دس ہاتھ ہے۔ مسجد کی چار دیواری کے باہر ایک غار میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقبرہ ہے۔ حضرت ابراہیم کی سنت مہمان نوازی کو جاری رکھنے کے لیے زائرین کے مفت قیام و طعام کی خاطر ایک مسافر خانہ ہے۔ جس کے اخراجات صحابی رسول تمیم داری اور والی ترجمان معاول کے اوقاف سے پورے ہوتے ہیں۔ ناصر خسرو کے بیان کے مطابق حرم کی پیمائش ۱۹۹×۱۱۱ فٹ اور بلندی ۴۰ فٹ ہے۔ روایت ہے کہ حرم کی زمین حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے انتقال پر خریدی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ سلام کی قبر کے گرد جو احاطہ ہے وہ وحی الٰہی کے ذریعے حضرت سلیمان علیہ سلام نے تعمیر کرایا۔ یہودیوں نے جنگ ۱۹۶۷ء کے بعد سے حرم خلیل کو عجائب گھر میں تبدیل کر دیا ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس حرم میں ستر ہزار انبیا مدفون ہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام

بیت المقدس سے ۲۵ میل شمال میں واقع ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ اسلام کا مزار ہے۔ اور سلطان صلاح الدین کے عہد میں ماہ محرم میں مزار سیدنا موسیٰ علیہ اسلام پر ہفتہ بھر میلہ لگتا جس میں اہل عرب فن حرب کا مظاہرہ کرتے۔

طبریہ

یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور لقمان حکیم رضی اللہ عنہ کے مزارات ہیں انبیاء کی مسجد ہے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی بیٹی زوجہ موسیٰ علیہ السلام یہودا اور روبیل کی قبریں ہیں مزید براں ستر پیغمبر یہاں مدفون ہیں، جنہیں یہودیوں نے شہید کیا بعض لوگ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی قبر بھی یہیں بتاتے ہیں

کفر کنا

حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے والد کا مدفن ہے۔ بعض نے بیا لکھا ہے یہ گاؤں عکہ کے قریب ہے

اعبلین

یہاں حضرت ہود اور حضرت عزیر علیہم السلام کے مقبرے ہیں۔ یہ اردن کے جنوب میں ایک مختصر قصبہ ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اسکے اس مزار کی زیارت کی جو عراق میں ہے

اریحا

اریحا (جیریکو) بیت المقدس سے بارہ میل شرق میں ہے۔ اس کے قریب ایک غار میں حضرت مریم چند روز رہیں۔ اسی غار میں ان کی والدہ اور یوسف نجار کا مزار ہے۔ اور اسی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قید رکھا گیا۔

عسقلان

عبرانی میں اس کا تلفظ ریس کیون ہے۔ اس کے قریب وادی نمل ہے۔ ساحل سمندر پر واقع ہے، یہاں خلیفہ عبد الملک کی تعمیر کردہ مسجد آج بھی قائم ہے۔ ناصر خسرو کا بیان ہے کہ یہ ایسے بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے کہ کوئی توڑنا چاہے تو بھی زر کثیر خرچ کیے بغیر توڑ نہیں سکتا۔ اس کے قریب چاہ ابراہیم علیہ السلام ہے جسے آپ نے اپنے ہاتھ سے کھودا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر پہلے یہاں لایا گیا۔

عورتا

نابلس سے بیت المقدس کی سڑک پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہاں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ابن عم مفضل کی قبریں ہیں۔ یہ ایک غار کے اندر مدفون ہیں۔ یہاں اور بھی ستر انبیاء مدفون ہیں

اعبرہ

اس مقام کا نام ہے جہاں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا

عمدہ جہاں حضرت عیش وشمعون کی قبریں ہیں

دیرِ تجلّی

طبریہ اور انجیون کے درمیان جبلِ طور پر وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت اپنے حواریوں کے روبرو تجلّی ہی سے بدل گئی تھی

دیرِ طورِ سینا

صحرائے سینا میں طورِ سینا کی چوٹی پر ہے۔ اور جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی اور انہوں نے غش کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تجلّی دیکھی۔

دامون

عکہ سے تین میل مشرق میں ہے، یہاں ایک چھوٹی سی کھو ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا تابوت ہے۔ بعض روایات کے مطابق حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔

غزہ

ساحلِ بحرِ فلسطین کا مشہور شہر ہے۔ یہاں سرورِ کائنات ﷺ کے پردادا ہاشم ابن عبد مناف کی قبر ہے۔ یہی قصبہ امام محمد ابن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت گاہ ہے۔ شہر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک یادگار بھی قائم ہے۔

حطیرہ

اعجلیس سے جانب جنوب ایک گاؤں ہے۔ یہاں ایک چشمے کے کنارے ایک مسجد میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی صاحبزادی صفورہ زوجہ موسیٰ علیہ السلام کی قبریں بتائی جاتی ہیں۔

حلحول

یہاں حضرت یونس علیہ السلام ابن متا کا مزار ہے۔ اور یہ گاؤں بیت المقدس اور حبرون کے درمیان واقع ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے والد کی قبر بھی قریب ہی ایک گاؤں احمد میں ہے

حطین

یہ وہی گاؤں ہے جس کے مشہور معرکہ ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین غازی رحمۃ اللہ علیہ نے صلیبیوں کو فنا کر دیا۔ حطین عکہ اور طبریہ کے درمیان طبریہ سے ۲ فرسخ (۶ میل) کے فاصلے

پر ہے۔ اور سلطان صلاح الدین نے یہاں ایک قطعے پر اپنی تاریخی فتح کی یاد میں قبۃ النصر کے نام سے ایک یادگار عمارت تعمیر کی تھی۔ اس کے قریب ایک گاؤں خیرہ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر بتائی جاتی ہے

اربد یا اربل﴾

طبریہ کا ایک نواحی قصبہ۔ یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے چار بیٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ مدفون ہیں۔

جُبّ یوسف﴾

طبریہ اور بیروت کے درمیان وہ کنواں ہے جس میں یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا۔ یہ کنواں آجکل ایک مسجد کے صحن میں ہے۔

کابول﴾

ساحل فلسطین پر ایک قصبہ۔ یہاں حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بیٹے روبین اور شمعون مدفون ہیں۔

کفر بریک﴾

مشہد خلیل اللہ علیہ السلام کے قریب ایک گاؤں جہاں حضرت لوط علیہ السلام مدفون ہیں۔ یہاں کی پرانی مسجد میں ایک غار ہے۔ جس میں ساٹھ انبیا کا مدفن ہے۔

کفر منده﴾

اسے مدین بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی علاقہ کے لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کی زیارت گاہ ہے اور وہ حجر اسکی، چٹان سے ڈھکا ہوا ہے۔ جس کی چٹان حضرت موسیٰ نے اپنی بیوی کی بکریوں کو پانی پینے کے لیے اٹھا دی تھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے آشر اور نفتالی بھی اسی گاؤں میں مدفون ہیں

قیصریہ﴾

رملہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ساحل بحر روم پر نہایت مستحکم قلعہ ہے۔ اسے عہد فاروقی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا نہایت خوبصورت شہر ہے

کنعان ﴾

موجودہ نام سیلو یا شیلوح (SHILOH) ہے۔ تجبل و نابلس کے مابین شاہراہ کے دائیں طرف واقع ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یہیں رہتے تھے

الکرک ﴾

بحر قلزم پر بیت المقدس و ایلہ (ایلات) کے درمیان راہ میں واقع ہے۔ اس سے ایک منزل پر موتہ ہے۔ جہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی قبریں ہیں۔

قصر یعقوب علیہ السلام ﴾

یہ جگہ طبریہ سے بیسان کے راستے پر واقع ہے۔ یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے جاتے رہنے پر روتے۔

اللجون ﴾

وہ شہر جہاں مسجد ابراہیم علیہ السلام ہے۔ یہ مسجد ایک پتھر پر بنی ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عصا مارا تھا۔ جس سے فوراً پانی پھوٹ نکلا۔ یہ چشمہ آج تک جاری ہے۔

روبی ﴾

بیت المقدس و نابلس کے درمیان ایک گاؤں، یہاں روبی بن یعقوب کی قبر ہے۔

لد (۴۴ے) ﴾

قدیم دور میں فلسطین کا پایہ تخت رہا ہے۔ یہاں عیسائیوں کا کلیسا سینٹ جارج ہے۔ اور عیسائی روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کلیسا میں دجال کو قتل کریں گے۔ عیسائی روایات کے مطابق اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کے ہمراہ ہوں گے۔ اور لد کے دروازے پر حضرت عیسیٰ سے مقابلہ کریں گے۔

نابلس ﴾

فلسطین کا قدیم شہر سامرہ یہودیوں کا شہر ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ مقدس شہر یروشلم نہیں بلکہ نابلس ہے اور اگر کسی سامری کو بیت المقدس جانا پڑ جائے تو وہ شہر میں داخل ہونے سے قبل ایک

پتھر اٹھا کر شہر پہ مارتا ہے۔ سامرہ کی عبادت گاہ کر زیم میں وہ قربان گاہ ہے، جس کے بارے میں اہل سامرہ کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اسی جگہ قربانی کے لیے پیش کیا۔ یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا کھودا ہوا کنواں ہے۔ اور قصبہ سے باہر ایک مسجد ہے۔ جہاں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے سجدہ کیا اور یہاں ایک پہاڑی گریزیم ہے۔ جو سامرہ کی سمت قبلہ ہے۔ نابلس کے قریب حضرت خضر علیہ السلام کا چشمہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا کھیت بھی ہے۔ بیت المقدس سے اس کا فاصلہ دس میل ہے۔

ابو الفدا تحریر کرتا ہے کہ جب حجروبوم سلیمان علیہ السلام کے اخلاف سے باغی ہوا تو وہ دس قبیلے اپنے ہمراہ لے کر نکلا اور نابلس میں پہاڑی پر ایک بڑا معبد تعمیر کرایا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام کے علاوہ سب انبیائے اسرائیل کا منکر تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں پر بیت المقدس جانے کی ممانعت کر دی۔

رامہ

بیت المقدس سے جانب شمال واقع ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مقام مبارک ہے۔

رومہ

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کا مدفن ہے۔

سبسطیہ

حوالی نابلس میں واقع ہے۔ یہاں حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بہت سے دوسرے انبیاء اور بزرگانِ دین کے مزار ہیں۔

الشجرہ

یہاں حضرت صالح علیہ السلام کے فرزند الصدیق کی قبر ہے۔ یہاں ایک غار میں اسی (۸۰) شہیدوں کی نعشیں ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سبسطین

وہ مقام جہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والدین اور حضرت الیسع علیہ السلام مدفون ہیں۔

طویٰ

وہ مقدس وادی جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجنے سے قبل ان سے کلام کیا۔ طور سینا کے قریب ایک جگہ ہے۔

وادی موسیٰ

بیت المقدس کے جنوب میں حجاز کی راہ پر واقع ہے۔ اور اسی وادی کے ایک پہاڑ میں وہ پتھر ہے، جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر بارہ چشمے جاری ہوئے تھے۔

یافہ

فلسطین کا ایک ساحلی شہر جسے الملک العادل نے ۱۱۹۷ء میں صلیبیوں سے بذریعہ طاقت چھینا۔

مسجد الیقین

حبرون سے ایک فرسخ کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ جس پر ابو بکر السباحی کی بنی ہوئی مسجد کھڑی ہے، جسے مسجد الیقین کہتے ہیں۔ اس مسجد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بستر گاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اسی جگہ سے بلاد لوط کو جلتے دیکھ کر فرمایا تھا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ الیقین نے (یعنی خدا) کا وعدہ سچا ہے۔"

مسجد الیقین کے باہر فاطمہ بن حسن رضی اللہ عنہما ابن علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی قبر ہے۔

یبنیٰ

یافا اور عسقلان کے درمیان آباد ہے۔ یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

عکہ

ساحل سمندر پر ہے، حضرت صالح علیہ السلام کا مزار یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ اس مقبرہ اور مسجد کے صحن میں ایک ٹکڑا زمین ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی کی تھی۔ ایک چشمہ ہے جسے عین البقر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکالا ہوا ہے۔

ارض بیت المقدس کے مشہور مزارات

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام (مسکن ایلیا۔ مزار الخلیل، حبرون) (۲) حضرت اسحاق علیہ السلام (مزار الخلیل) (۳) حضرت یعقوب علیہ السلام (مسکن کنعان) (۴) حضرت نوح علیہ السلام (مزار بعلبک) (۵) حضرت ہود علیہ السلام (۶) حضرت عزیر علیہ السلام (اعیلین)

(۷) حضرت سلیمان علیہ السلام (بیت اللحم مسکن) (۸) سموئیل نبی (مزار نصب)

(۹) حضرت داؤد علیہ السلام (بیت اللحم مسکن) (۱۰) یوشع نبی (مسکن جریکو، مزار صرفہ)

(۱۱) حضرت لوط علیہ السلام (مسکن سدوم مزار رزہ دالخلیل) (۱۲) حضرت الیاس علیہ السلام (مزار بقاع کلب) (۱۳) حضرت ایوب علیہ السلام (مسکن حوران) (۱۴) حضرت شعیب علیہ السلام (مزار کوہ حطین) (۱۵) حضرت یونس علیہ السلام (مسکن حوران، مزار حلحول) (۱۶) حضرت صالح علیہ السلام (مزار قصرین) (۱۷) حضرت زکریا علیہ السلام و (۱۸) حضرت یحییٰ علیہ السلام (مزار سبسطیہ) (۱۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام (مسکن سینا مصر وغیرہ) (۲۰) حضرت ہارون علیہ السلام (مزار کوہ ہور) (۲۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسکن بیت اللحم مولد) (۲۲) حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام (۲۳) حضرت راحیل زوجہ یعقوب علیہ السلام (مزار الخلیل) (۲۴) یہودا ابن یعقوب علیہ السلام (مزار روحہ۔ طبریہ) (۲۵) راحیل والدہ یوسف علیہ السلام (مزار بیت اللحم) (۲۶) صفورہ بنت شعیب علیہ السلام (مزار کوہ حطین) (۲۷) والدہ موسیٰ علیہ السلام (مزار اربد۔ عکہ) (۲۸) مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام (مزار بیت المقدس) (۲۹) ام کلثوم زوجہ آنحضرت (راویہ۔ دمشق) (۳۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی (مزار کو طبریہ) (۳۱) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ابن جراح صحابی (مزار عما)

نوٹ: اسکے علاوہ اور بھی بہت مزارات ہیں صرف نمونہ کے طور پر چند اسمائے مبارک لکھے ہیں۔
نیز ہندوستان کے مشہور لیڈر "مولانا محمد علی جوہر" مرحوم کی قبر بھی بیت المقدس کے جوار میں ہے۔

فقط والسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الامین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری

ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاولپور پاکستان

۳ جمادی الاول ۱۴۲۳ھ

☆☆☆☆☆

Nafseislam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM